

ابنِ صفحی

جاسوسی دنیا

-50۔ پاگل خانے کا قیدی

-51۔ شعلوں کا ناچ

-52۔ گیارہواں زینہ



پیشہ س

پاگل خانے کا قیدی ملاحظہ فرمائیے۔ اس میں فریدی اور حمید سے ملنے۔ حمید کی دلچسپیاں اس کی شرارتیں اور رام گذھ کی نپر اسرار فضاؤں میں پروان چڑھنے والی یہ کہانی کتنی دلچسپ اور کتنی معزکہ الاراء ہے۔ اس کا فیصلہ بھی آپ ہی کر سکیں گے لیکن میں اتنا ضرور کہوں گا کہ ابن صفائی کے انداز بیان نے اردو میں جاسوسی ناول لکھنے والوں کے لئے ایک نئی طرح ڈالی ہے، جو اپنی مثال آپ ہے۔ جاسوسی ادب میں ابن صفائی کے معیار پر پہنچنا ایک لبے عرصے تک شاید کسی کے لئے بھی ممکن نہیں ہو گا۔ وہ قاری کو کہانی کے تانے بانے میں اس طرح الجھادیتے ہیں کہ پڑھنے والا اس وقت تک ناول ہاتھ سے نہیں چھوڑتا جب تک اسے ختم نہ کر لے۔ پاگل خانے کا قیدی بھی ایسی ہی کہانی ہے، جسے آپ ایک ہی نشست میں پڑھنا پسند کریں گے۔

پبلشر

ایک سفر

کپارٹمنٹ میں کئی افراد تھے۔ لیکن سب خاموش تھے۔ ٹرین فرانٹ بھر رہی تھی۔۔۔۔۔ کپارٹمنٹ ایری کنڈیشنڈ تھا ورنہ لوگ سکون سے مطالعہ کرنے اور اوگنٹھے کی بجائے بہت شدت سے تجھیں نظر آتے کیونکہ کپارٹمنٹ کے باہر میں کا آتش بار سورج اپنی تھرا گلگیزی کا مظاہرہ کر رہا تھا۔ کپارٹمنٹ میں دو کافی خوبصورت لڑکیاں بھی تھیں۔ اسی لئے کیپٹن حمید پر اختلاج قلب کا دورہ پڑ گیا تھا، جہاں حسن ہو وہاں سنائی اسے غیر فطری معلوم ہوتا تھا اور کسی غیر فطری ماحول میں جسمانی نظام کا متاثر ہونا ضروری ہے لہذا اس پر اختلاج کا دورہ پڑ گیا۔

فریدی ایک کافی ٹھیک کتاب میں سر کپار رہا تھا۔ مطالعہ میں انہاک اور چیز ہے اور اس کے انداز سے تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ اپنی لاہری ری کے وسیع کرے میں تھا بیٹھا ہو۔ سگار سلاگاتے وقت بھی اس کی نظر کتاب ہی پر ہوتی تھی۔ یہ کسی جرمن مصنف کی تصنیف جرمن ہی زبان میں تھی۔

فریدی کپارٹمنٹ میں بیٹھے ہوئے تمام افراد سے مختلف نظر آ رہا تھا۔ یہی وجہ تھی کہ دوسرے لوگ بار بار اسے دیکھتے تھے۔ لوگوں کے دیکھنے پر تو حمید کو کوئی اعتراض نہ تھا۔ لیکن وہ لڑکیاں۔۔۔۔۔ وہ دونوں فریدی میں بہت زیادہ دلچسپی لے رہی تھیں۔ دلچسپی لینے کی بات ہی تھی کیونکہ فریدی ایک بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا تھا۔ ہر وہ نوجوان ایسی لڑکیوں کے لئے عجوبہ ہو گا، جو انہیں نظر انداز کر کے اس طرح مطالعہ میں مشغول ہو جائے کہ ایک آدھ بار

نظر وں کا تصادم بھی نہ ہو سکے۔ ویسے وہ لڑکیاں حقیقتاً تھیں کہ پرکشش تھیں کہ ایک معمراً دوسرے کا بہانہ کر کے بار بار آئیں بھر رہا تھا اور انہیں اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے کبھی کبھی بڑیوں نے بھی لگا تھا۔

لڑکیوں کے ساتھ بھی ایک معمراً تھا۔ اس کی آنکھیں دھنڈل تھیں۔ لیکن پھر بھی ان سے مترٹھ ہوتا تھا کہ وہ بہت ذینن اور پڑھا لکھا آدمی ہے۔ چہرہ بیضوی اور داڑھی مونچھوں سے بے نیاز تھا۔ پیشانی اونچی اور بہت کشادہ... سر پر برف کے سے شفاف بال جتنی تعداد پر شامد عمر کی زیادتی بھی اثر انداز نہیں ہو سکی تھی۔ مجموعی طور پر اُس کا چہرہ نرم دل شفق آدمیوں کا ساتھا۔ اس نے بھی اکثر فریدی کے انہاں کو توجہ اور دلچسپی کی نظر سے دیکھا تھا۔ حمید اس پر اور زیادہ کتاب ہوا تھا.... لیکن..... اس وقت اُسے کچھ سوچھی نہیں رہا تھا۔ لوگ اس کی طرف عموماً اسی وقت متوجہ ہوتے تھے جب وہ اپنے مخصوص انداز میں بولنا شروع کرتا تھا اور فریدی کی شخصیت اسی تھی کہ وہ دوسرے اُسے ہر حال میں دوبارہ دیکھنے پر مجبور ہو جاتے تھے۔

حمد سوچنے لگا کہ اب اُسے زبردستی بوڑھے سے جان پہچان پیدا کرنی چاہئے، لیکن فی الحال کوئی طریقہ نہیں سمجھ رہا تھا۔ اس نے فریدی کی طرف دیکھ کر ایک مخفی سی سانس لی اور پھر ادھر اور ہر دیکھنے لگا۔ وہ بہت شدت سے بور ہوا تھا۔ وہ پندرہ منٹ بھی خاموش رہنا پسند نہیں کرتا تھا، چ جائیکے متواتر چار گھنٹے.... اُسے چار گھنٹے پار۔ میں معذوم ہوئے تھے۔ چار گھنٹے سے اس نے زبان نہیں کھوئی تھی اور اب قریب ہی تھا کہ آتا ہے۔ دوسرے میں تبدیل ہو جائے، اچاک اُس کی نظر ایک رومن پر پڑی، جو با تھر روم کے قریب فرش پر پڑا ہوا تھا۔ یہ رومن حمید نے اس بوڑھے کے ہاتھ میں دیکھا تھا جو لڑکیوں کے ساتھ تھا۔

وہ اٹھ کر با تھر روم کی طرف گیا اور رومن اٹھا کر لڑکیوں کی سیٹ کی طرف بڑھا۔ ”یہ رومن شامد آپ کا ہے۔“ حمید نے بوڑھے سے کہا۔

”اوہ.... می ہاں.... شکریہ....!“ بوڑھا رومن لیتا ہوا مسکرا کر پھر آہستہ سے بولا۔ ”آپ شامد ان صاحب کے ساتھ ہیں۔“

”می ہاں.... وہ بڑے بھائی ہیں میرے۔“ حمید نے مغموم لمحے میں کہا۔ ”بیٹھئے....!“ بوڑھا ایک طرف کھلکھلتا ہوا بولا۔ ”وہ تو بے تھا شاپڑھنے والوں میں سے معلوم

ہوتے ہیں۔“

”شکریہ....!“ حمید بیٹھتا ہوا بولا۔ ”جی ہاں! بظاہر ایسا ہی ہے۔“
”بظاہر....!“ بوڑھے نے دھر لایا۔

لڑکیاں خاموش ہو گئیں۔ شامد وہ ان کی گفتگو سننے لگی تھیں۔
”جی ہاں! کوئی خاص بات نہیں۔“ حمید نے مخفی سانس لے کر کہا۔ اس کی آواز حدود جہ غناک ہو گئی تھی۔

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھ سکا۔“ بوڑھے نے دلچسپی کا اظہار کیا۔
”ایک بہت بڑی بد نصیبی جتنا... وہ ایک جرمن مصنف کی کتاب ہے۔“
”ہاں ہے تو.... میں نے با تھر روم کی طرف جاتے وقت دیکھا تھا۔“
”لیکن وہ جرمن نہیں جانتے۔“ حمید نے کہا۔

”میابات ہوئی.... وہ....!“ بوڑھا ہانتے لگا۔ لڑکیاں بھی مسکرا گئیں۔ حمید نے دیکھا کہ بات نہیں بنتی تو وہ بوکھلا کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ فریدی اس وقت کتاب کو چہرے کے برابر اٹھائے دیکھ رہا تھا اور کتاب اٹھی تھی شامد وہ کوئی چارٹ تھا جسے وہ الٹ کر دیکھ رہا تھا۔
”وہ دیکھئے....!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کیا کتاب اٹھی نہیں ہے۔“
”آ..... ہا.... ٹھیک ہے۔“ بوڑھے نے کہا۔

استثنے میں فریدی نے چارٹ دیکھ کر کتاب پھر زانوپر رکھ لی۔
”گگ....!“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”وہ لوگوں پر رعب ڈالنے کے لئے ایسا نہیں کرتے۔“
”میں سمجھا تھا واقعی کوئی ذہین اور سمجھیدہ لڑکا ہے۔“ بوڑھے نے منہ بتا کر کہا۔
”آپ غلط سمجھے ہیں۔ وہ جاں نہیں ہیں۔ آکسیفرڈ سے ایم۔ اے کیا تھا۔ یہی کہا تھا میں نے کہا۔“
کہ یہ ایک بہت بڑی بد نصیبی ہے۔“

”میاب نصیبی ہے۔“ بوڑھے نے اکھرے ہوئے لمحے میں پوچھا۔
”یہ پاگل ہیں۔“ حمید نے گلوگیر آواز میں کہا اور اپنی بیگنی ہوئی آنکھیں خشک کرنے لگا۔
”کیا مطلب....!“ بوڑھا حمید کو گھورتا ہوا بولا۔ ”وور آپ انہیں اس طرح لئے پھر رہے ہیں۔“
”آپ مطمئن رہیں۔ یہ اُس قسم کے پاگل نہیں ہیں کہ دوسروں کے لئے دردسر بنیں۔ یہ

صرف اپنے لئے خطرناک ہیں۔“

”وہ کیسے...!“ بوڑھا پھر دچپی لینے لگا تھا اور لڑکیاں بھی آپس کی گفتگو بند کر کے بوڑھے کے شانے پر جھک آئی تھی۔

”ابھی اور اسی وقت....!“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”ایسا بھی ہو سکتا ہے کہ یہ انھ کو کوٹ پہنیں، چھڑی اٹھائیں اور چلتی ہوئی ٹرین سے اس طرح نکل جائیں جیسے اپنے کمرے سے نکل کر ٹھیکے جارہے ہوں۔“

”اوہ....!“ بوڑھا سر پلا کر رہا گیا پھر حمید کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”دوسروں سے جھگڑتے تو نہیں۔“

”نہیں جتاب! اوہ کسی سے بات کرنا بھی پسند نہیں کرتے۔ جھگڑا کیسا....!“

”گھروالوں کے ساتھ بر تاؤ کیسا ہے۔“ بوڑھے نے پوچھا۔

”کسی سے کوئی غرض ہی نہیں رکھتے۔ جرمن اور فرانسیسی زبانوں سے عشق ہے۔ ہر ماہ سینکڑوں روپے کی کتابیں خریدتے ہیں لیکن انہیں اسی طرح لئے بیٹھے صفات النا کرتے ہیں۔“

”دیکھا تم نے....!“ بوڑھا لڑکیوں کی طرف مزکر بولا۔ ”یہ صاحزادے مجھے یہ تو قوف بنانے کی کوشش کر رہے ہیں۔“

”لاحوال ولا قوتہ....!“ حمید نے برا سامنہ بنانا کراحتتے ہوئے کہا۔ ”بزرگوں نے نھیک ہی کہا ہے کہ مسافرت میں اجنبیوں سے گفتگو کرنے میں دولت و عزت کا زیباں ہوتا ہے۔“

”بیٹھو! بیٹھو!“ بوڑھا اس کا ہاتھ پکڑ کر بٹھاتا ہوا بولا۔ ”میں گرہ کٹ نہیں ہوں، اس لئے دولت کے زیباں کا خطروہ نہیں۔ عزت اس لئے خطرے میں نہیں کہ میں نے تمہیں گالیاں نہیں دیں.... کہاں پڑھتے ہو....! کس ایری میں....!“

”میں اب کسی بات کا جواب نہ دوں گا۔“ حمید جھنچھلانے ہوئے لبھے میں بولا۔ ”مجھ سے بہتر میرا بھائی ہے، جو کبھی کسی سے گفتگو نہیں کرتا۔“

”کیا تمہارے بیان میں صداقت تھی۔“

”نہیں میں جھوٹا ہوں اور اس مسئلے پر کوئی گفتگو نہیں کرنا چاہتا۔“

”میں مذاق سمجھتا تھا۔“ بوڑھے نے سخیگی سے کہا۔ ”مجھے ان کے حالات بتاؤ۔ مجھے لوگ ذہنی امراض کا اپیشیشست کہتے ہیں۔ تم لوگ شائد رام گذھ جا رہے ہو۔“

”ہاں ہم وہیں جا رہے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”کس غرض سے۔“

”علانج کے علاوہ اور کیا غرض ہو سکتی ہے۔ ویسے وہ بھی سمجھتے ہیں کہ گرمیاں گزارنے کے لئے رام گذھ سے زیادہ بہتر اور کوئی جگہ نہیں ہو سکتی۔“

”ہاں.... آں.... میں حالات معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ ممکن ہے کچھ مدد کر سکوں۔“

”حالات....!“ حمید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر ایک طویل سانس لی۔ ”میں تماستا ہوں لیکن آپ وعدہ سمجھتے کہ میرا مذاق نہیں اڑائیے گا۔ ابھی ابھی آپ نے مجھے خواہ مخواہ شرمندہ کرنے کی کوشش کی تھی۔“

”اوہ! اسے بھول جاؤ میاں لڑکے۔ میں بھی غلطی پر نہیں تھا۔ آج کل طالب علموں میں دوسروں کو یہ تو قوف بنانے کا مرض عام ہے حالانکہ یہ بھی ایک قسم کا چھپھورا پن ہے۔ بچوں کی سیعادت.... خود نمائی کا خط.....!“ ہاں تو تم مجھے بتاؤ۔“

”میاں عرض کروں بچپن ہی سے گم سم رہتے آئے ہیں اور ان کی حالت تو آپ کے سامنے ہے۔ حالات مفعکلہ نہیں ہیں۔ مثلاً رات کو ٹھیل کر آئے چھڑی کو بستر پر ڈال کر لاف اور ٹھاڈیا اور خود جا کر چھڑی کی جگہ کونے میں کھڑے ہو گئے.... دیکھئے.... آپ لوگ ہنس رہے ہیں تا.... لاحوال ولا قوتہ۔“

حمید نے برا سامنہ بننا کر خاموش ہو گیا۔ لڑکیاں واقعی ہنس رہی تھیں۔

”ہو سکتا ہے.... ہو سکتا ہے۔“ بوڑھا سر پلا کر بولا۔ ”ویسے اس قسم کی باتوں پر ہنسی تو ضرور آئیگی۔ میں تمہیں جھوٹا نہیں سمجھتا.... ہاں اچھا.... عام حالات میں یادداشت کی کیا کیفیت ہے۔“ ”اوہ! ہمارے لیتے ہیں.... لفظ اور ہماری اور ہتھے لیکن یہ بھول جاتے ہیں کہ لیا تھا دیا تھا۔ لہذا کم از کم گھروالے تو انہیں قرض دیتے ہوئے گھبراتے ہیں۔ ان بچاروں کو قرض دے کر عموماً پیشان ہونا پڑتا ہے کیونکہ یہ زبردستی اتنی ہی رقم پھر کسی موقع پر موصول کر لیتے ہیں کہ تم نے فلاں دن مجھ سے قرض لیا تھا.... اب واپس کرو۔“

”واقعی عجیب کیس ہے۔“ بوڑھے نے تشویش آمیز لبھے میں کہا۔ ”شادی ہو گئی ہے۔“

”اچھا ہی ہوا کہ ابھی تک نہیں ہو سکی۔“

”خواہش کرتے ہیں۔“ بوزھے نے پوچھا۔

”نہیں.... البتہ مجھ سے کہتے ہیں کہ اب تم شادی کرلو۔“

بوزھا تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ بالکل ٹھیک ہیں۔ گھر والوں کو یو تو قوف بنا رہے ہیں۔“

”ہائیں! مکمل کرتے ہیں آپ بھی۔ بچپن سے اب تک یو تو قوف ہی بنتے آ رہے ہیں۔“

”بچپن میں کیا کیفیت تھی۔“

”بچپن میں حالات پر یشان کرن تھے۔ والد صاحب کے ساتھ بازار گئے اور اپنک والد صاحب کو احساس ہوا کہ وہ ان کے ساتھ نہیں ہیں۔ ہوا یہ تھا کہ کسی دوسرے کے ساتھ اُس کے گھر تک پہنچ جاتے تھے۔ کھانے بیٹھے تو سالن کے بجائے روٹیوں سے چاول کی پلیٹ صاف کر گے۔ مارپڑی تو ہستے ہستے بیدم ہو گے۔“

”اور اس کے باوجود بھی..... تم کہتے ہو کہ انہوں نے ایم۔ اے کیا ہے۔“

”یہی تو خاص بات ہے جتاب! ڈاکٹروں کی عقل چکر میں ہے۔ ایک صاحب ان کی سائیکلوانیلیس کرنے بیٹھے تھے۔ وہ تھپڑا تھا کہ آج تک یاد کرتے ہوں گے۔“

”تھپڑا...!“ ایک لڑکی نے حیرت سے دھر لیا۔

”جی ہاں! میں نہیں جانتا کہ اس طریقے کا کیا نام ہے۔ ہر حال ماہر نفیات نے ان سے کہا کہ وہ لفظ کہے گا اور بھائی صاحب اس کے جواب میں دوسرناظ کہیں گے۔“

”اوہ.... اچھا اچھا....!“ بوزھے نے سر بلایا۔

”جی ہاں.... ماہر نفیات نے پہلا لفظ از اند کہا۔ بھائی صاحب بولے آؤٹ آف ڈیٹ۔ اُس نے کہا نسل پالش.... آپ نے فرمایا چھومندر.... پتہ نہیں اور کیا کیا اوٹ پاگل چلتی رہی۔ آخر میں ماہر نفیات نے کہا گلی.... آپ نے تھپڑ کہہ کر باتھ گھمادیا۔“

”لڑکیاں نہیں پڑیں اور بوزھا بولا۔“ وہ کوئی عطا لی رہا ہو گا۔ اس کیس کے لئے یہ طریقہ نفو ہے دیسے کیس دلچسپ اور انوکھا ہے۔ آپ رام گذھ میں کہاں ٹھہریں گے۔“

”کسی ہوش میں....!“

”بچھے خوشی ہو گی اگر آپ میرے ساتھ قیام کریں۔“ اس نے فریدی کی طرف دیکھتے

ہوئے کہا، جو اس وقت بھی کتاب کو اٹ کر اپنے پھرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔ ”یہ کیس میرے لئے بہت دلچسپ ہے۔ اس طرح میرے تجربے میں بھی اضافہ ہو گا۔“

”مگر.... میں کیسے عرض کر سکتا ہوں۔ انہیں پر رضا مند کر لینا آسان کام نہ ہو گا۔“

”کیوں انہیں کیا اعتراض ہو سکتا ہے۔“

حید پھر کچھ سوچنے لگا۔ اس نے یہ کواس محض اس لئے شروع کی تھی کہ لڑکوں کو کچھ دیر ہٹانے کے بعد ان سے بے تکلف ہو جائے گا، لیکن حالات نے سنجیدگی اختیار کر لی۔ اچانک اس نے بوزھے سے پوچھا۔

”آپ کا ذاتی ہپتال ہے۔“

”ذاتی ہپتال بھی ہے اور میں سرکاری مٹل ہپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین بھی ہوں۔“

”حید پھر کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔

”مگر جتاب.... میں ابھی کوئی واضح جواب نہیں دے سکتا۔“

”ویکھئے گا! اگر ہو سکے تو اولیے اس میں آپ ہی کافائدہ ہے۔“

کہاں تو حید اس پچر میں تھا کہ کچھ تفریج حاصل کرے گا اور کہاں اب اُسے خلجان میں بتلا ہو جانا پڑا۔ بات ایسی ہی تھی۔ اگر وہ بوزھا واقعی مٹل ہپتال کے میڈیکل بورڈ کا چیئرمین تھا تو فریدی سے رام گذھ میں اس کی ملاقات یقینی تھی کونکہ فریدی جس کام کے لئے رام گذھ جاریا تھا وہ وہاں کے پاگل خانے ہی سے تعلق رکھتا تھا حالانکہ حید کو اس نے تفصیل نہیں بتائی تھی مگر پھر بھی وہ اس سے تو واقعہ ہی تھا کہ پروگرام میں پاگل خانہ بھی شامل ہے۔

لڑکیاں پھر گفتگو میں مشغول ہو گئی تھیں، لیکن بار بار ان کی نظریں فریدی کی طرف ضرور اٹھتی تھیں اور شام کے موضع گفتگو بھی فریدی ہی تھا۔

بوزھا بڑا رہا تھا۔ ”واقعی یہ کیس دلچسپی سے خالی نہ ہو گا۔“

حید کچھ نہ بولا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ اس سلسلے میں اس کی جو حوصلہ بننے والی ہے اُس کا ذمہ دار وہ خود ہی ہو گا۔

تین ریو والور

توہوزی دیر بعد وہ پھر فریدی کے پاس جا بیٹھا اور اسی مکین صورت بنائی جیسے کسی ہی میں والدین کے سامنے سے محروم ہو گیا ہو۔

ساری تفریق کر کری ہو کر رہ گئی تھی اور اب وہ سوچ رہا تھا کہ کس طرح معاملات کو برابر کرے گا لہا اب ٹرین کسی اسٹیشن پر رکنے والی ہے۔ فریدی کتاب پر نظر جمائے ہوئے بڑھایا۔ کافی کے لئے کہہ دینا۔“

”نہیں ڈائینگ کار میں چلیں گے۔“ حمید نے آہستہ سے کہا۔
”اس کی کیا ضرورت ہے۔“

”بس یونہی دل چاہتا ہے۔“
”غیر ضروری حرکتوں سے احتراز کیا کرو۔“

”یہ میری ضد ہے۔ آپ کبھی میرا کہنا نہیں مانتے۔ آپ کو چلنا ہی پڑے گا۔“
”آہا... کوئی خاص بات...!“

”بس اٹھنے اٹرین رک رہی ہے۔“
”اگر لوگ گئی تو...!“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”آپ کے بد لے میں مر جاؤں گا....!“
فریدی نے کتاب بند کر کے رکھ دی۔ لیکن لاکیوں کو یہ دیکھ کر مایوسی ہوئی کہ وہ اب بھی ان کی طرف متوجہ نہیں ہوا۔ البتہ بوڑھے سے دو ایک بار نظریں میں اور پھر وہ حمید سے بولا۔ ”چلو! پتہ نہیں کیوں بور کرنا چاہتے ہو۔“

گاڑی ایک اسٹیشن پر رکی تھی وہ دونوں کمپارٹمنٹ سے اُتر کر ڈائینگ کار میں جا بیٹھے۔
”ہاں! کیوں لائے ہو یہاں...!“ فریدی نے بیٹھنے ہوئے کہا۔

”آپ جانتے ہیں کہ میں بالکل گدھا ہوں۔“
”میرے جانتے نہ جانتے سے کیا ہوتا ہے۔“
”میں ہمیشہ غلطیاں کرتا رہا ہوں۔“

”نہیں ہمیشہ تو نہیں۔ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔“

”شہر یے بتاتا ہوں۔“ حمید نے کہا اور ویژہ کی طرف متوجہ ہو گیا۔ کافی کا آرڈر دینے کے بعد وہ پھر بولا۔ ”آپ کی عزت میرے ہاتھ میں ہے۔“

”میری عزت! کیا مطلب....!“

”اوہ.... معاف کیجئے گا۔ میں بہت زیادہ لکنیوں ہوں۔ مطلب یہ ہے کہ میری عزت آپ کے ہاتھ میں ہے بلکہ ہم دونوں کی عزت۔ کچھ میں نہیں آتا کہ کس کے ہاتھ میں ہیں۔ بس یہ سمجھ لیجئے کہ آپ کی ہاں یا نہیں پر دونوں کی عزت توں۔“

”میرا خیال ہے کہ یہاں ڈائینگ کار میں اس وقت کوئی عورت بھی موجود نہیں ہے پھر کیوں تم میرا وقت بر باد کر رہے ہو۔“

”اچھا تو سنے! اگر آپ پاگل ہیں تو شہر نے کا بھی معقول انتظام ہو سکتا ہے۔“

”میں جا رہا ہوں۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ لیکن ٹرین حرکت میں آچکی تھی۔ مجبوراً اُسے پھر بیٹھ جانا پڑا۔

”مجھ سے ایک حماقت ہو گئی ہے۔“ حمید نے بوسور کر کہا۔

”اُرے بکو بھی کچھ...!“

”کیا آپ مجھے معاف کر دیں گے۔“

”معاف کرنے سے پہلے گلا ضرور گھونٹ دوں گا۔ مجھے بورنہ کرو۔“

”اگر میں کسی سے یہ کہوں کہ آپ کا ذہنی توازن بچپن ہی سے گمراہوا ہے تو آپ میرے ساتھ کیا برتاؤ کریں گے۔“

”میں حق تجھ پاگل ہو کر تمہیں گولی مار دوں گا۔“

”میں بہت سنجیدگی سے گفتگو کر رہا ہوں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ ویژہ نے کافی کی ٹرے لاء کر میز پر رکھ دی تھی۔ وہ سکار سلاگ کا پانے لئے کافی بنائے لگا۔ پھر وہ آہستہ سے بڑھایا۔ ”تم کچھ دیر کے لئے سامنے والی بر تھ پر بیٹھے تھے۔“

”جی ہاں! مجھ سے یہ حماقت سرزد ہوئی تھی۔“

”پھر! کیا بات ہے۔“

”کچھ نہیں... میں نے ان سے کہا تاکہ آپ میرے بڑے بھائی ہیں۔“

”اچھا بس اب خاموش رہو۔ بھلا اس جملے میں کون سی ایسی خاص بات ہے جس کے لئے مجھ سے داد طلب کرنا چاہتے ہو۔ بے شکی باقی پر تو فہمی آنے سے رہی بلکہ اکثر تو تمہاری عقل پر رونے کو بھی دل نہیں چاہتا۔“

”ہائے پوری بات تو سخت۔“ حید کراہ کر بولا۔ اور پھر اس نے معموم سی آواز میں پوری داستان دہرا دی۔

فریدی مسکرا کر بولا۔ ”چلو پرانہ کرو۔ اگر مجھے تختہ مشق بنا کر تم نے تھوڑی سی تفریخ کر لی تو اس میں میرا کیا حرج ہے۔ اب تم اس سے نہایت صفائی سے کہہ سکتے ہو کہ میں ہوٹل کے علاوہ اور کہیں قیام کرنے پر رضا مند نہیں۔ بات اس طرح ختم ہو جائے گی۔ تم ہمیں زندے ذیوٹ ہوڈیوٹ...!“

”ہائے...!“ حید پھر کراہ۔ ”نہیں تو مصیبت ہے کہ آپ کو اس سے دوبارہ بھی ملتا پڑے گا۔ اُس وقت میری کیا پوزیشن ہو گی۔“

”ملتا پڑے گا! کیا مطلب...!“ فریدی اُسے گھوڑنے لگا۔

”وہ ملتا ہاٹپٹل کے میڈیکل بورڈ کا بیجٹری میں ہے۔“

”کیا...؟“ فریدی نے کافی کی بیالی میز پر رکھ دی۔ حید اس کی آنکھوں میں ایک عجیب قسم کی چمک دیکھ رہا تھا۔

”کیا تم کچھ رہے ہو۔ وہ آہتہ سے بولا۔“

”ہاں! اس میں قطعی جھوٹ نہیں ہے۔ یہ بھی شامت ہی تھی۔ اگر مجھے معلوم ہوتا...!“

”ماگو، کیا مانگتے ہو فرزند...!“ فریدی کی آنکھوں میں شرارت ناقچ رہی تھی۔

”واپسی کا کرایہ...!“ حید نے گلو گیر آواز میں کہا۔

”ایک بار پھر کھاپڑتا ہے کہ بعض اوقات تمہاری حماقت بہت کار آمد ثابت ہوتی ہے۔“

”ہائیں تو کیا معاملہ ٹھیک ہے۔“

”بالکل ٹھیک ہے حید صاحب! اس وقت تو گویا غیب سے مدد ہوئی ہے۔“

”ارے... وہ مارا...!“ حید نے زبردستی ایک زور دار قہقهہ لگایا۔

”تواب مجھ سے اس کا تعارف یہ کہہ کر کر دینا کہ آپ والد صاحب کے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”اچھا تو کیا.... قیام بھی کچھے گا اسی کے بیان....!“

”تمہاری بات تو اسی صورت میں نہیں گی....!“ فریدی نے کہا۔

”تو پھر آپ کو خطمی بھی بننا پڑے گا۔“

”خطبی کیا! میں اس سے زیادہ بھی کچھ بننے کو تیار ہوں۔“

”اور اب مجھے ہر گز یہ نہ بتائیں گے کہ اصل چکر کیا ہے۔“

”مجھے ایک پاگل کے متعلق تحقیقات کرنی ہیں، جو دس سال سے رام گنڈھ کے مغلی ہاٹپٹل میں ہے اور آج سے دس سال قتل میڈیکل بورڈ کے موجودہ چیئرمین نے اسکا داخلہ دہان کرایا تھا۔“

”تو آپ اس کے متعلق کیا معلوم کرتا چاہتے ہیں۔“

”نیا حالاں تم معاملے کی بات کرو۔“ فریدی نے کہا۔

”میں کیا کہوں! جو کہنے دہ کیا جائے۔“

”جو تمہارا دل چاہے کرو۔ میں نے خود کو تمہارے رحم و کرم پر چھوڑ دینے کا فیصلہ کر لیا ہے۔“

”اچھا تو پھر بعد میں مجھ پر تاؤ نہ کھائیے گا۔“

”مطمئن رہو۔“ فریدی نے کہا اور بجا ہو اس گار سلکانے لگا۔ کچھ دیر خاموشی سے سگار کا دھواں بھیکھر تارہ بھر مسکرا کر بولا۔ ”اس سے پہلے تم کئی بار پاگلوں کے روں ادا کر چکے ہو.... خیر ہناو۔“

”نہیں کہنے کہنے...!“ حید جلدی سے بولا۔

”کچھ نہیں۔ وقت بہت برباد کرتے ہو۔ کافی دیر تک بیان پیٹھنا پڑے گا۔ دوسرا اشیش ترقی بیاپاس میں کے قاطلے پر ہے۔“

”آپ کام بن جانے کی بعد بھی مجھ پر ردار کھتے رہتے ہیں۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد حید نے کہا۔ ”یا آپ مجھے اس پاگل کے متعلق کچھ نہ بتائیں گے۔“

”کیا بتاؤں۔ اس سے زیادہ میں بھی نہیں جانتا کہ اس پاگل پر ایک عورت اور اُس کی بچی کے اغواء کا الزام ہے۔“

حمدیہ اس کے پاس سے انھ کر بوڑھے کے پاس جایا۔
 ”کیوں....!“ بوڑھے نے پوچھا۔ ”میا آپ تیار ہیں۔“
 ”کیا عرض کروں میری تو ہمت پڑی نہیں کہنے کی۔ ویسے ایک تجویز ہے.... میرے ذہن
 اُف فوہ.... میری آنکھیں جل رہی ہیں۔ کہیں لو کا اثر نہ ہو گیا ہو۔“
 ”جب آپ باہر جا رہے تھے میرا دل چاپا تھا کہ روک دوں۔ ٹھنڈک سے لکھت گرمی میں چلا
 جانا خطرناک ثابت ہوتا ہے۔ آپ بھی جانتے ہوں گے۔“
 ”میں کیا کرتا۔ بس سر ہی تو ہو گئے کہ ڈائینگ کار میں چل کر کافی پیش گے۔“

”کافی! خدا کی پناہ! اس آب و ہوا میں۔“

”اب آپ ہی دیکھئے! مجبور انجھے بھی پینی پڑی۔ انکار کرتا تو آفت ہی آجائی۔ وہ ٹھیک ہی
 مشل ہے کہ جھوننا بھائی ہونے سے بہتر ہے کہ آدمی کتا ہو جائے۔“
 ”شراب بھی پیتے ہیں۔“ بوڑھے نے پوچھا۔

”اس کے تو نام ہی سے نفرت ہے۔ اگر آپ کی زبان سے شراب کا نام ہی سن لیں تو کم از کم
 اُس گلاس میں پانی پینا پسند نہیں کریں گے جسے آپ نے استعمال کیا ہو۔“
 ”اچھا ہے! ورنہ شراب اور زیادہ خطرناک ثابت ہوتی۔ ہاں ابھی آپ کون سی تجویز پیش
 کر رہے تھے۔“

”تجویز یہ ہے کہ اگر آپ مناسب سمجھئے تو ہمارے والد صاحب کے دوست بن جائیے اور
 ہمیں اس رشتے کی بناء پر اپنے یہاں قیام کرنے پر مجبور سمجھئے۔ شاید وہاں جائیں کیونکہ والد صاحب
 کے دوستوں کا بہت احترام کرتے ہیں۔ ان کا نام کمال ہے اور میں جمال ہوں۔ والد صاحب کے
 نام کے لئے آپ سرفاضال کا حوالہ دے سکتے ہیں۔“

”سرفاضال....!“ بوڑھا بڑا۔ ”آپ لوگ کسی اچھے خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔“
 ”نہیں خاندان تو کچھ ایسا زیادہ اچھا نہیں ویسے اللہ چھے چاہے عزت دے جسے چاہے ذلت دے۔“
 ”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”جمولی شیخیاں گھاراں اپنا مسلک نہیں ہے۔ پشت ہاپشت سے ہم لوگ دولت مند نہیں رہے
 ہیں۔ ہمارے دادا صاحب اگر یہی فوج میں ایک معمولی سے سپاہی تھے۔ ترقی کرتے کرتے جzel

”اتقی ذرا سی بات کے لئے کرتل فریدی کو تکلیف دی گئی ہے۔“

”میں نے خود ہی تکلیف کی ہے۔ جسی طور پر.... تم جانتے ہی ہو کہ میں محض تفریغ کی خاطر
 ایک ماہ کی چھٹی ہر گز نہیں لے سکتا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ کیس میں چیزیں ضرور ہو گی۔“

”ہو بھی سکتی ہے اور نہیں بھی۔“

”بہر حال آپ نہیں بتانا چاہتے۔“

”کیا جاننا چاہتے ہو۔“

”کیا اس کیس سے تعلق رکھنے والے کوئی اہمیت رکھتے ہیں۔“

”ہاں! ہے تو ہمیں بات! ورنہ.... اوہ دیکھو! ٹرین کی رفتار کم ہو رہی ہے۔ یہ کوئی بہت ہی
 چھوٹا سا اٹیشن ہو گا۔ جلدی کرو تاکہ ہم اپنے کپارٹمنٹ تک پہنچ سکیں۔ یہاں بڑی تیش ہے۔“
 ”حمدیہ نے کافی کامل ادا کیا۔ ٹرین ایک چھوٹے سے اٹیشن پر رکی اور دونوں ڈائینگ کار سے اُتر
 کر اپنے کپارٹمنٹ میں آگئے۔“

”ہم یہاں تو نہیں تھے۔“ فریدی چاروں طرف دیکھتا ہوا بڑا۔

”نہیں تھے! بھائی صاحب۔“ حمید نگک آجانے والے انداز میں بولا۔ ”یہ دیکھئے ہمارا سب
 سامان یہاں موجود ہے۔“

”بکواس....!“ فریدی نے جھلانے ہوئے لبجھے میں کہا۔ ”کیا ساری دنیا میں ہمارا ہی سامان
 ایسا ہو سکتا ہے۔“

”نہیں بھائی صاحب! آپ کی یہ کتاب۔“ حمید نے بر تھوڑے پر سے کتاب اٹھا کر فریدی کی
 طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

”آہا.... ٹھیک.... ہم یہیں تھے۔ عام آدمی جرمن زبان سے دچپی نہیں رکھتے۔“
 فریدی بر تھوڑے پر بیٹھ گیا۔ دوسرے مسافر انہیں گھور رہے تھے لیکن بوڑھے کا انداز دوسروں
 سے مختلف تھا۔

فریدی نے پھر کتاب اٹھا۔ بوڑھا باب حمید کی طرف دیکھنے لگا تھا۔
 تھوڑی دیر بعد فریدی پھر پہلے ہی کی طرح مطالعہ میں گم ہو گیا۔

کے عدبے تک پہنچ گئے تھے اور دادا کے باب ایک معمولی کسان تھے۔

”تم واقعی بلند خیال اور اعلیٰ کردار کے مالک ہو۔“ بوڑھا مسکرا کر بولا۔ ”بہت کم لوگ اس قسم کی باتیں کرتے ہیں۔“

”بہر حال کہنے کا مطلب یہ کہ آپ رام گذہ کے اشیش پر اچانک ہم دونوں کو پہچان لیجئے گا۔ بیہاں کپارٹمنٹ میں نہیں۔ ورنہ بھائی صاحب کو شہرہ ہو جائے گا اور وہ فوراً یہ سوال کر بیٹھیں گے کہ آپ نے اتنی دیر میں کیوں پہچانا۔۔۔ اور وہاں اشیش پر وہ یہ بات بھول چکے ہوں گے کہ ہم سب نے ایک ہی کپارٹمنٹ میں سفر کیا تھا۔“

”اتنی جلدی بھول جاتے ہیں۔“

”جی ہاں۔ قطعی۔ میرا دعویٰ ہے کہ وہ یہ بھی بھول گئے ہوں گے کہ ابھی ہم دونوں ڈائینگ کار میں تھے۔ ہاں مگر وہ کتاب جو جرم من یا فرانسیسی میں ہو اُسے وہ کبھی اور کسی حال میں بھولتے۔ اکثر کہتے ہیں کہ میں کسی جرم من یا فرانسیسی لڑکی سے شادی کروں گا، ورنہ میری زندگی تلنگ ہو جائے گی۔“

”بھئی یہ کیس انوکھا ہے۔“ بوڑھا مفطر بانہ انداز میں باٹھ ملتا ہوا بولا۔

”ایک بار کاذکر ہے۔“ حمید کوئی لطینہ چھیڑنے ہی جا رہا تھا کہ اس نے فریدی کو اپنی جگہ سے اٹھتے دیکھا۔

”خدا خیر کرے۔“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ فریدی پھر بیٹھ گیا۔ وہ مفطر بانہ انداز میں چاروں طرف دیکھنے لگا۔ حمید اس کی طرف بڑھا۔

”تم کہاں چلے گئے تھے۔“ فریدی غریباً۔

”مم..... میں بیہیں تو تھا۔“

”میری چھڑی کہاں ہے۔“

”چھڑی..... دیکھئے ہم ٹرین میں ہیں۔“

”آہا..... لا حول ولا قوۃ..... بھئی یہ گاڑی کب پہنچے گی۔“

قبل اس کے حمید کوئی جواب دیتا۔ اس نے کپارٹمنٹ کے تین آدمیوں کو روپور نکالتے ہوئے دیکھا۔

کار پر فائرنگ

فریدی نے مفطر بانہ انداز میں پہلو بدلा۔ حمید کو تو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اچانک اس کے سامنے کسی جا سوئی ناول کا کوئی باب کھل گیا ہو۔ یہ تینوں آدمی کپارٹمنٹ میں اس وقت موجود نہیں تھے جب وہ کافی پینے کے لئے ڈائینگ کار کی طرف گئے۔ غالباً ان کے جانے کے بعد ہی وہ کپارٹمنٹ آئے ہوں گے۔

لوگوں کے چہروں پر ہوا یاں اڑ رہی تھیں لیکن حمید نے بوڑھے ڈاکٹر کی حالت میں کسی قسم کی بھی تبدیلی محسوس نہ کی۔ وہ نہایت سکون کے ساتھ ان تینوں کو دیکھ رہا تھا۔ البتہ اس کی دونوں لڑکیاں خوفزدہ نظر آ رہی تھیں۔

تقریباً آوھے منٹ تک بھی کیفیت رہی۔ پھر اچانک اُن تینوں نے اپنے روپور جیب میں ڈال لئے اور ان میں سے ایک نے نہایت سنجدگی سے کہنا شروع کیا۔ ”یہ اور اسی قسم کے دوسرے انجانے حادثے.... زندگی کا کوئی اعتبار نہیں۔ آپ سفر پر جا رہے ہیں خوش ہیں۔ لیکن کسی کو غیب کا حال نہیں معلوم۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس کی موت کب اور کس طرح آجائے۔ یہ ٹرین کسی دوسری ٹرین سے لڑکتی ہے۔ گاڑی پر ڈاکوؤں کا حملہ ہو سکتا ہے پھر.... کیا ہو گا۔ عقائد وہی ہے جو آج ہی کل کا بندوبست کر لے۔ کل کا بندوبست یہ ہے کہ آپ کے بعد آپ کے پچھے کسی پریشانی کا شکار نہ ہوں۔“

”میں اپنی زندگی کا یہ سمجھنے نہیں کراؤں گا۔“ حمید اپنے کانوں میں انگلیاں ٹھوں کر چینا۔ اور وہ آدمی خاموش ہو گیا۔ چند لمحے خاموش رہا پھر نہیں کر بولا۔ ”حضرت نوح کا لڑکا طوفان سے بچنے کے لئے درخت پر چڑھ گیا تھا.... ہاں تو صاحبان.... اپنی زندگی کا یہ سمجھنے کرانا نہ ہوئے.... اور گرینڈ لائف انٹرونس کمپنی کو ہمیشہ یاد رکھئے۔ ہزاروں آسمانیاں.... سینکڑوں کفائیں اور کفائلیں....!“

اس نے جیب سے گرینڈ لائف انشورنس کمپنی کا لڑپچر نکال کر کپارٹمنٹ میں تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ لوگوں کو غصہ تو بہت آرہا تھا لیکن نفسیاتی طور پر وہ ایک طرح کی سرور انگریز طہانیت بھی محسوس کر رہے تھے کیونکہ ابھی ابھی وہ گویا موت کے منہ سے واپس آئے تھے۔ بوڑھے ڈاکٹر نے لڑپچر نہیں لیا۔ حید نے بھی انکار کر دیا۔ لیکن فریدی اس کا ہاتھ پکوڑ کر اپنے پاس بٹھاتا ہوا بولا۔ ”بیٹھ جاؤ... کیا تم اپنی زندگی کا یہہ کراچکے ہو۔“

”قطیعی.... سو فیصدی.... میں ہی نہ کروں گا۔“

”اگر تم مرجاو... تو تمہارے بچوں کی مالی حالت خراب نہ ہوگی.... کیوں؟“

”قطیعی.... مالی اعتبار سے ان کی حالت بہتر ہی رہے گی۔“

”تو گویا تم سکون سے مر سکتے ہو۔“

”جی ہاں....! مجھے مرتے وقت اب کوئی پریشانی نہیں ہو سکتی۔“

”تو پھر اب زندہ رہ کر کیا کرو گے۔“ فریدی نے سمجھی گی سے کہا اور اُس کے دونوں ہاتھ اُس کی گردن کی طرف بڑھ گئے۔

”اڑے.... اڑے....!“ وہ ایک طرف کھک کر کھڑا ہو گیا۔

”نہیں! اب تمہاری زندگی بیکار ہے۔“ فریدی بھی بٹھتا ہوا بولا۔ اس کی آنکھوں سے درندگی جھائٹنے لگی تھی۔ ہونٹ بچھ ہوئے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے اُس پر کچھ خون سوار ہو۔

”کیا بات ہے۔ کیا معاملہ ہے۔“ اس کے دونوں ساتھی چیختنے ہوئے لپکے۔

”اس کی زندگی کا یہہ کرنے جا رہا ہوں۔“ فریدی غرایا۔ ”اگر تمہیں اپنے بال، بچوں کی مالی حالت درست کرانی ہو تو تم بھی آو۔“

فریدی نے اس کی گردن پکوڑی اور کپارٹمنٹ میں خاصی ہڑبوگ کچھ گئی۔ اس کے ساتھیوں کے علاوہ دوسرے لوگ بھی دوڑپڑے لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر جماہر اور اس کے ہونٹوں پر عجیب سی مسکراہٹ تھی۔

بہر حال فریدی اس کا گلا نہیں گھونٹ سکا۔ لوگوں نے اُسے الگ کر دیا تھا اور یہہ کمپنی کا لڑپچر تقسیم کرنے والا دور کھڑا اپنی گردن سہلا رہا تھا۔

حید اس کا شانہ چکلتا ہوا بولا۔ ”پرواہنہ کرو دو دوست۔ مگر تم لوگوں کا طریقہ بہت انوکھا ہے۔“

”جی ہاں جتاب؟“ وہ ایک طویل سانس لے کر اپنالا صاف کرنے لگا۔ پھر بولا۔ ”خطرناک بھی ہے۔ بعض اوقات لوگ بہت نرمی طرح پیش آتے ہیں۔“

”لیکن یہ طریقہ.... غیر قانونی ہے۔“

”ریو اور نعلی ہیں جتاب اور پھر ہماری نیت میں فتور نہیں ہے۔ لوگ عموماً ہمیں معاف ہیں کر دیجے ہیں۔“

”مگر یہ طریقہ....!“ حید کچھ سوچنے لگا۔

”اس طرح لوگ ہمیشہ ہمیں یاد رکھتے ہیں اور جب وہ اپنی زندگی کا یہہ کرنے کا ارادہ کرتے ہیں تو انہیں گرینڈ لائف انشورنس کمپنی ضرور یاد آتی ہے۔ ہمارا یہ طریقہ ابھی تک پچانوے فیصلہ کامیاب رہا ہے۔ اس طرح ہم کچھ جو انہیں انجما نے حادثات کے امکانات پر غور کرنے پر مجبور کر دیتے ہیں۔“

حید نے فریدی کی طرف دیکھا جو پھر اپنی کتاب میں ڈوب گیا تھا اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ شروع سے اب تک اپنی جگہ سے ہلا بھی نہ ہو۔ ڈاکٹر کی تمام تر توجہ فریدی ہی کی طرف تھی اور وہ دونوں لڑکیاں بھی.... حید کے دل پر چوتھی لگی۔

ٹرین کی رفتار پھرست ہونے لگی تھی۔ حید ڈاکٹر کے پاس جا بیٹھا۔

”ان لوگوں کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے؟“

”محشرے ہیں! لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گی کہ میں نے پہلی بار انہیں رام گذہ کی رویوے لائیں پر دیکھا ہے اور آج تک اس قسم کے یہہ ایجنٹوں کے متعلق کچھ سننے کا بھی انتقال نہیں ہوا اگر آپ کے بھائی صاحب اس سے کیوں الجھ پڑے تھے۔“

حید نہیں کر بولا۔ ”اڑے وہ تو بس یونہی.... اُس سے کہنے لگے۔ تم نے اپنی زندگی کا یہہ کرایا ہے۔ اس نے کہا گیا ہاں۔ آپ بولے پھر اب تمہیں مر جانا چاہئے تاکہ تمہارے بچے مالی فائدہ حاصل کر سکیں۔“

لڑکیاں ہنسنے لگیں اور بوزھا بھی مسکرا دیا۔

”بھی مجھے شہد ہے۔“ بوڑھے نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

”کس بات پر....!“

"ان کی دماغی حالت... مجھے خراب نہیں معلوم ہوتی۔ بہر حال میں دیکھوں گا۔"
"کیوں آپ کو شہبہ کیوں ہے؟"

"ایک بھی بحث ہے اتم اتنا جاؤ گے۔ بہر حال اگر میرے ساتھ قیام کرو تو...!"
حمدید چند لمحے پکھہ سوچتا رہا پھر بولا۔ "آخر آپ نے میری باتوں پر اعتاد کیوں کر لیا۔"

"تمہارے اس سوال کا مطلب میں نہیں سمجھا۔"
"ہو سکتا ہے کہ ہم لوگ فراڈ ہوں۔ ہماری پیشائی پر تو یہ بات لکھی نہیں ہے کہ ہم جو کچھ
بھی کہہ رہے ہیں حق کہہ رہے ہیں اور ابھی آپ بھی شہبہ ظاہر کر رہے تھے۔"

"برخوردار... تم غلط سمجھے۔ میرا یہ مقصد نہیں تھا کہ تم جھوٹے ہو بعض اوقات لوگ کسی
ابھی خاصے آدمی کو بھی پاگل سمجھ لیتے ہیں۔ حالانکہ بات صرف اتنی سی ہوتی ہے کہ وہ عام
آدمیوں سے ذہنی طور پر مختلف ہوتا ہے۔"

" مختلف ہونا ہی تو پاگل بننے ہے۔" حمدید نے کہا۔

"ہرگز نہیں۔ مختلف ہونا پاگل پن نہیں ہو سکتا۔ ضروری نہیں کہ جو چیز میٹھی نہ ہو وہ کڑوی
ہوگی.... ترش بھی ہو سکتی ہے.... نہیں بھی اور پھیکی بھی۔ میں اگر یہ کہوں کہ تم عام آدمیوں
سے مختلف ہو تو اس کا مطلب یہ نہ ہو گا کہ تمہارے سر پر سینگ میں۔ یا تم ایک عدد سوٹ کے مالک
ہو یا آدمی ہی نہیں ہو۔"

"میں سمجھ گیا آپ بالکل ٹھیک فرمائے ہیں لیکن آخر یہ اختلاف کس قسم کا ہو سکتا ہے۔"

"اے دیکھنا اور سمجھنا پڑے گا۔ تم کہہ رہے ہو کہ یادداشت بھی کمزور ہے اس لئے ان کا
معائش کئے بغیر میں قطعی طور پر کچھ نہیں کہہ سکتا۔"

ثرین پھر ایک ایشیان پر رک گئی۔ اب پہاڑیوں کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا اور رام گذھ کے
پہاڑ بہت دور وہند میں لپٹنے ہوئے نظر آرہے تھے۔

بیہر کمپنی کے اجنبی کمپارٹمنٹ سے جا چکے تھے۔

"یہ لوگ بھی عجیب تھے۔" حمدید نے کچھ دیر بعد کہا۔ "مگر جناب! اس وقت پورے
کمپارٹمنٹ میں صرف آپ ہی مطمئن نظر آرہے تھے۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے آپ اسے مذاق تی
سمجھے ہوں۔"

"میں بھی تمہاری تعریف ہی کروں گا۔" بوڑھے نے کہا۔ "میں کہہ تمہیں اتنا ہوش تھا کہ
میری دلی کیفیات کا اندازہ کر سکو! کیوں کیسی رہی۔"

"ٹھیک ہی رہی! مجھے بچپن ہی سے روی اور منکھے خیز معلوم ہوتے رہے ہیں۔" حمدید نے
نلاپرداں سے کہا۔

"اوہ وابست تو مجھے تمہارا بھی نفیاٹی تجزیہ کرنا پڑے گا۔"

"نفیاٹی تجزیہ...!" حمدید آہستہ سے بڑا بڑا۔ "لا حول ولا قوّة۔"

"کیوں لا حول کیوں پڑھ رہے ہو۔"

"میں ابھی تک اسے تجزیہ یا نفیاٹی نفیاٹی یا بولتا رہا ہوں۔ اب شرم آرہی ہے۔ ان لوگوں نے مجھے
جاہل ہی سمجھا ہوا گا جن کے سامنے اب تک یہ لفظ دہراتا رہا ہوں۔ بہتری چیزیں مجھے غلط ناموں
سے یاد آتی ہیں۔"

"کوئی بات نہیں! تمہارا بھی علاج ہو جائے گا۔" بوڑھا مسکرا نے کہا۔

"میرے خدا کیا خاندان بھر پاگل ہے۔" حمدید بے بی سے بولا۔

لڑکیاں بھی ہنسنے لگیں۔ حمدید محسوس کر رہا تھا کہ ان میں سے ایک کچھ کہنے کیلئے بے قرار ہے۔
ثرین پھر چل پڑی تھی۔ اب مناظر تبدیل ہو گئے تھے۔ سورج مغربی افق میں جھک رہا تھا اور
چاروں طرف سرسبز پہاڑیاں بکھری ہوئی تھیں۔ جلد اسینے والی گرمی لطیف سی ننکی میں تبدیل
ہو گئی تھی۔ اب کمپارٹمنٹ کی کھڑکیاں بھی بند نہیں تھیں۔

یک فریدی پھر کھڑا ہو گیا۔ وہ کچھ مضطرب ساظھر آ رہا تھا۔

حمدید اٹھ کر اسکی طرف چھپا۔ فریدی بلند آواز میں بول رہا تھا۔ لیکن انداز سے یہ نہیں معلوم
ہوتا تھا کہ وہ دوسروں کو اپنی آواز سنانے کی کوشش کر رہا ہے۔ وہ پلکش جھپکائے بغیر خلاء میں
گھورتا ہوا کہہ رہا تھا۔ "وہ ٹھیک کہہ رہا تھا مجھے ابھی اور اسی وقت اپنی زندگی کا یہہ کہ ایسا نہ چاہئے۔"
"اس وقت تو تما ممکن ہے بھائی جان۔" حمدید نے کہا۔ "ویسے آپکا خیال بالکل درست ہے۔"
فریدی پھر بیٹھ گیا۔

اس کے بعد پھر کوئی خاص واقعہ پیش نہیں آیا۔ حمدید پھر اپنی بر تھوڑے آبی بیٹھا۔
ثرین آٹھ بجے رات کو رام گذھ پہنچی اور بوڑھا ڈاکٹر پروگرام کے مطابق بچھانے کی وجہ سے دنوں کی

سے آنکھ لایا۔

”میرا خیال ہے کہ تم دونوں سرافضال کے لڑکے ہو۔“ اس نے کہا۔

”جی ہاں.... جی ہاں.... فرمائے۔“ حمید جلدی سے بولا۔

”اوہ.... کیا مجھے نہیں پہچانا۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں۔“

”ہمیں آپ.... اُف فوہ.... کتنے بدل گئے ہیں۔“ حمید گر جوشی میں ہاتھ ہلاتا ہوا بولا۔

”تم شائد جمال ہو۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”جی ہاں.... اور یہ کمال بھائی جان ہیں۔“

”اوہ! کمال میاں تم تو بالکل بدل گئے ہو۔“ ڈاکٹر نے فریدی کی طرف مصالغے کے لئے ہاتھ بڑھایا، لیکن فریدی کے جسم میں حرکت نہ ہوئی۔ وہ بت کی طرح کھڑا پلکیں جھپکائے بغیر ڈاکٹر کو گھور رہا تھا۔

”اوہ! بھائی جان۔“ حمید جلدی سے بولا۔ ”یہ نجیب چپا ہیں والد مر حوم ان کے گھرے دوستوں میں سے تھے۔“

”اچھا...!“ فریدی اس طرح چونکا میسے اب تک خواب دیکھتا رہا ہو۔ دسرے لمحے میں وہ جھک کر بڑی عاجزی کے ساتھ ڈاکٹر سے مصالغے کر رہا تھا۔

”لیکن مانئے! مجھے انہائی افسوس ہے کہ میں آپ کو نہ پہچان سکا۔“ اس نے بھائی ہوئی آواز میں کہا۔ ”تو قعہ ہے کہ آپ میری یہ غلطی معاف کر دیں گے۔“

”کوئی بات نہیں.... کوئی بات نہیں۔“ ڈاکٹر بولا۔

”نہیں کہنے کے میں نے معاف کر دیا۔ درنے میں ڈھنی کوفت میں بیتلار ہوں گا۔“ فریدی نے گلوگیر آدا میں کہا۔

”معاف کر دیا بھائی۔“ ڈاکٹر ہنسنے لگا۔ ”کیا اسی ٹرین سے اترے ہو۔“

”جی ہاں....!“ حمید بولا۔

”کہاں قیام ہو گا؟“

”ہوٹل میں....!“ حمید نے جواب دیا۔

”کیا....؟ سرافضال کے لڑکے رام گلڈھ آئیں اور ہوٹل میں قیام کریں۔ ممکن....“

قطھی نا ممکن۔ یہ نہیں ہو سکتا۔ تمہیں میرے یہاں قیام کرنا پڑے گا۔“

”اوہ.... دیکھئے۔“ فریدی پلکیں جھپکاتا ہوا بولا۔ ”آپ کو بڑی تکلیف ہو گی۔“

”تم اس کی گلرنہ کرو۔ وہ یہ بھی کوئی بات ہوئی۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ پھر ان کے قلیوں کو ہدایات دینے لگا۔

ایک لبی ہی سیاہ رنگ کی کار میں بیٹھ کر وہ شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔ دونوں لاکیاں بے تھاٹھے چک رہی تھیں۔ فریدی اور حمید خاموش تھے۔ حمید کا تودل چاہ رہا تھا کہ وہ کامیں کامیں شروع کر دے لیکن فریدی بار بار اس کے پیور پیور رکھ دیتا تھا۔

یہاں کافی ننگی تھی اور حمید کو ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ جہنم سے جنت میں آگیا ہو۔ مطلع صاف چاہا اور اونچے پہاڑ سکوت میں ڈوبے کھڑے تھے۔

آج کا دن حمید کے لئے ”عجیب“ ثابت ہوا تھا لیکن وہ اس سے بے خبر تھا کہ رات ”عجیب“ ترین ثابت ہونے والی ہے۔ اچاک ایک موڑ پر دو تین فائر ہوئے اور کار کے الگ پہیوں کے ٹارز برست ہو گئے.... کار رک گئی۔ پھر سات آٹھ آدمیوں نے کار کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔

”لڑکیوں کو باہر نکال کر مار ڈالو۔“ کسی نے چیخ کر کہا اور بوڑھاڑا ڈاکٹر ہونوں میں پکھ بڑا کر رہ گیا، جسے فریدی اور حمید نہ سن سکے۔

”کیا یعنی یہ سی کرنا پڑے گا۔“ حمید آہستہ سے بولا۔

”یہ دو آدمی اور کون ہیں۔“ کار کے اندر راتاچ کی روشنی پڑی۔

”کمال اور جمال....!“ فریدی نے بڑی مخصوصیت سے جواب دیا۔

”لڑکیوں کو باہر نکال لو۔“ کسی نے پھر کہا۔

بوڑھاڑا ڈاکٹر چپ چاپ بیٹھا رہا۔ کار کے دروازے کھلے اور لاکیاں نیچے کھٹک لی گئیں۔ ان کے حلقت سے ڈری ڈری سی آوازیں نکل رہی تھیں۔

فریدی اور حمید بھی نیچے اترنے لیکن ڈاکٹر بدستور بیٹھا رہا۔ کار کی بیٹھ لا بیٹھ اس اب بھی روشن تھیں اور ان کی روشنی کچھ دور کھڑی ہوئی دو کاروں پر پڑ رہی تھی۔

”تم لوگ اپنے ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“ ایک آدمی غریلہ اس کے ہاتھ میں بیٹھا رہا اور ہنچا۔ اندھرا نہ رہ تھا مگر مطلع صاف ہونے کی وجہ سے کم از کم ریو اور تو نظر آسکتا تھا اور آدمیوں کی

طرح دوسرے مجھے میں جاگسا۔

حمد کو درحقیقت مدد کی ضرورت تھی۔ فریدی کے پہنچتے ہی پے درپے کئی چینیں بلند ہوئیں۔ اچانک کسی نے چیز کر کہا۔ ”وہ گئے.... وہ نکل گئے۔“

بہت دور کسی کار کی عقبی سرخ روشنی آہستہ اندر ہرے میں گم ہوتی جا رہی تھی۔ ہا معلوم آدمیوں کی کاروں میں سے ایک غائب تھی۔

”چلو پکڑو انہیں۔“ ایک دوسری آواز سنائی دی اور وہ سب کے سب کار کی طرف بھاگ کھڑے ہوئے.... فریدی اور حمید تباہہ گئے۔

”کیا پاگل ہن ہے۔“ حمید ہاتھا ہوا بڑا یا۔

”عجب لوگ ہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”اور ڈاکٹر نجیب.... وہ ان سے بھی زیادہ پُر اسرار معلوم ہوتا ہے۔ وہ لڑکوں اور اپنے ڈرائیور سمیت نکل گیا.... اور دیکھو.... شاید وہ دوسری کار بھی اشارث نہیں ہو رہی ہے۔“

”اور ان لوگوں کی لاپرواں بھی ملاحظہ ہو۔ ہماری طرف سے بالکل بے خبر ہو گئے ہیں۔ آپ پاگل خانے کا معاشرہ فرمانے کے لئے آئے تھے.... ہلا....!“

”دیکھو! وہ پھر ادھر ہی آ رہے ہیں۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ اب ہمیں چھپ جانا چاہئے۔“

”اگر انہوں نے سامان پر باتھ صاف کر دیا تو....!“

”مجھے موقع نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا اور حمید کا باتھ پکڑ کر سڑک کی دوسری جانب کی ڈھلان کی طرف کھینچنے لگا۔ وہ زیادہ نیچے نہیں گئے۔ دو تین بڑے پھر دل کی اوٹ سے وہ سڑک کا حال بخوبی دیکھ سکتے تھے۔

ہا معلوم آدمیوں نے ڈاکٹر نجیب کی کار بھی اشارث کرنے کی کوشش شروع کر دی تھی لیکن انہیں اس میں بھی ناکامی ہوئی۔

”بوز جا برا فتنہ ہے۔“ ان میں سے کسی نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا۔

”مگر وہ دونوں کہاں گئے۔“

اس کا کسی نے کوئی جواب نہیں دیا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ان کی نظر دوں میں ”ان دونوں“

تعداد بھی معلوم کی جا سکتی تھی۔ وہ آٹھ تھے۔

”تم لوگ کیا چاہتے ہو۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اڑے.... یہ تو وہی مردود معلوم ہوتا ہے۔“ کسی نے کہا۔ ”جس نے ٹرین میں میرا گلا

گھومنٹ کی کوشش کی تھی.... اس کے ہاتھ پر تو ضرور توڑے جائیں گے۔“

جنگ اور پسپاٹی

حمد سٹائل میں آگیا کیونکہ اس نے بولنے والے کی آواز پہچان لی تھی اور یہ آواز اُس آدمی کے علاوہ اور کسی کی نہیں ہو سکتی تھی جس نے ٹرین میں ریو اور دکھا کر یہ سپنی کی پلٹشی کی تھی۔

فریدی کے چہرے پر پھر تاریخ کی روشنی پڑی۔

”ہاں وہی ہے۔“ کسی نے کہا لیکن دوسرے ہی لمحے میں فریدی اس پر حملہ کر چکا تھا۔

”مارو... ہاں مارو۔“ وہ اُسے دبوچ کر ریو اور والے کے سامنے کرتا ہوا بولا۔

حمد بھی پہلے ہی سے تیار تھا وہ ان آدمیوں کی بھیڑ میں گھستا چلا گیا، جنہوں نے لڑکوں کو گھیر رکھا تھا۔

”تم سے ہمارا کوئی جھکڑا نہیں ہے۔ تم کون ہو۔“ ریو اور والے نے فریدی سے کہا۔

جباب میں فریدی کے بازو میں جکڑا ہوا آدمی فضا میں بلند ہو کر ریو اور والے پر گرا اور دونوں یک وقت زمین پر ڈھیر ہو گئے۔ فریدی نے انہیں سنبھلنے کی مہلت نہیں دی۔ دوسرے لمحے میں ریو اور اُس کے قبضے میں آچکا تھا۔

دوسری طرف حمید نے ہنگامہ برپا کر دیا تھا۔ فریدی نے ایک ہوائی فائر کرنا چاہا مگر شامک ریو اور کاواہ جیسیں خالی تھا۔ وہ پے درپے ٹریگر دباتا چلا گیا لیکن ایک بھی فائر نہ ہوا۔

وہ دونوں زمین سے اٹھ چکے تھے۔ فریدی ان کے جعلے کا انتظار کرتا رہا۔ لیکن وہ چپ چاپ کھڑے رہے۔ فریدی یہوقف نہیں تھا کہ اُسے ان کے اس روئیے پر حرمت ہوتی۔ پھر اچانک وہ فریدی پر ٹوٹ پڑے اور فریدی اس کے لئے پہلے ہی سے تیار تھا۔ وہ بڑی پھرتی سے ان کے درمیان سے نکل گیا اور ان دونوں کے سر ایک دوسرے سے نکلا کر رہ گئے۔ پھر فریدی تیر کی

کی کوئی اہمیت نہ ہو۔

”اب کھمک چلے ہیاں سے۔“ گوئی بولا۔ ”ورنہ وہ یقیناً پولیس کے ساتھ واپس آئے گا۔“

”کیا پیدل ہی چنان پڑے گا۔“

”اس کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں.... خیر دیکھیں گے اُسے۔“

”اگر پولیس کے ساتھ اس کی واہی کامکان ہو تو ہمیں سڑک بھی چھوڑنی ہی پڑے گی۔“

”چلو.... وقت نہ برباد کرو۔“

پھر وہ سب دوسری طرف ڈھلوان میں اترتے چلے گئے۔

”میں بھی پاگل ہو جاؤں گا جتاب بھائی صاحب۔“ حمید ایک طویل سانس لیکر آہستہ سے بولا۔

”ابھی ہمیں تھہرنا چاہئے۔“ فریدی نے کہا۔ ”ہو سکتا ہے کہ ہم پر ہاتھ ڈالنے کے لئے

انہوں نے یہ تدبیر کی ہو۔“

”اور اگر نہیں تو میں انہیں پاگل ہی سمجھوں گا۔“ حمید بولا۔

”چھوڑی دیر تک خاموش رہی پھر فریدی نے کہا۔“ ان کے پاس رائفیں بھی تھیں، جن سے

ڈاکٹر کی کار کے ناٹر پھاٹے گئے تھے۔ لیکن انہوں نے جھگڑے کے وقت انہیں استعمال نہیں کیا۔

ایک روپاً اور صرف دھکانے کے لئے استعمال کیا گیا تھا۔“

”صرف دھکانے کے لئے۔ یہ آپ کیسے کہے سکتے ہیں۔“

”محفل اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ یہس آگے پیچھے اسی طرف آرہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کے کنارے ہو گئے۔“

کمپنی والے بھی ان لوگوں کے ساتھ تھے۔ اس سے کیا نتیجہ اخذ کرتے ہو۔“

”اخذ کر لیا۔“

”میں اخذ کر لیا۔“

”حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آ رہے ہیں۔“

”خیر پھر کبھی یاد کرنا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کا حمید نے اس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی خاصی رہے گی۔ دوسری

دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سینٹنچک اسکے لازمکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔ گاڑیوں سے بھی لوگ اتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں اسکے گرد مسلح کائنٹلبوں کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

”تمہارے ذو میتوں کی اوث سے نکل کر سڑک پر آئیں۔“

”وہ تھوڑی دیر تک اور انتظار کرتے رہے پھر فریدی پتھروں کی اوث سے نکل کر سڑک پر آئیں۔“ پولیس افسر نے فریدی اور حمید سے کہا۔

”مگر جرحت ہے کہ وہ اپنی کار بھی چھوڑ گئے ہیں۔“ حمید نے کہا۔ ”اس کے ذریعہ تو پتہ ملا۔“

”اوہ.... جتاب وہ لوگ توبہ معاشوں کی کار لے جائے گے۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”جی۔“

ہی جائے گا کہ وہ کون تھے۔“

فریدی کچھ نہ بولا وہ ڈاکٹر نجیب کی کار میں کچھ ملاش کر رہا تھا... پھر وہ اٹپنی کی طرف گیا

اور تارچ روشن کر کے اس کا جائزہ لینے لگا۔

”سامان تو محفوظ ہے۔“ حمید بڑا بڑا۔

فریدی اب بھی کچھ نہ بولا۔ چھوڑی دیر بعد وہ جملہ آوروں کی کار کی طرف جا رہے تھے۔

تارچ کی بروڈ شی کار پر پڑی اور فریدی بولا۔ ”وہی بات ہے جو میں سوچ رہا تھا۔“

”میا سوچ رہے تھے۔“

”میا تھاہری آئکھیں بند ہیں۔ یہ کوئی پرائیویٹ کار نہیں بلکہ نیکی ہے۔“

”اوہ....!“ حمید اس کے میٹر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔

فریدی چھوڑی دیر تک اس نیکی میں بھی کچھ دیکھا رہا پھر حمید کی طرف مزکر بولا۔ ”کافی

چالاک لوگ تھے۔ انہوں نے کچھ بھی نہیں چھوڑا۔“

”بہت کچھ چھوڑا ہے جتاب۔“

”یعنی....!“

”ہمیں چھوڑ گے... یہی کیا کم ہے۔“

فریدی کچھ کہنے ہی والا تھا کہ سڑک پر روشنی پہلی گئی۔ غالباً تین یا چار کاریں تھیں جو

محفل اس لئے کہ وہ خالی تھا اور اب بھی میرے پاس موجود ہے اور پھر یہ سوچو کہ وہ یہس آگے پیچھے اسی طرف آرہی تھیں۔ فریدی اور حمید سڑک کے کنارے ہو گئے۔

آگے والی ایک سیاہ رنگ کی پولیس کار تھی اور وہ نیک ان کے پاس ہی رک گئی۔

”خبردار اپنی جگہ سے جنمیں نہ کرنا۔“ کار کے اندر سے آواز آئی۔ پھر دروازہ کھلا اور یکے بعد

دیگرے تین آدمی یخچے اڑائے۔

”حقیقت تو یہ ہے کہ مجھے اس وقت اخذ کے معنی نہیں یاد آ رہے ہیں۔“

”خیر پھر کبھی یاد کرنا۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا اور ایک بڑا سا پتھر اٹھا کر سڑک کا حمید نے اس کی تقلید کی۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ یہ دوسری تفریح بھی خاصی رہے گی۔ دوسری

دوسری طرف اچھال دیا۔ کئی سینٹنچک اسکے لازمکنے کی آواز آتی رہی اور پھر سکوت طاری ہو گیا۔ گاڑیوں سے بھی لوگ اتر رہے تھے۔ ذرا ہی سی دیر میں اسکے گرد مسلح کائنٹلبوں کی بھیڑ اکٹھا ہو گئی۔

”تمہارے ذو میتوں کی اوث سے نکل کر سڑک پر آئیں۔“

”اوہ.... جتاب وہ لوگ توبہ معاشوں کی کار لے جائے گے۔“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”جی۔“

”خاموش رہو۔“

”اچھا جناب۔“

فریدی نے حمید کے پیار پر اپنا پیار رکھ دیا اور حمید نے خاموشی اختیار کر لی۔
تقریباً ایک گھنٹے تک حملہ آوروں کی تلاش جاری رہی لیکن ان کا نشان بھی نہ ملا۔ ان دوران میں ڈاکٹر نجیب اپنی کار کے پیٹے تبدیل کر اتا رہا تھا۔

لیکن دونوں ” مجرموں“ کی روایگی کے وقت تک پیٹے تبدیل نہیں ہو سکے تھے۔ اس لئے پولیس آفسر نے وہاں دو مسلسل کا نشیل چھوڑ دیئے اور یقینہ لوگ ” مجرموں“ سمیت شہر کی طرف روانہ ہو گئے۔

حمدیہ کے الفاظ میں پولیس آفسر انہیں راستے بھر ”بور“ کرتا رہا۔ مگر ان دونوں نے چب سادھی تھی۔ اچانک کچھ دیر بعد فریدی نے پولیس آفسر سے کہا۔

” غالباً کیپشن ماہر کا بغلہ کو تو ای کے قریب ہی ہے۔“

” کیوں؟ آفسر اُسے گھوننے لگا۔“

” کچھ نہیں یونہی.... مطلب یہ ہے کہ میں کیپشن ماہر کے علاوہ اور کسی سے گفتگو کرنا پسند نہیں کروں گا۔“

” واہ.... راجہ صاحب۔“ دوسرا بھائی آفسر نے قہقهہ لگایا۔

” اچھا....!“ حمید کچھ کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی نے اس کا ہاتھ دبادیا۔

” ماہر صاحب سے کو تو ای ہی میں ملاقات ہو جائے گی۔ فکر نہ کرو۔“ پہلے آفسر نے کہا۔
رام گذھ کا ایس۔ پی کیپشن ماہر فریدی کے دوستوں میں سے تھا اور کسی زمانے میں اس کا کلاس فیلو بھی رہ چکا تھا۔

اس وقت اس کا کو تو ای میں موجود ہوتا غیر معمولی واقعہ نہیں تھا کیونکہ ڈاکٹر نجیب شہر کی سر برآورده شخصیتوں میں سے تھا۔ اس نے اپنے ساتھ پیش آنے والے واقعے کی اطلاع بردا راست ماہر کو دی تھی اور ماہر نے ایک ڈی۔ ایس۔ پی کی سر کردگی میں پولیس کا ایک مسلسل دستہ اس کے ساتھ روانہ کر دیا تھا۔ مگر جب مجرم اس کے سامنے آئے تو اس کی آنکھیں جرت سے پھیل گئیں لیکن فریدی نے اُسے خاموش ہی رہنے کا اشارہ کر دیا۔ پھر بھی وہ کچھ نزدیک سا نظر

ہاں.... وہ ڈاکٹر نجیب تھے.... سر انصاف کے دوست.... گھرے دوست.... جی ہاں.... بدمعاشوں نے ہماری کار پر فائر کر کے اس کے اگلے تارے پھاڑ دیئے اور پھر حملہ کر دیا۔ ہم دونوں لڑتے رہے اور ڈاکٹر نجیب بدمعاشوں کی ایک گاڑی لے گئے.... جی ہاں۔“

” ڈاکٹر صاحب ذرا قریب آئیے۔“ آفسر نے مرے بغیر کہا اور ایک آدمی اس کے قریب پہنچ گیا۔ فریدی اور حمید کے پیاروں پر ناراضی کی روشنی پڑی۔

” جی ہاں یہ وہی ہیں۔“ انہوں نے ڈاکٹر نجیب کی آواز سنی۔

” ہاں! بتاؤ! تمہارے ساتھی کہاں ہیں۔“ آفسر نے پھر فریدی سے پوچھا۔

” اوہو....!“ حمید جلدی سے بولا۔ ”کیوں بچا نجیب یہ کیا معاملہ ہے۔“

” میں کچھ نہیں جانتا۔“ نجیب نے خنک لبھے میں کہا۔ ” یہ لوگ اپنے طور پر تم لوگوں پر شہر کر رہے تھے۔“

” خیر.... خیر.... کوئی بات نہیں۔“ حمید غصیلے لبھے میں بولا۔ ” آپ لوگوں کا یہ خیال ہے کہ ہم بھی ان لوگوں سے تعلق رکھتے ہیں۔ آپ کی یہ غلط فہمی جلد ہی رفع ہو جائے گی۔“

” اپنے ساتھیوں کا پتہ بتاؤ۔“ آفسر گرد جا۔

” زبردستی کا تو کوئی علاج ہی نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔ فریدی بالکل خاموش رہا۔

” اچھا....!“ پولیس آفسر غریا۔ ” ان کے ہجھڑیاں لگادو.... اور تم لوگ کھڑے کیوں ہو.... انہیں تلاش کرو.... جاؤ۔“

سنسان سڑک بھاری قدموں کی آواز سے بجھنے لگی اور ان دونوں کے ہاتھوں میں ہجھڑیاں ڈال دی گئیں اور انہوں نے کوئی تعریض نہ کیا۔

” اچھا ڈاکٹر صاحب۔“ حمید نے ایک طویل سانس لی۔ ” ہمارا سامان احتیاط سے رکھنے گا۔ جلد ہی پھر ملیں گے۔“

” میاں کا کوئی سامان بھی ہے۔“ پولیس آفسر نے ڈاکٹر نجیب سے پوچھا۔

” جی ہاں! اگر لٹانہ ہو گا تو کار کی اٹھنی ہی میں ہو گا۔“

” اُسے ہماری کار میں رکھوادیجھے۔“ آفسر بولا۔

” آپ کو پیشہ مانی ہو گی جناب۔“ حمید نے آفسر سے کہا۔

میرے ساتھ رہنے کے باوجود بھی اپنے مقصد میں کامیاب نہیں ہو سکو گے۔ میں ڈاکٹر نجیب ہوں سمجھے۔”

ڈاکٹر نے ایک زہریلا ساقہ بھی لگایا اور اس کے چہرے کی نرمی یا لکھت غائب ہو گئی۔ پیشانی کا وہ نور جو نرم دلی کی علامت ہوا کرتا ہے تاریکی کی چادر اوڑھ کر سو گیا۔ فریدی اور حیدر اسے حیرت سے دیکھ رہے تھے۔

و شمنوں کا ہمدرد

ڈاکٹر چند لمحے انہیں گھورتا پھر بولا۔

”میں نے ایسے ڈرائے بہت دیکھے ہیں۔ تم لوگوں کی حقیقت ہی کیا ہے۔“

”آپ نہ جانے کیا کہہ رہے ہیں۔“ فریدی نے جواب طلب نظر وہی سے حیدر کی طرف دیکھا۔

”میں کیا بتاؤں بھائی صاحب میں خود حیرت میں ہوں۔ اٹیشن پر خود ہی ملے، خود ہی مدعا کیا۔ پھر پولیس کے حوالے کر دیا اور اب.... مگر ظہر یے! مجھے کچھ یاد آ رہا ہے۔“

”کیا یاد آ رہا ہے۔“

”ان بد معашوں میں میں نے اس آدمی کی آفیز بھی سنی تھی جس نے کپارٹمنٹ میں گرینڈ لائن انسورنس کمپنی کا لٹر پچر تقسیم کیا تھا۔“

”اچھا....!“ فریدی نے حیرت ظاہر کی۔

”ای لئے.... ڈاکٹر صاحب....!“

”بس ختم کرو!“ ڈاکٹر نجیب ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”ابھی تمہارے لئے کمرے درست کرادیئے گئے ہیں۔“

ڈاکٹر وہاں سے چلا گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کی صورت دیکھتے رہ گئے۔ پھر حیدر نے لا علیٰ اور حیرت کے اٹھار میں اپنے شانوں کو جنبش دی اور جیب سے پاپ نکال کر اس میں تمباکو بھرنے لگا۔

”کیا وہ ہمیں پیچانتا ہے۔“ فریدی بڑا بڑا۔

آنے لگا تھا۔ پھر وہ انہیں ساتھ لئے ہوئے ایک ایسے کمرے میں آیا جہاں انہیں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔

فریدی نے نہیں کہا ہے تھکڑیاں لگنے کی واردات بیان کی۔ ساتھ ہی ماہر بھی نہ تارہ بھا۔ پھر فریدی نے اس سے کہا کہ وہ ان دونوں کے متعلق کسی کو کچھ نہ بتائے اور نہ ان سے دوبارہ ملنے کی کوشش کرے، لیکن اس نے اس کا تذکرہ نہیں کیا کہ ان کے رام گذھ آنے کا مقصد کیا تھا اور وہ ڈاکٹر کے یہاں کیوں قیام کرنا چاہتے ہیں۔

”تو ہوڑی ہی دیر بعد اسی ڈی۔ ایس۔ پی کو ان کی ہٹکڑیاں کھولنی پڑیں، جو انہیں گرفتار کر کے لایا تھا۔

”میں مطمئن ہوں۔“ ماہر اس سے بولا۔ ”یہ معزز لوگ ہیں۔ انہیں ان کے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوئی تک پہنچا دو۔ میں انکے اور انکے خاندان والوں سے ذاتی طور سے واقف ہوں۔“

”تب مجھے بہت افسوس ہے جناب۔“ ڈی۔ ایس۔ پی نے جا بجت سے کہا۔ ”کوئی بات نہیں۔“ حیدر بولا۔ ”اکثر غلط فہمی ہو ہی جاتی ہے۔ اب براہ کرم ہمیں ڈاکٹر کی کوئی تک پہنچانے میں جلدی کیجئے۔“

”تو ہوڑی دیر بعد وہ ایک پولیس کار میں اپنے سامان سمیت ڈاکٹر نجیب کی کوئی کی طرف جا رہے تھے۔

ڈاکٹر نجیب کوئی تک پہنچا دیا گیا۔ میں موجود تھا اور اس نے ان دونوں کی واپسی کو حیرت کی نظر وہی سے دیکھا اور واپسی بھی ایسی جو اپنی ای اعزاز و اکرام کے ساتھ ہوئی تھی۔ ڈی۔ ایس۔ پی خداون کے ساتھ آیا تھا اور انہیں وہاں چھوڑ کر واپس جاتے وقت اس نے بڑی لجا جت سے ان دونوں سے معافی مانگی تھی۔

”میاں واقعے کے بعد بھی یہ ضروری تھا کہ تم لوگ یہیں واپس آتے؟“ ڈاکٹر نجیب نے کہا۔

”آپ سے وعدہ جو کرچکے تھے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے جواب دیا۔

”ورنہ کم از کم مجھے تو ہوٹل ہی میں آرام ملتا ہے۔ مگر میں والد مر حوم کے کسی دوست کا کہنا کیسے نال سکتا ہوں۔“

”اچھا.... اچھا....!“ ڈاکٹر نجیب نے ناخنگوار لبجے میں کہا۔ ”میں دیکھوں گا تم زندگی پھر

"خدا ہی جانے... اور وہ گل رخان ستم نر بھی کہیں نظر نہیں آتیں۔" حمید بولا۔
"نہیں حمید یہ معاملہ کافی دلچسپ معلوم ہوتا ہے۔"
"اچھا! دیکھنے میں بوڑھے کوٹولاتا ہوں۔"
"یعنی...!"

"یہی کہ وہ ہماری شخصیتوں سے واقف ہے یا نہیں۔"
"میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔" فریدی نے کہا۔ "ورسہ وہ ہمیں چیختنے کرتا۔ اس نے ہر ابر یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور ان کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی کروی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔"

"ہاں کہا تو تھا۔"

"پھر تم خود ہی سوچو...!"

"دیکھنے ابھی معلوم کئے لیتا ہوں۔"

حمد وہاں سے اٹھ کر دوسرا کرے میں آیا لیکن یہ بھی خالی تھا۔ وہ آگے بڑھا، اتنے میں ایک آدمی سے مٹ بھیڑ ہو گئی۔ وہ کرے میں داخل ہو رہا تھا اور شاکنڈ ڈاکٹر کا ملازم تھا۔ حمید نے اس سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور ملازم نے اسے اس کرے میں پہنچا دیا جہاں ڈاکٹر اپنی دونوں لٹکیوں کے ساتھ بینجا کافی پی رہا تھا۔

"کیا بات ہے۔" ڈاکٹر نے لاپرواں کا اظہار کرتے ہوئے پوچھا۔

"سننے! جناب پہلے میں یہ سمجھا تھا کہ پولیس اپنے طور پر ہمیں لے جا رہی ہے لیکن اب معلوم ہوتا ہے خود ہی ہم لوگوں کے متعلق شہبے میں بتلا ہیں۔"

"کیا میرا شہبہ غلط ہے۔" ڈاکٹر نے پر سکون لجھ میں پوچھا۔

"ایس۔ پی۔ ما تھر کی تصدیق پر بھی آپ مطمئن نہیں ہیں۔ دیکھنے میرا یہ مطلب نہیں کہ ہم آپ ہی کے یہاں قیام کرنا چاہتے ہیں۔ یہ بات تو خود آپ ہی نے کہی تھی۔ مقصد یہ ہے کہ آپ بلاوجہ کسی شریف آدمی پر شہبہ کیوں کریں۔"

"ما تھر کی کیا حقیقت ہے آج کل اس سے بڑے بڑے بک جاتے ہیں۔" ڈاکٹر بولا۔ "کوئی بڑی رقم... خیر میں اپنا وقت برپا کرنا نہیں چاہتا۔ تم یہاں شوق سے رہ سکتے ہو۔"

"ہم ان حالات میں یہاں ہرگز نہ رہیں گے خواہ بھائی صاحب کو مجھے باندھ ہی کر کیوں نہ لے جانا پڑے۔"

"باندھ کر کیوں لے جانا پڑے گا۔"

"وہ تو یہی سمجھ بیٹھے ہیں کہ آپ بچ چکے والد صاحب کے دوست ہیں۔" حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔ "آپ نہیں جانتے کہ وہ واپسی میں راستے بھر گزتے آئے ہیں۔ میں یہ بات ان کے ذہن نشین کرنا چاہتا تھا کہ آپ ہم پر شہبہ کر رہے ہیں۔ لیکن وہ برا بر یہی کہتے رہے ہیں کہ نہیں پولیس اپنے طور پر ہمیں لے گئی تھی اور ان کے اس خیال کی تائید اس ڈی۔ ایس۔ پی نے بھی کروی، جو ہمارے ساتھ یہاں تک آیا تھا۔"

"ٹھہر و...!" بوڑھا ٹھٹھا ہوا بولا۔ اس نے میز کے قریب جا کر فون پر کسی کے نمبر ڈائل کرے۔ ادھر حمید لٹکیوں سے کہنے لگا۔ "انہیں یہاں سے لے جانے کے لئے خاصی ہاتھ پائی کرنی پڑے گی۔ لاحول ولا قوہ کس مصیبت میں پھنس گیا۔ مگر ایک بات سمجھ میں نہیں آتی کہ ان لوگوں نے نہ تو سامان میں ہاتھ لگایا اور نہ ہم میں سے کسی کو مار ڈالنے ہی کی کوشش کی۔ حالانکہ ان کے پاس رانفلین بھی تھیں اور ریو اور بھی۔"

ڈاکٹر فون پر کسی سے گفتگو کر رہا تھا۔ ایک لڑکی نے اپنے ہونٹوں پر انگلی رکھ کر حمید کو چڑھنے کا اشارہ کیا اور دوسرا نے ہاتھ اٹھا کر اس قسم کا اشارہ کیا جس کا مطلب یہی ہو سکتا تھا کہ تم رہنے سے مطمئن رہو سب ٹھیک ہو جائے گا۔ پھر وہ دونوں ایک دوسرا کو دیکھ کر مسکرانے لگیں اور حمید نے بڑے سعادت مندانہ انداز میں اپنے سر کو جبش دی۔

ڈاکٹر یسیور رکھ کر مڑتا ہوا بولا۔ "میں نے ابھی ما تھر سے گفتگو کی ہے۔"

حمدیک پچھہ نہ بولا۔ ڈاکٹر نے سوال کیا۔ "اس نے کیا کہا ہو گا؟"

"یہی کہ ہم سرفضال کے لڑکے ہیں۔"

"اور.... کیا کہا ہو گا؟"

"اور.... اور....!" حمید کچھ سوچ کر جلدی سے بولا۔ "ہاں بھائی صاحب اُس کے کلاس فیلو بھی تو وہ چکے ہیں۔ اُس نے یہ ضرور بتایا ہو گا۔ وہ شروع ہی سے کریک رہے ہیں۔"

"اور کچھ.... اور کچھ....!"

”بھلا میں کیا بتا سکتا ہوں۔“

”اُس نے بتایا کہ کمال کتوں کا شو قین ہے اور اُنکے بارے میں بہت اچھی معلومات رکھتا ہے۔“
”جی ہاں! ہمارے پاس ایک سوسائٹی کے ہیں۔“ حمید نے لاپرداںی سے کہا ”اور ان میں سے بعض ایسے ہیں جنہیں پالنا قریب قریب نامکن ہے۔ لیکن بھائی صاحب.... واقعی کمال کرتے ہیں۔“
”اچھا....!“ ڈاکٹر کے لمحے میں تخترا تھا۔ ”بھی مجھے بھی بتائے وہ کس قسم کے کہتے ہیں۔
مجھے بھی تھوڑی بہت دلچسپی کتوں سے ہے۔“

”مثال کے طور پر۔“ حمید آہستہ سے بولا۔ ”افریقی جنگلی نسل کا کاتاؤ گو....!“
”خوب تو گویا تمہارے پاس میڈیا گو بھی ہے۔“

”جی ہاں....!“

”جنرا نیہ کی کتاب میں میں نے بھی میڈیا گو کے متعلق پڑھا تھا۔“ پروفیسر مسکرا کر بولا۔
”ضرور پڑھا ہو گا۔“ حمید نے لاپرداںی سے کہدی ”لیکن آپ میری معلومات کو چیخنے نہیں کر سکتے۔“
”آؤ میں تمہیں اپنے کہتے دکھاؤں.... اپنے بھائی کو بھی بلا لو۔“
”ڈیندی ہی! کیا اب صح نہ ہو گی۔“ ایک لڑکی نے کہا۔
”نہیں ابھی اور اسی وقت....!“ ڈاکٹر سنجیدگی سے بولا۔

حمد سمجھ گیا کہ اس کا کیا مقصد ہے لہذا اس نے بھی کسی قسم کی پچکچا ہٹ نہ ظاہر کی۔ وہ دونوں وہاں سے اٹھ کر اس کمرے میں آئے بیباں فریدی ایک صوفے پر شم دراز سگار پی رہا تھا۔
”ڈاکٹر ہمیں اپنے کہتے دکھانا چاہتے ہیں۔“ حمید نے کہا۔

”اچھا....!“ فریدی نے بچوں کی طرح خوش ہو کر کہا۔ ”ضرور ضرور....!“
اس کی آنکھوں میں اس وقت اس بچے کی آنکھوں کی سی چک نظر آرہی تھی جس نے کلاس روم کی بوریت کے دوران میں اچاک چھٹی کی گھنٹی سن پائی ہو۔ ویسے حمید کے کہنے کے اندازے اس نے بھی سمجھ لیا تھا کہ وہ کسی قسم کا امتحان ہی ہو سکتا ہے۔

ڈاکٹر انہیں عمارت کے اس حصے میں لاایا، جہاں کتے، کھے جاتے تھے۔
اچاک ڈاکٹر کے منہ سے ایک عجیب قسم کی آواز نکلی جسے تحریر آمیز بے ساننگی کے نتیجے کے علاوہ اور کچھ نہیں کہا جا سکتا تھا۔

اور اُسے متھیر کر دینے والی چیز ربر کا ایک پاپ تھا جو رہبادی میں دور تک پھیلا ہوا کھائی دے رہا تھا اور اس کا ایک سر اسامنے والے کمرے کے دروازے کے نیچے غائب ہو گیا تھا۔
ڈاکٹر نے کسی مخصوص انداز میں سیٹی بھائی اور اُسے بار بار دہراتا رہا۔... پھر یک بیک وہ بر کے پاپ کے دوسرے رخ کی طرف دوڑنے لگا اور اس کا ساتھ دینے میں فریدی نے پہل کی، پھر حمید کو بھی دوڑنا پڑا۔ وہ باہر لان پر نکل آئے۔
یہاں انداز ہیرا تھا۔ وفعتاً ڈاکٹر کر مایوسانہ انداز میں بولا۔ ”نارچ....!“
پھر وہ دوبارہ عمارت کی طرف بھاگنے ہی والا تھا کہ فریدی نے جیب سے نارچ نکال لی۔
لیکن نارچ روشن کرتے ہی قریب کی جھاڑیوں میں گویا زر لہ سا آگیا۔
دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے نارچ زمین پر پھینک کر جھاڑیوں میں چھلانگ لگادی۔
حمدی نارچ اٹھا کر اسی طرف جھینا لیکن ڈاکٹر بدستور اپنی جگہ پر کھڑا رہا۔
جھاڑیوں کا زر لہ تیز ہو گیا۔ ساتھ ہی انسانی چینیں اور کر ایں بھی فضائیں اُبھرنے لگیں۔
پھر کمی بھاگتے ہوئے قد مون کی آوازیں دور تک سنائے میں لہراتی چل گئیں۔
حمدی کو جھاڑیوں میں دو آدمی نظر آئے۔ ایک تو زمین پر بیہوں پڑا تھا اور دوسرے فریدی کی مضبوط گرفت میں کسی بے بس پرندے کی طرح پھر پھر رہا تھا۔
دونوں کو کھینچ کر جھاڑی سے نکلا گیا۔

ڈاکٹر اب بھی وہیں کھڑا تھا جہاں حمید نے اُسے چھوڑا تھا۔ فریدی نے دوسرے مجرم کے ہاتھ اس کی نائی سے باندھتے ہوئے حمید سے کہا۔ ”وہاں ایک گیس سلنڈر بھی موجود ہے اور یہ پاپ اسی سے اٹھج ہے۔“

ڈاکٹر ایک طویل سانس لے کر آہستہ سے بولا۔ ”وہ سب مر گئے ہوں گے۔“
”کون....؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کے! اُس کمرے میں کتے تھے۔ ایسے کتے جن کا یہاں ملنا مشکل ہے۔“

”اور یہ دونوں کون ہیں۔“ فریدی نے ان دونوں آدمیوں کے چہروں پر نارچ کی روشنی ڈال دی کوئی کے سارے نوکر شور سن کر باہر نکل آئے تھے اور اسکے ساتھ ڈاکٹر کی لڑکیاں بھی تھیں۔
”میں نہیں جانتا کہ یہ کون ہیں۔“ ڈاکٹر کے لمحے میں سخت رخصت ہو چکی تھی۔

پھر اُس نے اپنے نوکروں اور لڑکیوں کو مخاطب کر کے پوچھا۔ ”اب کوئی اندر تو نہیں ہے۔“ انہوں نے فتحی میں جواب دیا اور ڈاکٹر نے انہیں تجربہ گاہ کی طرف جانے کے لئے کہا۔ دوسری طرف فریدی قابو میں آئے ہوئے آدمی سے پوچھ چکھ کر رہا تھا۔ ”مکال صاحب! انہیں چھوڑ دیجئے کوئی فائدہ نہیں ہے۔“ ڈاکٹر نے فتحاً فریدی کو مخاطب کیا۔ ”اوہ! شام کد آپ فرشتے ہیں۔“ فریدی نے مارچ کی روشنی اپنے چہرے پر ڈالتے ہوئے کہا۔ ”لیکن یہ دیکھئے... میں انہیں کیسے چھوڑ سکتا ہوں۔“

اس کی پیشائی سے خون بہہ بہہ کر چہرے پر پھیل رہا تھا۔

”اوہ.... تو تم.... اب تک....!“ ڈاکٹر مضطرباً نہ انداز میں بولا۔ ”چلو.... چلو میں دیکھوں.... زمینہ....“ صبح تم تجربہ گاہ میں جا کر ڈرینگ کاسامان تیار کرو۔“ ”ہرگز نہیں....!“ فریدی نے کسی خدی بچے کے سے انداز میں کہا۔ ”جب تک میں ان سے اس حرکت کی وجہ نہ دریافت کر لوں، ڈرینگ نہیں کراؤں گا۔“

”وجہ کا علم شام کے فرشتوں کو بھی نہ ہو۔“ ڈاکٹر بولا۔ ”یہ کرانے کے مٹو ہیں۔“ دونوں لڑکیاں فریدی کی طرف بڑھیں اور انہوں نے اس کے دونوں ہاتھ پکڑ کر ایک طرف گھسیتھے ہوئے کہا۔ ”چلنے۔“

”کاش....!“ حید ایک طویل سانس لے کر آہتہ سے بڑا بڑا۔ ”میری کھوپڑی بچ سے دو ہو گئی ہوتی۔“

”بھال میاں....!“ فریدی لڑکیوں کیساتھ چلتا ہوا پلٹ کر بولا۔ ”ان دونوں کا خیال رکھنا۔“ ”بہت اچھا بھائی صاحب۔“ حید نے جواب دیا لیکن دل میں کہنے لگا۔ ”کاش تم سچ بچ پاگل ہوتے۔“

”پھر وہ ڈاکٹر کی طرف متوجہ ہوا، جو مجرم کے ہاتھ کھول رہا تھا۔“

”ارے.... ارے ایسے کیا کر رہے ہیں آپ....!“ حید بوكھلا کر اُس کی طرف بڑھا۔

”چکھ نہیں ایسے کیا کر رہے ہیں۔“ ڈاکٹر نے جواب دیا۔ ”تم نہیں سمجھتے۔“

وہ اس کے ہاتھ جو پتت پر بندھے ہوئے تھے کھول چکا تھا۔ ہاتھ کھلتے ہی وہ آدمی بے تھا شہ بھاگا۔ حید نے چھپٹا چاہا لیکن ڈاکٹر نے اسے پکڑ لیا۔ اتنے میں وہ آدمی بھی اٹھ کر بھاگا جو زمین پر

بیہو ش پڑا تھا۔ نوکر شور چانے لگے لیکن ڈاکٹر نے انہیں ڈانت دیا۔

”میں اس پاگل پن کو نہیں برداشت کر سکتا۔“ حید آپے سے باہر ہو گیا۔

جواب میں ڈاکٹر نے اس کا شانہ تھکتے ہوئے کہا۔ ”جاو تم بھی تجربہ گاہ میں جاؤ۔ صیحہ سے کہہ دینا کہ الماری سے ایک گیس ماسک نکال کر بھجوادے۔ تم سب بھی جاؤ۔“ ڈاکٹر نے نوکروں کی طرف دیکھ کر ہاتھ ہلایا۔

”میں ہرگز نہیں جاؤں گا۔ آپ مجھے اس کی وجہ بتائیے، ورنہ میں پاگل ہو جاؤں گا۔ پہلے انہوں نے راہ میں حملہ کیا لیکن ان کے انداز قاتلانہ نہیں تھے حالانکہ وہ آسانی ہماری زندگیاں ختم کر سکتے تھے۔ انہوں نے سامان بھی نہیں لوٹا اور اب انہوں نے آپ ہی کے بیان کے مطابق آپ کے انتہائی تحقیق کتوں کا صفائیا کر دیا اور آپ.... آپ نے انہیں بھی نکل جانے دیا جو ہاتھ آپلے تھے۔“

”بس اب جاؤ۔“ ڈاکٹر ہاتھ ہلا کر بولا۔ ”میں تم لوگوں سے بہت شر مند ہوں اور اس تکلیف کی حل فی کرنے کی کوشش کروں گا، جو تم لوگوں کو میری ذات سے کچھی ہے۔“

ڈاکٹر کے اس جعلے پر حید نے وہاں سے چلے جاتا ہی مناسب سمجھا۔ اس نے سوچا کہ ڈاکٹر اب راہ پر آ رہا ہے، اس لئے اُسے ناراض نہ کرنا چاہئے۔

”میں جا رہا ہوں ڈاکٹر! مگر یہ چیز.... آپ نے دیکھا نہیں کمال بھائی کا پورا چہرہ خون میں ڈوبا ہوا تھا اور آپ نے انہیں چھوڑ دیا۔“

”مجھے افسوس ہے۔ انہوں نے جلد بازار سے کام لیا۔ لیکن یہ بہت دلیر، وہاں راستے میں بھی انہوں نے بڑی بے جگہی سے اُن لوگوں پر حملہ کیا تھا۔“

”مگر آپ کارو یہ.... ڈاکٹر....!“

”اوہ نہ! تم اس کی پرواہ نہ کرو.... جاؤ۔“

حید نوکروں کی رہنمائی میں ایک طرف چل پڑا۔ وہ اس معاملے میں بہت سنجیدگی سے غور کر رہا تھا۔ آخر یہ ڈاکٹر ہے کیا بلہ اور وہ لوگ کون تھے۔ یقیناً فریدی اس معاملے کے متعلق بہت کچھ جانتا ہے، لیکن وہ اُسے کیوں بتانے لگا۔

حید نے نوکروں سے اس مسئلے پر گفتگو کرنی چاہی لیکن وہ خاموش رہے۔ ہر سوال کا اُن کے

پاس ایک جواب تھا۔ ”علوم نہیں۔“

حید جھلا گیا۔ اگر یہ اُس کے نوکر ہوتے تو مارتے مارتے بے دم کر دیتا۔
وہ خاموشی سے اُن کے ساتھ چلتا رہا۔

وہ لڑ کیاں

تجربہ گاہ میں پہنچ کر صبیح اور زرینہ نے فریدی کو ایک آرام کر سی پر بخادیا۔ فریدی نے اتنی
ہی دیر میں اندازہ کر لیا تھا کہ صبیح بہت شوخ لڑکی ہے۔

دونوں نے بڑی بھرتی سے پیشانی کا زخم صاف کیا اور خود ہی ڈرینگ بھی کرنے لگیں
حالانکہ ڈاکٹر نے صرف ڈرینگ کا سامان درست رکھنے کے لئے کہا تھا۔ جس کا مطلب اس کے
علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا کہ والی پر خود ڈاکٹر ہی ڈرینگ کرے گا۔

”کمال صاحب۔“ یک یک صبیح نے اُسے مخاطب کیا۔ ”کیا یہ صحیح ہے کہ آپ... پپ... پا...!“

”شٹ اپ یہ کیا کواس ہے۔“ زرینہ جلدی سے بول پڑی۔
”ہاں کہنے کہتے۔“ فریدی بولا۔

”آپ کے چھوٹے بھائی کہتے ہیں کہ آپ... پپ... پا...!“
”صبیح کی بیکی...!“ زرینہ چینی۔

”اچھا جانے دو۔“ صبیح گردن جھلک کر بولی۔

”میں سمجھ گیا۔“ فریدی مسکرایا۔ ”غالباً جمال مجھے پاگل کہتا ہو گا۔ کیوں ہے ناہیں بات۔“

”نہیں نہیں... یہ غلط ہے۔“ زرینہ نے کہا اور صبیح کو گھونٹ نہیں کیا۔ جواب میں صبیح
اُسے منہ پڑھا دیا۔

”اچھا! آنے دو ڈیٹی کو۔“

”جھگڑا کرنے کی ضرورت نہیں۔“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”میں اس کا برا نہیں مانتا۔ یہ
پورا خاندان مجھے پاگل سمجھتا ہے اور میں سوچتا ہوں کہ اس میں میرا ہرج ہی کیا ہے.... اچھا تو ب
میں سمجھا۔ وہ گدھا شاہزاد مجھے اسی لئے رام گدھ لایا ہے۔ یہاں کا پاگل خانہ تو کافی مشہور ہے۔“

”وہ کیھنے کمال صاحب.... یہ صبیح.... بالکل احمق ہے۔ آپ کچھ خیال نہ کیجئے۔“
”ہم دونوں پاگل خانے کے چیزیں میں کی لڑکیاں ہیں۔“ صبیح اپنی بُنی روکتے کی کوشش کرتی
ہوئی بولی۔ ”کمال صاحب! آپ خود سوچئے۔“
”تم خاموش نہیں رہو گی۔“ زرینہ پھر جھلگائی۔

”اور یہ زرینہ۔“ صبیح نے شوخی سے کہا۔ ”بہت زیادہ چالاک لڑکی ہے۔ اس لئے مجھے میں
اٹر کچھ کم آیا ہے۔ ویسے میں بھی خاصی پاگل ہوں۔“

قدموں کی آہٹ پر وہ خاموش ہو گئیں اور حید نے تجربہ گاہ میں داخل ہوتے ہی ایک ایسی
خندھی سانس لی کہ خود اُسے اپنی کھوپڑی مجدد ہوتی معلوم ہونے لگی۔ وہ خاموشی سے ایک کرسی
پر بیٹھ گیا۔

”کیوں...؟“ فریدی نے پوچھا۔

”کچھ نہیں...!“ حید نے جواب دیا۔ ”بات صرف اتنی ہی ہے کہ میرا بھی پاگل ہو جانے کو
دل چاہنے لگا ہے۔ کوئی تدیر بتائیے... ڈاکٹر نے ان دونوں کو چھوڑ دیا۔... باقی سب خیریت ہے۔“
”چھوڑ دیا۔“ فریدی نے حرمت کا اظہار کرنے کے لئے اپنی پلکیں جھپکائیں۔

صبیح بے تحاشہ ہنسنے لگی۔ پھر قہقہوں کے ساتھ بولی۔ ”میں نے جھوٹ نہیں کہا تھا۔“

”یہ تو بہت بُرا ہوا۔“ فریدی نے تشویش آمیز لمحہ میں کہا۔ ”ڈاکٹر آدمی نہیں.... بالکل
.... بالکل وہ معلوم ہوتے ہیں۔“

”کیا معلوم ہوتے ہیں۔“ صبیح نے پوچھا۔

”پتہ نہیں کیا معلوم ہوتے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ کسی لفظ کی تلاش ہی فضول ہے۔ سارے
کئے مر گئے اور انہوں نے مجرموں کو معاف کر دیا۔ خدا کی پناہ۔“

”آہا! ٹھیک یاد آیا۔“ حید نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”ڈاکٹر نے ایک گیس ماسک
منگوایا ہے۔ غالباً وہ اُس کرے میں جائیں گے جس میں گیس چھوڑی گئی ہے۔“

”کمال ہے بھی۔“ فریدی اٹھ کر ٹھہٹا ہوا بولا۔ ”کس دل سے اپنے کتوں کی لاشیں دیکھ
سکیں گے۔“

”آپ ٹھیک کہتے ہیں۔“ صبیح بُر اسامنہ بن کر بولی۔ ”وہ ہم لوگوں کی لاشیں دیکھ سکتے ہیں،“

پھر شاکنہ دیا تین منٹ بعد وندو گیس ماسک لئے ہوئے باہر جانے لگا۔
 ”بیہلیں میرا انتظار کرو۔“ اُس نے دروازے کے قریب پہنچ کر حمید سے کہا۔
 حمید اپنے سر کو خفیف سی جنبش دے کر پھر سانپ کی طرف دیکھنے لگا، جو غالباً اب مرچا تھا۔
 ”کیا یہ زندہ ہے۔“ زرینہ نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔
 ”نہیں! اس کی ساری ہڈیاں اپنے جوڑوں سے الگ ہو گئی ہوں گی۔ بھائی صاحب اس فن کے
 ماہر ہیں۔“
 حمید نے صیبح کی طرف دیکھا جو اپنے خلک ہونوں پر زبان پھیر رہی تھی۔
 ”کیا الماری مغلل تھی؟“ حمید نے زرینہ سے پوچھا۔
 ”جی ہاں....!“ اُس نے جواب دیا۔
 ”کیا اذکر سانپوں پر بھی تجربہ کرتے ہیں۔“
 ”نہیں بھی نہیں....!“

”تو پھر اس کا یہ مطلب ہوا کہ یہ سانپ کسی نے یہاں رکھا تھا اور اس صورت میں اس کے علاوہ اور کیا کہا جا سکتا ہے کہ یہ انہیں لوگوں کی حرکت ہے، جنہوں نے کتوں کے کمرے میں گیس چھوڑی تھی۔ وہ جانتے رہے ہوں گے کہ گیس ماسک اسی الماری میں ہیں اور یقیناً اسی حالت میں وہ نکالے جائیں گے۔“

حمد خاموش ہو کر لڑکوں کی طرف دیکھنے لگا لیکن انہوں نے اس کے اس خیال پر رائے زنی نہیں کی۔ دھنٹا حمید کو یاد آیا کہ فریدی سانپ کے کھلے ہوئے منہ کو بغور دیکھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ دونوں نے ایک ہن بات سوچی ہو کیونکہ حمید بھی دوسرے ہی لمحے میں اُسے بجلی کے بلب کی طرف اٹھا کر اس کے کھلے ہوئے دہانے کا جائزہ لے رہا تھا۔

سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔ حمید نے مزید اطمینان کرنے کے لئے اپنی چھوٹی انگلی اس کے منہ میں ڈال دی۔

اور پھر ایک طویل سانپ لے کر مردہ سانپ کو فرش پر ڈال دیا۔ حقیقتاً اس کے دانت نکال دیئے گئے تھے اور وہ سچی چیز ایک کچھ ہی کی طرح بے ضرر تھا۔ زرینہ اور صیبح اس کی حرکتوں کو عجیب نظرلوں سے دیکھ رہی تھیں۔

لیکن کتوں کی لاشیں تو ان سے ہرگز نہ دیکھی جائیں گی۔“
 ”صیبح...!“ زرینہ نے اُسے پھر ڈالنا۔

صیبح ایک نہیانی ساق قہقہہ لٹا کر بولی۔ ”میں پا گل ہوں۔“
 ”تمہیں شرم نہیں آتی... ذیہی کا مصلحتہ اڑاتی ہو۔“

زرینہ نہ اسامنہ بنائے ہوئے ایک الماری کی طرف بڑھی، غالباً وہ گیس ماسک نکالنے جا رہی تھی۔ حمید صیبح کی طرف شرات آمیز نظرلوں سے دیکھ رہا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ صیبح نے چلتی کرنے کے سے انداز میں کہا۔

”پکھ نہیں! بھلا یہ بھی کوئی بتانے کی بات ہے کہ مجھے بھوک لگ رہی ہے۔“

”فکر نہ کیجئے! یہ تو پہلا فاقہ ہے۔“

حمد جواب میں پکھ کہنے ہی والا تھا کہ زرینہ چیخ مار کر اس کے سامنے آگری۔

”سانپ....!“ وہ اٹھتے اٹھتے پھر چھی۔

کھلی ہوتی الماری سے ایک سیاہ رنگ کا سانپ نکل رہا تھا۔ حمید بھی اچھل کر کھڑا ہو گیا اور صیبح بدھوای میں زرینہ کو دروازے تک گھسیت لے گئی۔ نوکر برآمدے میں تھے۔ چیخ سن کر وہ بھی تجربہ گاہ میں گھس آئے۔

”اوہو.... ڈرو نہیں....!“ فریدی بھر سکون آواز میں بولا۔

حمد اس کی طرف دیکھنے لگا۔ وہ جانتا تھا کہ فریدی اپنے ہاتھ کی صفائی ضرور دکھائے گا۔

اور پھر جو پکھ بھی ہوا ہشم زدن میں ہوا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ فریدی کا ہاتھ اس پر کیسے چلا۔ وہ تو بس اس کے دابنے ہاتھ میں ایک بڑا سا پچوچا لکھا دیکھ رہے تھے۔ اُس نے اس کے سر کا نچلا حصہ اس طرح چلکی میں دبار کھا تھا کہ سانپ کا کھلا ہوا منہ کسی طرح بند ہی نہیں ہو سکتا تھا۔

”یہ کیا کر رہے ہیں آپ....!“ زرینہ پھر چھپنی۔

”بھائی صاحب! بھائی صاحب۔“ حمید نے خوفزدہ سی آواز میں ہاٹک لگائی۔

فریدی نے سانپ کو ایک جھٹکا اور دے کر فرش پر ڈال دیا۔ رینگنا تو دور کی بات تھی اب وہ لہریں بھی نہیں لے سکتا تھا۔ صرف دم میں خفیف سی لرزش باقی تھی۔ وہ اُسے ویں چھوڑ کر الماری کی طرف چلا گیا۔

”مقصد بھی بتاچکا ہوں۔“

”اچھا تو یہ بھی بتا دیجئے کہ وہ پاگل کس قسم کا ہے جس میں آپ دلچسپی لے رہے ہیں اور اس کی اصلیت کیا ہے۔“

”اوہ نہ... ختم کرو... ڈاکٹر اپنی طرف آ رہا ہے۔“

ڈاکٹر نجیب انہیں کی طرف آ رہا تھا لیکن جلدی میں نہیں معلوم ہوتا تھا۔

”لو... کمال زخم کیسا ہے۔“ اُس نے اُن کے قریب پہنچ کر پوچھا۔

”نہیں ہی ہے۔“ فریدی نے لاپرواںی سے کہا اور سر پر بندھی ہوئی پی پر آہستہ آہستہ ہاتھ پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اُس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے یہ بھی پھیرنے لگا۔

”مجھے افسوس ہے۔“

”افسوس! کس بات پر۔“ فریدی اُسے غور سے دیکھنے لگا۔

”پچھلی رات کے واقعات...!“ ڈاکٹر کے انداز میں لپکچا ہٹت تھی۔

”اوہ....!“ فریدی ایک مختصر سے قہقہے کے ساتھ بولا۔ ”مجھے ایسے واقعات سے بڑی دلچسپی ہے۔ ذہنی ورزش کے ساتھ اگر جسمانی ورزش بھی نہ ہو تو آدمی کامیل ہو جاتا ہے۔“

”تو تم.... ذہنی ورزش بھی کرتے ہو۔“

”جی ہاں! اور اسی کا نتیجہ ہے کہ میرے خاندان والے مجھے پاگل سمجھتے ہیں۔“ فریدی نے قہر تو پھر یہی سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں آکوں نظرؤں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔ ”اور غالباً اس گھنے نے آپ کو بھی اسی غلط فہمی میں مبتلا کرنا چاہا ہے۔“

”نہیں.... نہیں....!“

”آپ کی صاحب زادی محترمہ صیحہ مجھے بتاچکی ہیں۔“

”اوہ.... اوہ.... وہ بڑی شریر ہے۔ تم اس کی باتوں پر دھیان نہ دو۔“

”آپ پاگل خانے کے میئیں یکل بورڈ کے چیزیں میں ہیں تا....!“

”ہاں.... آپ....!“

”اور شائد اسی لئے میں یہاں لایا گیا ہوں کہ میرا اعلان کیا جائے۔“ فریدی کا لہجہ تاخو شگوار ہو گیا۔

حمدی سوچ رہا تھا کیا ڈاکٹر انہیں اپنے یہاں سے بھگانے کے لئے یہ سب کچھ کر رہا ہے۔ اُن دونوں مجرموں کو چھوڑ دینے کا توہینی مطلب ہو سکتا ہے؟

و درات انہیں تجربہ گاہ میں بس رکنی پڑی۔ ڈاکٹر نے کسی کو بھی کوئی نہیں جانے دیا۔ اُس کے خیال میں پوری کوئی گیس سے متاثر ہو گئی تھی۔

فریدی ایک بخطی آدمی کا بہترین روی ادا کرتا رہا۔ اُس نے ڈاکٹر سے کچھ بھی نہیں پوچھا۔ حتیٰ کہ خود سے سانپ کا تذکرہ بھی نہیں کیا۔ ڈاکٹر نے خود ہی مردہ سانپ کو دیکھ کر اُس کے متعلق پوچھا تو فریدی نے اتنا ہی کہا کہ ہاں اُس نے اُسے مار ڈالا تھا۔ اُس نے ڈاکٹر سے یہ بھی پھیرنے لگا۔ نہیں پوچھا کہ وہ مقفل الماری میں کس طرح پہنچا ہوا گا۔

دوسری صبح جب حمید اور فریدی لان پر تھا تھے تو حمید نے پچھلی رات کے واقعات کا تذکرہ چھیندیا۔

”میا آپ نے دیکھا تھا کہ سانپ کے منہ میں دانت نہیں تھے۔“ اُس نے کہا۔ ”ہاں میں نے دیکھا تھا۔“

”اور لڑکیوں کے بیان کے مطابق الماری مقفل تھی۔“

”رہی ہو گی۔“ فریدی نے لاپرواںی سے کہا۔

”تو پھر یہی سمجھنا چاہئے کہ ڈاکٹر ہماری شخصیتوں سے واقف ہے اور نہیں چاہتا کہ ہم یہاں آکوں نظرؤں سے حمید کی طرف دیکھ کر کہا۔“

”قاوم کریں۔“

”اوہ! تو تم یہ سمجھتے ہو کہ وہ ہم سے واقف ہے۔“ فریدی بولا۔

”پھر کیا سمجھوں۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ ہمیں نہیں جانتا۔ اگر جانتا ہو تو اس قسم کی حرکتیں ہرگز نہ کرتا۔“

”تو پھر اُس کا مطلب یہ ہے کہ ان سب واقعات کا ذمہ دار کوئی اور... ہے۔“

”ہو سکتا ہے۔“

”آخر آپ کھل کر بات کیوں نہیں کرتے۔“ حمید جھنجھلا گیا۔

”حالات تمہارے سامنے ہیں۔ تم ہی کچھ روشنی ڈالو۔“

”اگر آپ کے یہاں آنے کا مقصد معلوم ہو جائے تو ڈال سکتا ہوں روشنی...!“ حمید اکٹر کر بوا

”نہیں..... بھی.... وہ تو تم اتفاقاً مجھے اٹیشن پر ملے تھے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”خیر.... خیر....!“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ لیکن آپ میری ذہنی حالت ٹھیک کرنے پر اپنا وقت نہیں رہا و کریں گے۔“

”نہیں بھی.... تم بالکل ٹھیک ہو۔“

”ہو سکتا ہے کہ اس نے آپ کو فرانسیسی اور جرمن کا طفیلہ بھی سنایا ہو۔“

”کیا وہ بھی غلط ہے۔“ ڈاکٹر نے مسکرا کر حمید کی طرف دیکھا۔

”سو فیصدی غلط.... مخفی مجھے غصہ دلانے کے لئے تمام میں کہتا پھرتا ہے کہ میں فرانسیسی اور جرمن سے نابلد ہوں۔“

”مگر.... بھی.... تم نے وہ کتاب الٹی پکڑ رکھی تھی۔“

”کون سی کتاب....!“

”اوه.... وہ.... کچھ نہیں.... کچھ نہیں....!“ ڈاکٹر فوراً سنبھل گیا۔ کتاب کا واقعہ ٹرین سے متعلق تھا اور ڈاکٹر نے یہ ظاہر کیا تھا کہ ان سے اٹیشن پر اتفاق املاقات ہو گئی تھی۔

”نہیں تائیے کون سی کتاب....!“ فریدی جھੁংਖلا کر بولا۔

حمدی نے ڈاکٹر کو آنکھ مار کر فریدی کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا۔ لیکن فریدی نے جھلاہٹ میز نہ صرف اس کا ہاتھ ہٹا دیا بلکہ ایک ہاتھ رسید کرنے کی بھی گوشش کی۔ حمید اچھل کر ڈاکٹر کے پیچھے ہو گیا۔

”ارے.... ارے.... ہا میں....!“ ڈاکٹر نے فریدی کا ہاتھ پکڑ لیا۔

”تو آپ اس سور کو بھی تو سمجھائیے کہ میں اس کا برا بھائی ہوں۔ مجھے تمام جگہوں پر ذمہ کرتا پھرتا ہے۔“

”میں سمجھادوں گا۔ خیر اسے جانے دو۔ تم ابھی ذہنی ورزش کی بات کر رہے تھے۔“

”جی ہاں.... کیا وہ بھی پاگل بن کی بات تھی۔“

”نہیں.... نہیں.... قطعی نہیں۔“

وہ ڈرائیکٹ روم میں آئے جہاں ناشتہ میز پر لگایا جا پکھا تھا اور لاکیاں شامد انہیں کی منتظر تھیں۔ صبیح حمید کو دیکھ کر مسکرا آئی اور حمید بھی مسکرا دیا۔ ڈاکٹر خیالات میں کھویا ہوا تھا۔ کچھ دریں تک وہ خاموشی سے ناشتہ کرتے رہے پھر ڈاکٹر بولا۔

”ہاں تو تم کیا کہہ رہے تھے۔“

”کیا کہہ رہا تھا۔“ فریدی نے سوچنے کے سے انداز میں اپنی پیشانی پر شکنیں ڈال لیں۔

”چھلی رات کی باتیں جن پر تم ذہنی ورزش کرتے رہے ہو۔“

”آہا ٹھیک! میں ان واقعات کو کبھی نہیں بھول سکتا، مخفی اس لئے کہ وہ تحریک اگنیز ہیں.... انتہائی تحریک اگنیز.... ورنہ میں ہربات مہت جلد بھول جاتا ہوں۔ جب ہم اٹیشن سے اس طرف آرے ہے تھے تو ہم پر چند نامعلوم آدمیوں نے حملہ کیا تھا۔ ان میں سے ایک کی آواز بالکل ایسی ہی تھی جیسے یہہ کمپنی کے اس ایجنسٹ کی جو ہمیں ٹرین میں ملا تھا۔“

”ڈاکٹر صاحب اس واقعے سے ناواقف ہیں۔“ حمید جلدی سے بولا۔

اس پر فریدی نے یہہ کمپنی کے ایجنٹوں کی عجیب و غریب حرکت کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا۔

”مجھے یقین ہے کہ ان میں سے ایک وہ ایجنسٹ ضرور تھا جس نے کپارٹمنٹ میں روپا اور نکالا تھا۔“

اچھا دوسروی بات.... انہوں نے ہمارے سامان میں ہاتھ نہیں لگایا اور نہ ہمیں جان ہی سے

”وہنی.... ورزش....!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں چھلی رات کے واقعات پر ذہنی مارنے کی کوشش کی، حالانکہ ان کے پاس اسلیے بھی موجود تھے۔ پھر ہیاں کو نہیں میں کتوں پر ورزش کر رہا ہوں۔ کمرے میں گیس ڈال کر کتوں کو ختم کیا گیا۔ پھر اس الماری سے سانپ برآ۔“

آفت آئی۔ الماری سے سانپ برآمد ہونے کا مقصد یہی تھا کہ اس واقعے کے بعد آپ لوگوں کو

ہوا جس میں گیس ماسک رکھے ہوئے تھے اور سانپ بھی کیا، جس کے دانت بہلہ ہی توڑ دیئے گئے تھے اور پھر آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرم بھی چھوڑ دیئے۔“ ڈاکٹر نے ہاتھ لئے خاموشی سے گھوڑا تارہ پر مصطفیٰ رانہ انداز میں بولا۔ ”آؤ.... چلو میں اس کے متعلق اطمینان سے ٹھنگو کرنا چاہتا ہوں۔“

”چلے....!“ فریدی بولا۔

ایک دوسرے حادثے سے دوچار کیا جائے، ورنہ وہ سانپ اسی الماری سے کیوں برآمد ہوتا جس میں گیس ماںک رکھتے تھے۔ ظاہر ہے کہ کتوں والے واقعے کے بعد گیس ماںک کی ضرورت پیش آئی لازمی تھی۔ مگر اس سانپ کا مقصد؟ آپ خود ہی فرمائیے کہ اس کے دانت کیوں نکال دیئے گئے تھے اور سب سے بڑی بات تو یہ کہ آپ نے ہاتھ آئے ہوئے مجرموں کو کیوں چھوڑ دیا۔

فریدی خاموش ہو کر ڈاکٹر کی آنکھوں میں دیکھنے لگا۔

”وہ ہمیں صرف خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں۔“ ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔

”کون...!“

”چند نامعلوم آدمی...!“

”کیوں خوفزدہ کرنا چاہتے ہیں؟“

”تاکہ میں کوٹھی چھوڑ دوں۔“

”کیا یہ کوٹھی کرانے پر حاصل کی گئی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں میری اپنی ہے۔ اب سے پچس سال قبل میں نے اسے خریدا تھا۔“

”کون ہیں وہ بیہودے، جو آپ سے آپ کا مکان چھینتا چاہتے ہیں۔ مجھے تائیے۔ میں ان سے سمجھ لوں گا۔ کیچھن ماہر میرے گھرے دوستوں میں سے ہیں۔“

”تم نہیں سمجھے! میں خود بھی پولیس کی مدد لے سکتا تھا۔“

”پھر کیوں نہیں لی...!“

”وجہ ہے! میں نہیں چاہتا کہ پولیس کو اس کا علم ہو....!“

”کمال کرتے ہیں۔ ارے ان خطرناک حالات میں رہنا آپ کو پسند ہے۔“

”یہ ایک راز ہے۔“

”لیکن.... میری یہ چوٹ....!“ فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”مجھے مجبور ماکھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ دو ایک بار انگریز کپتان کو ان پر کر رہی ہے کہ میں ماہر کو اس کی اطلاع دے دوں۔“

”خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔“ صمیم بول پڑی اور ڈاکٹر اسے قبر آکوں نظروں سے برحال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر

گھورنے لگا۔

”میں ضرور اسے مطلع کروں گا۔“ پچیں

”تم میرا کہنا نہیں سنو گے.... سرافضال....!“

”سنئے تو سہی۔“ فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ ”آخر وہ راز کیسا ہے؟“

ڈاکٹر تھوڑی دیر خاموش رہ کر کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”تم مجبور کرو گے تو بتانا ہی پڑے گا۔

مجھے نہیں معلوم تھا کہ وہ لوگ ان حرکتوں پر اتر آئیں گے۔ ورنہ میں تمہیں کبھی یہاں نہ لاتا۔“

”ہو سکتا ہے کہ میں آپ کے کسی کام آئیں سکوں۔“ فریدی نے کہا۔

”میں بتا دوں گا مگر پہلے تم وعدہ کرو کہ یہ بات صرف تم دونوں ہی تک رہے گی۔“

”سن رہے ہو۔“ فریدی حمید کی طرف دیکھ کر غریا۔ ”اگر تم نے یہ بات کسی سے کہی تو

ہڈیاں پلیاں ایک کر دوں گا۔“

”میں کسی سے نہیں کہوں گا۔“ حمید نے سعادت مندانہ لمحے میں کہا۔

فریدی پھر ڈاکٹر کی طرف دیکھنے لگا اور ڈاکٹر آہستہ سے بولا۔ ”اس عمارت میں کہیں پر ایک

بہت بڑا فینہ ہے۔“

”دفینہ....!“ فریدی نے آہستہ سے دہرایا اور اس کا چہرہ یک بیک سرخ ہو گیا۔ آنکھوں

میں عجیب تم کی چمک نظر آئے گل۔ لیکن حمید خوب سمجھتا تھا کہ یہ تغیر قطبی بناوٹی ہے۔ اس کا

بغذبات سے کوئی تعلق نہیں۔

”دفینہ....!“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”میں نے یہ عمارت بھری جہاز کے ایک انگریز کپتان سے

فریدی تھی۔ وہ یہاں تھاہر ہتا تھا اور جس دن اس نے مجھ سے رقم وصول کی تھی، اس سے پندرہ

ان بعد کوٹھی خالی کر دینے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن وہ تیرے ہی دن اسی کوٹھی میں مردہ پایا گیا۔ کسی

نے اس کے سر میں گولی ماری تھی۔ اس کا ایک ملازم بھی تھا۔ اس نے بتایا کہ کچھ عرصہ سے

مدسر ار آدمی تاریک راتوں میں کوٹھی کے کمپاؤٹ میں چکر لگاتے رہے ہیں اور انہوں نے کئی جگہ

لیکن.... میری یہ چوٹ....!“ فریدی اپنی پیشانی پر ہاتھ پھیرتا ہوا بولا۔ ”مجھے مجبور ماکھدائی بھی کی تھی۔ اکثر کوٹھی کے اندر بھی گھس آئے تھے۔ دو ایک بار انگریز کپتان کو ان پر

لیاں بھی چلانی پڑی تھیں۔ لیکن کپتان نے ان واقعات کی روپورٹ پولیس کو کبھی نہیں دی۔

”خدا آپ کو اس کی توفیق دے۔“ صمیم بول پڑی اور ڈاکٹر اسے قبر آکوں نظروں سے برحال کوٹھی کا سودا اس کی زندگی ہی میں ہو گیا تھا۔ اس لئے اس کی موت کے بعد قانونی طور پر

سچھے مل گیا۔ لیکن اسی کے ساتھ ہی ساتھ مجھے بھی مصائب کا شکار ہونا پڑا۔ شروع شروع

سچھے لوگوں نے کوٹھی فریدی نے کی پیشکش کی۔ پھر مجھے غائبانہ طور پر دھمکیاں ملے گیں۔ پچیں

سال ہو گئے ان بکھریوں میں پڑے ہوئے، لیکن یہ حقیقت ہے کہ نہ تو ابھی تک وہ لوگ ہی کامیاب ہو سکے اور نہ میں ہی۔ وہ اکثر چوروں کی طرح کوئی میں کھس کر اُسے تلاش کرتے رہے ہیں۔ امتحانات میں نے اکثر کوئی کو ایک ایک ہفتے کے لئے بالکل خالی چھوڑ دیا ہے، لیکن پھر بھی "کامیاب نہیں ہو سکے۔ ویسے ان کی تلاش کا سلسلہ اب بھی جاری ہے۔ پچھس سال سے.... خدا کو پناہ.... اور اب وہ اس بات پر انتہا آئے ہیں کہ جس طرح ممکن ہو مجھ سے کوئی غالی کراٹیں۔" ڈاکٹر خاموش ہو کر فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ جسکے چہرے پر اب بھی جوش کے آثار تھے۔ "ٹھیک ہے۔" وہ مضطربانہ انداز میں بولا۔ "پولیس کو اطلاع دینی چاہئے۔ ورنہ پوری کوئی ٹھیک ہو دیں۔" دفینہ نہ ہوتی بھی پولیس یہ جاننا چاہے گی کہ آخر وہ اس میں کیوں دچکر لے رہے ہیں۔"

"بالکل یہی بات میں بھی سوچتا ہوں۔" ڈاکٹر نے ایک طویل سائنس لی۔

"یہ تو کچھ بھی نہ ہوا۔" صبیحہ مایوسانہ انداز میں بولی۔

"تم چپ رہو...!" ڈاکٹر نے اُسے ڈانت دیا۔

"ڈیڈی میں پاگل ہو جاؤں گی۔"

"ضرور ہو جاؤ۔"

"آپ پاگل نہیں ہو سکتیں۔" فریدی نے اُسے اطمینان دلایا۔ "بس دیکھتی رہئے کہ میا کرتا ہوں۔"

"آپ کیا کریں گے۔" صبیحہ نے مفعکہ اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

"میں اُن گیدڑوں پر موت بن کر گروں گا۔" فریدی اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ "میرے بڑے بیوی الور ہے۔ میں اس کا لائسنس رکھتا ہوں۔ میرا نشانہ بلا شاندار ہے۔ جمال ذرا اٹھنا تو شباش...!"

فریدی نے جیب سے روپا اور نکال لیا تھا۔ ڈاکٹر اُسے حیرت سے دیکھنے لگا۔

حمد بدستور بیٹھا رہا۔ فریدی نے اُسے گردن سے کپڑ کر اٹھا دیا۔

پھر کھینچتا ہوا کمرے کے دوسرے سرے تک لے جاتا ہوا بولا۔ "سید ہے کھڑے ہو جاؤ۔ حمید نے چپ چاپ تعمیل کی، ویسے اُس کے فرشتوں کو بھی علم نہیں تھا کہ کیا ہوئے

ہے۔ فریدی نے میز پر سے ایک گلاس اٹھا کر حمید کے سر پر رکھ دیا اور حمید کے بیروں تلے سے زمین نکل گئی۔ فریدی اُس گلاس پر نشانہ لگانے جا رہا تھا۔

"میا کرنے جا رہے ہو تم...!" دھنٹاڈا اکٹر اٹھ کر کھڑا ہو گیا۔
"نشانہ دیکھئے میرا۔"

"ارے نہیں.... خبردار...!" ڈاکٹر اُس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ مگر فائزہ ہو چکا تھا۔ گلاس کے پر زے اڑچکے تھے اور حمید کھڑا پاناسر سہلار ہا تھا۔

"اگر تمہارا ہا تھ بہک جاتا تو... بولو...!" ڈاکٹر نے فریدی کو جھنجھوڑتے ہوئے کہا۔

"یہ نالائق مر جاتا۔" فریدی نے لاپرواٹی سے کہا۔ "اور مجھے خوشی ہوتی۔ اچھا آپ ہی فرمائیے کیا آپ کسی پاگل آدمی سے ایسے نشانے کی توقع کر سکتے ہیں۔"

"نہیں.... ہرگز نہیں۔"

"اور یہ گدھا مجھے پاگل کہہ کر بدنام کرتا پھر تا ہے۔"

"میں نے کب کہا تھا کس سے کہا تھا۔" حمید جھلا کر بولا۔

"کیوں محترمہ صبیح...!" فریدی صبیح کی طرف مڑا۔

"اوہ... میں سمجھ گئی تھی کہ یہ مذاق کر رہے ہیں۔" صبیح نے جواب دیا۔

"بہر حال کہا تھا...!"

"نہیں کہا تھا۔" ڈاکٹر جلدی سے بولا۔ "صبیح تم آخر شرارت سے باز کیوں نہیں آتیں۔"

صبیح کچھ نہیں بولی۔

"کہنے تو.... اور دکھاؤں۔" فریدی نے کہا۔ "اس کی ناک پر بیکٹ رکھ کر...."

"نہیں.... نہیں.... میں اس کی اجازت ہرگز نہ دوں گا۔" ڈاکٹر نے کہا۔ "مجھے یقین ہے

کہ تمہارا نشانہ بہت اچھا ہے۔"

"خیر.... ہاں تو آپ مجھے بتائیے! وہ کون لوگ ہیں۔" فریدی بیٹھتا ہوا بولا۔

"اس سے کیا فائدہ ہو گا۔"

"میں انہیں سر عوب کرنے کی کوشش کروں گا۔ انہیں سمجھاؤں گا کہ آپ تمہاری نہیں ہیں اور آپ یقین کیجئے کہ میں اُس وقت بیک یہاں سے واپس نہیں جاؤں گا جب تک کہ اس کا تصفیہ نہ

”میں کیسے تاکتا ہوں جب کہ وہ بھی کھل کر سامنے آئے ہی نہیں۔“

”انہیں تو آپ جانتے ہی ہوں گے جنہوں نے یہ کوئی آپ سے خریدنے کی کوشش کی تھی۔“

ڈاکٹر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔ ”آن میں سے صرف ایک آدمی یہاں موجود ہے لیکن تم آخر سے کس طرح مر عوب کرو گے.... وہ یہاں کا ایک ذی حیثیت آدمی ہے۔“

”آپ اس کی پرواہ نہ سمجھئے.... صرف پڑھتا دیجئے۔“

”نہیں بھتی! اگر تم کوئی غیر قانونی حرکت کر بیٹھے تو...!“

”نہیں.... میں پاگل نہیں ہوں.... حالانکہ لوگ مجھے بچپن ہی سے پاگل سمجھتے آئے ہیں۔“

گریہ تو سوچنے.... کہ اگر میں پاگل ہو تو مجھے ریالور کا لاسنس کیسے مل جاتا۔“

”میں تمہیں پاگل نہیں سمجھتا۔“ ڈاکٹر نے پلکیں جھپکائیں۔

”تو پھر بتا دیجئے۔“

”سردار محمود.... وہ یہاں کا بہت بڑا آدمی ہے۔“

”پڑھتا یا۔“

”جس سے بھی پوچھو گے بتاوے گا۔ وہ بہت مشہور آدمی ہے۔“

”اچھی بات ہے.... میں دیکھوں گا۔“ فریدی کوت کی جیبوں میں ہاتھ ڈال کر بڑایا۔

”مگر تم کزو گے کیا؟“ ڈاکٹر نے پوچھا۔

”اُس سے زیادہ پریشان کروں گا جتنے آپ اب تک ہو چکے ہیں۔“

”دیکھو بھتی! میں پھر تمہیں سمجھاتا ہوں کہ اسکی ضرورت نہیں! بس تم اپنی زبان بند رکھنا۔“

”زبان تو بذریعہ ہے گی لیکن میرے ہاتھ نہیں باندھے جاسکتے۔“

”سردار محمود کے یہاں کم کیوں نہ پہنچتا جائے۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔

”نہیں.... نہیں....!“ ڈاکٹر اور اُس کی لڑکیاں یک وقت بولیں۔

”کوئی مرے گا نہیں۔“ حمید نے سمجھی گی سے کہا۔ ”وہ دھوکیں کا بم ہو گا۔“

”دھوکیں کا بم لاوے گے کہاں سے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔

”میں سائنس کا گرجویت ہوں۔“ فریدی نے فخریہ انداز میں کہا۔

”یعنی تم خود بیالو گے۔“

”قطعی....!“

”نہیں.... میں اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔“

”آپ مشورہ دیں یا نہ دیں۔“ فریدی اپنی پیشانی پر بندھی ہوئی پئی پر ہاتھ رکھتا ہوا بولا۔ ”اس زخم سے خون بہا تھا اور اب تکلیف بھی محسوس ہو رہی ہے۔“

حمدی نے محسوس کیا کہ ڈاکٹر کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں ہیں۔

ناثتے کے بعد ڈاکٹر اپنے ذاتی ہپٹال کی طرف چلا گیا۔ فریدی اور حمید لام پر آبیٹھے۔

”کیا خیال ہے۔“ حمید نے فریدی سے کہا۔ ”لوگوں پر رنگ تو خوب جیسا مگر ان دونوں میں عشق کرنے کی صلاحیت نہیں معلوم ہوتی۔“

”اس سے میرا وہ مقصد نہیں تھا جو تمہارے ذہن میں ہے۔“ فریدی نے ہاتھ لجھ میں کہا۔

”اچھا اس کہانی کے متعلق کیا خیال ہے۔“

”عمر فرمیں میں ہم اسے بندھ کھینچ گے۔ بچوں کو بھلانے کی سی باتیں اور اسی لئے میں نے بھی اچھل کر اسے یقین دلا دیا تھا کہ میں بالکل چھپ ہوں۔“

”خیر مجھے تو پہلے ہی سے یقین تھا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی نے اُس کی پیٹھ پر ایک گھونسہ بھا دیا۔

”برآمدے سے صبیح انہیں دیکھ رہی تھی، جیسے ہی فریدی کا گھونسہ حمید پر پڑا وہ ”ہاں....

ہاں“ کر کے دوڑی۔ اس پر فریدی نے اس کے قریب پہنچنے پہنچنے دو چار ہاتھ جھاڑ دیئے۔ تباہی یہ

ہوا کہ حمید بھی جو جھلا گیا۔ صبیح اُن کے درمیان میں آگئی۔

”آپ پہت جائیے براہ کرم....!“ فریدی نے کہا۔

”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ جمال صاحب آپ سے کمزور ہیں۔“ صبیح نے پوچھا۔

”آپ خواہ خواہ....!“

”نہیں کمال صاحب آپ زیادتی کرتے ہیں۔ چھوٹے بھائی کو بھی غصہ آلاتا ہے۔“

پھر اُس نے حمید کا ہاتھ پکڑ کر ایک طرف پہنچنے ہوئے کہا۔ ”چلتے! میرے ساتھ ایسے بڑے بھائی پر خدا کی مار....!“

فریدی و میں کھڑا رہا اور وہ حمید کو کوٹھی کی طرف گھسیت لے گئی۔

ناک ہے۔ میں اسے سعادت مندی نہیں بلکہ بروڈلی سمجھتی ہوں۔ آپ چب چاپ پتھر رہتے ہیں۔
چھپی چھپی... بلکہ لا حول ولا قوۃ۔“

”میں کیا کروں۔ وہ مجھ سے زیادہ طاقت در ہیں۔“

”طاقت سے کچھ نہیں ہوتا ہمت چاہئے۔“ صبیح نے سنجیدگی سے کہا اور حمید اپنی کھوپڑی سہلانے لگا۔ یہ لوگی بھی نویعت کے اعتبار یکتا معلوم ہوتی تھی۔ یعنی وہ اس جیسے آدمی کو بھی گھنے کی کوشش کر رہی تھی۔

حمید نے سوچا کہ اسے ششے میں اتارنا یقیناً ایک بہت بڑا کارنامہ ہو گا۔

”ہمت! ہمت سے کیا بنتا ہے۔“ وہ تھوڑی دیر بعد تشویش کن لمحے میں بولا۔

”جوڑو سمجھتے ہیں آپ...!“ صبیح نے پوچھا۔

”بچپن میں سمجھتا تھا باب بھول گیا ہوں۔“

”میں سنجیدگی سے گفتگو کر رہی ہوں، جوڑو یا جیو جیتو... کشی کا جاپانی طریقہ۔“

”اوہ! میں سمجھ گیا۔ میں نے اس کے متعلق کہیں پڑھا تھا۔“

”میں آپکی مرد کر سکتی ہوں۔ میرے پاس اس فن کی ایک باقصویر کتاب ہے۔ آپ بہ آسانی مشق یہم پہنچا سکیں گے۔ پھر دیکھتی ہوں کہ وہ حضرت آپ پر کس طرح غالب آتے ہیں۔“

”میں آپ کا مغلکور ہوں گا۔“ حمید نے اشتیاق خاہر کرتے ہوئے کہا۔

صبیح ایک الماری کے قریب گئی اور اُس میں سے ایک خیمہ کتاب نکال لائی۔ ”دو طریقے ہیں“ وہ حمید کی طرف کتاب بڑھاتی ہوئی بولی۔ ”جوہا تھی کو مجھ سے زیر کر دیں۔“

”حید مظہرانہ انداز میں جلدی جلدی ورق گردانی کرنے لگا۔“

”صبیح خدا کے لئے اپنی حرکتوں سے باز آ جاؤ۔“ انہیں زرینہ کی آواز سائی دی، جو ایک دروازے میں کھڑی صبیحہ کو گھور رہی تھی۔

”خدا کے لئے تم میری سراغ رسانی ترک کر دو۔“ صبیحہ دانت پیس کر بولی۔

پھر دونوں میں سچھ جھپڑ ہو گئی۔ زرینہ لانے میں کمزور معلوم ہوتی تھی۔ جتنی دیر میں اُس کے منہ سے ایک بات نکلتی، صبیحہ دس ساڑا تی لیکن آخر کار پسپا اُسی کو ہونا پڑا۔ وہ چھٹی چکھاٹتی اور پیر پیچتی ہوئی وہاں سے چلی گئی۔

دھماکہ

صبیح نے لا بیری میں پہنچ کر حمید کو ایک کرسی میں دھکیل دیا اور اپنے چہرے پر سے بالوں کی وہ لٹ ہٹاتی ہوئی بولی، جو بار بار اپنی جگہ سے ہٹ کر چہرے پر جھوول جاتی تھی۔

”اگر میں اسے قبضی سے اڑا دوں تو کہیں رہے۔“

”ایک بہت بڑا مسئلہ حل ہو جائے۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”کیسا مسئلہ...؟“

”میں اس سے ایک مصنوعی موچھ بناؤں اور پھر بھیں بدلت کر ان لوگوں کی جماعت بناؤں جو دینے کے چکر میں ہیں۔“

صبیحہ ہنسنے لگی۔ پھر سنجیدہ ہو کر بولی۔ ”تو آپ کو بھی اس کہانی پر یقین نہیں ہے۔“

”کیوں! یقین کیوں نہ ہوتا۔“ حمید یک بیک اور زیادہ سنجیدہ نظر آنے لگا۔

”کچھ نہیں... کوئی بات نہیں... ہاں تو میں یہ کہنے والی تھی۔ آخر آپ اتنے سعادت مند کیوں ہیں؟“

”نہیں آپ مجھ سے اُسی کہانی کی بات سمجھتے۔“

”مجھے اُس سے کوئی دلچسپی نہیں کیونکہ اس کہانی کا آغاز میری بیدائش سے قبل ہوا تھا۔“

”آپ کچھ چھپا رہی ہیں۔“

”ہاں میں یہ چھپا رہی تھی کہ میں مر جانے کی حد تک بور ہو چکی ہوں۔ نہ ڈیڑی یہ کوٹھی چھوڑتے ہیں اور نہ... میں کہتی ہوں کیوں نہ اس موضوع پر خاموش ہی رہیں۔“

”جیسی آپ کی مرضی...!“ حمید نے لاپرواٹی سے کہا۔

”مگر مجھے آپ پر رحم آتا ہے۔“

”کیوں...؟“

”آپ کے بھائی صاحب پاگل ہوں یا نہ ہوں لیکن آپ کے ساتھ ان کا بر تاؤ انہماں افسوس

نفیات قسم کے لوگوں کو تجربات کا کتنا شوق ہوتا ہے۔ اسی تجربے کی بنا پر ذیلی نے ہم دونوں کو اسکول یا کائچ میں تعلیم نہیں دلوائی۔“

”بھلا وہ کیسا تجربہ ہو گا۔“ حمید نے تیر آیز انداز میں اپنے ہونٹ سکوڑ لئے۔

”ڈیلی اس موضوع پر ایک کتاب لکھ رہے ہیں کہ اگر آدمی کو اپنی صحیح عمر معلوم نہ ہو تو وہ جلدی بوڑھا نہیں ہو سکتا۔ اسی لئے انہوں نے ہمیں اسکول میں بھی داخل نہیں کرایا تھا۔ داخل کرتے تو عربیں بھی لکھوائی پڑتیں۔ ویسے میں اتنا ضرور جانتی ہوں کہ صحیح مجھ سے دو سال چھوٹی ہے، اور یہ ڈیلی ہی نے بتایا تھا۔ بہر حال وہ ہم دونوں پر اپنے اس نظریے کا تجربہ کر رہے ہیں۔“

”خوب! کمال ہے۔“ حمید پاپ میں تمباکو بھرتا ہوا بولا۔

”اچھا...!“ وہ اٹھتی ہوئی بولی۔ ”میں آپ کو صرف اتنا بتانا چاہتی تھی کہ صحیح سے ہوشیار رہئے گا۔ ورنہ وہ آپ کو کسی نہ کسی مصیبت میں ضرور پھسادے گی۔“

”میں آپ کا شکر گزار ہوں۔ ویسے میں یہ کتاب پڑھنا چاہتا ہوں۔ وقت گزاری کے طور پر مجھ بچھے۔“

”شوق سے پڑھئے۔ آدمی کو بس اپنی عقل درست رکھنی چاہئے۔“

زرینہ چل گئی اور حمید اُن دونوں بہنوں کے متعلق سوچتا رہا۔ ... دونوں میں کتنا تضاد ہے۔ پھر اُسے ڈاکٹر کا خیال آیا اور وہ اُسے اور زیادہ پُر اسرار معلوم ہونے لگا۔ آخر یہ عمر کیا الٹیفہ تھا۔ نفیاتی طور پر سمجھ میں آنے والی بات ضرور تھی.... مگر....؟ ایسی بھی نہیں کہ کسی پر اس کا باقاعدہ تجربہ کر کے کتاب لکھی جائے۔ قلمی مفات اگنیز.... کیا اُسے توقع ہے کہ وہ ان لاکوں کے بڑھاپے کی عمر شروع ہونے تک زندہ رہے گا۔ ظاہر ہے کہ اس سے قبل نہ تجربہ مکمل ہو سکتا ہے اور نہ کتاب ہی تکمیل پاسکتی ہے۔

وہ کچھ دیر تک وہیں بیٹھا رہا پھر باہر چلا آیا۔ وہ اس تجربے کا تذکرہ فریدی سے بھی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن فریدی اُسے کہیں نہ ملا۔ وہ شام تک اس کا انتقال کرتا رہا۔ لیکن مایوسی ہی ہوئی۔ فریدی کافی رات گئے تک واپس نہیں آیا۔ ڈاکٹر نے بھی اس پر تشویش ظاہر کی اور ما تمہر کو فون کیا۔ لیکن اس نے بھی فریدی کے متعلق لامعی ظاہر کی۔

حمدی رات بھرا طیمان سے خانے لیتا رہا۔ ظاہر ہے کہ اُسے کیا تشویش ہو سکتی تھی کیونکہ

لیکن حمید یہ محسوس کئے بغیر نہ رہ سکا کہ زرینہ فطرنا صمیحہ کی ضد واقع ہوئی ہے کیونکہ اس غل غپاڑے کا اس پر مطلق اثر نہیں ہوا تھا اور وہ بدستور پر سکون نظر آرہی تھی۔

”دیکھئے! آپ اس کے پچھے میں نہ پڑیے گا۔“ اس نے تھوڑی دیر بعد حمید سے کہا۔ ”اس سے شیطان بھی پناہ مانگتا ہو گا۔ آپ اگر اس کی باتوں میں آئے تو خواہ مخواہ آپ کو بہت جھلکتا پڑے گا۔ یہ آئے دن نوکروں میں سر پھٹول کراتی رہتی ہے۔“

”اچھا!“ حمید نے حیرت ظاہر کی۔

”خود ڈیلی بھی اس سے عاجز ہیں۔“

”یہ آپ سے چھوٹی ہیں یا بڑی۔“

”مجھ سے دو سال چھوٹی ہے لیکن جب ڈیلی کا احترام نہیں کرتی تو میرا کیا کرے گی۔“

”ٹھیک ہے۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ پھر دروازے کی طرف بڑھتے ہوئے کہا۔ ”درا شہر یے۔“

اس نے باہر نکل کر چاروں طرف نگاہ دوڑائی جب یقین ہو گیا کہ صحیح آس پاس کہیں موجود نہیں ہے تو پھر لا بسیری میں واپس چلا گیا۔

”دیکھئے!“ اس نے زرینہ کو مخاطب کیا۔ ”آپ ٹھیک کہتی ہیں کہ صحیح صاحبہ ڈاکٹر کا ہم احترام نہیں کرتی۔ میں نہیں بلکہ انہیں جھوٹا بھی سمجھتی ہیں۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ انہیں دینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔“

”میں نے سناتا۔“ زرینہ بولی۔ ”لیکن یہ سوچ بھی نہیں سکتی کہ ڈیلی جھوٹ بولیں گے۔“

”بہت اوپنے آدمی ہیں۔“

”مکیا یہ کوئی ٹھیک آپ کی بھی پیدائش سے قبل خریدی گئی تھی۔“

”میں ہاں....!“

”بد تیزی تو خود رہے۔ لیکن کیا میں آپ کی عمر پوچھ سکتا ہوں۔“

”عمر....!“ زرینہ کے چہرے پر ابھمن کے آثار نظر آبنے لگے۔

”میں معاف چاہتے ہوئے اپنا سوال واپس لیتا ہوں۔“ حمید نے شر مند گی کا اظہار کیا۔

”اوہو.... اس کی ضرورت نہیں۔“ زرینہ مسکرائی۔ ”حقیقت یہ ہے کہ مجھے اپنی صحیح“

”معلوم نہیں.... ڈیلی ہم دونوں پر بھی ایک تجربہ کر رہے ہیں۔ آپ جانتے ہی ہوں گے کہ

فریدی یہاں کسی کام ہی کے لئے آیا تھا۔

دوسری صبح حمید خود سے بیدار نہیں ہوا بلکہ کوئی بے تحاشہ اُس کے کمرے کا دروازہ پیٹھے جا رہا تھا اور اس کی متواتر آوازوں نے اُسے گکایا تھا۔ اُس نے انٹھ کر جلدی سے جسم پر شب خوابی کالبادہ ڈالا اور پھر دروازہ کھول دیا۔

اس طرح دروازہ پیٹھے والی صیبح تھی۔ اُس کے ہاتھ میں شاندار آج کا کوئی اخبار تھا۔ وہ حمید کو ایک طرف ہٹاتی ہوئی کمرے میں گھس آئی۔

”واقعی آپ کے بھائی صاحبِ دھن کے کچے معلوم ہوتے ہیں۔“ اُس نے حمید کی طرف اخبار پڑھاتے ہوئے کہا۔

”میں نہیں سمجھا آپ کیا کہہ رہی ہیں۔“

”دیکھئے...!“ اُس نے اخبار کا صفحہ الٹ کر ایک سرفہرست کی طرف اشارہ کیا۔

”سردار محمود کی کوئی میں پر اسرار دھاکہ۔ پوری کوئی دھوئیں سے بھر گئی۔ کسی جانی یا مالی دے دوں۔“ نقصان کی اطلاع نہیں ملی۔ قرب و جوار میں کافی یہجان پایا جا رہا ہے۔ بعد کی اطلاعات مظہر ہیں کہ وہ دھوئیں کام بھا۔ سردار محمود کا بیان ہے کہ وہ اُن کے کسی دشمن کی حرکت معلوم ہوتی ہے، لیکن انہوں نے کسی خاص آدمی پر پاناشہب نہیں ظاہر کیا۔“

حمدی خبر پڑھ کر صیبح کی طرف دیکھنے لگا۔

”اور وہ حضرت ابھی تک واپس نہیں آئے۔“ صیبح نے کہا۔

”نہیں آئے۔“ حمید نے خواہ خواہ اضطراب ظاہر کرنا شروع کر دیا۔

”ڈیٹی کا خیال ہے کہ اُن کے لئے پاگل غانہ ہی مناسب رہے گا اور انہیں افسوس ہے کہ انہوں نے دینے کا قصہ آپ لوگوں کو کیوں بتایا۔“

”محبے جانا چاہئے۔“

”کہاں؟“

”بھائی صاحب کی علاش میں۔“

”آپ صرف دو ہی بھائی ہیں۔“

”جی ہاں...!“

”جائزیہ اور یقیناً بڑی ہو گی اور میک بیٹھس بھی۔“

”جی ہاں! خدا کے فضل سے بہت کچھ ہے۔“

”تب پھر آپ انہیں مر ہی جانے دیجئے۔“

”میاں غویت ہے؟“ حمید نے غصہ ظاہر کیا۔

”اغویت نہیں۔ اُن کے مر جانے پر آپ جائزیہ کے تمباک ہوں گے۔“

”آپ کو اس قسم کی فضول باتیں نہ کرنی چاہئیں۔“

”حالاً کہ میں نے آپ کے فائدے ہی کی بات کی ہے۔“

”تو اس طرح آپ محترمہ زیرینہ کی موت کی بھی خواہش مند ہوں گی۔“

”یقیناً میرا بس چلے تو میں اُسے آج ہی مار ڈالوں۔“

”ڈاکٹر کے سامنے بھی الفاظ دھرا نے کی ہمت ہے۔“

”اوہ! ڈیٹی...!“ صیبح مصکحہ اڑانے والے انداز میں بھی۔ ”انہیں توجہ چاہوں زہر دے دوں۔“

”اچھا اچھا! میں ڈاکٹر کو سب کچھ بتا دوں گا۔“

”وہ تو بعد کی بات ہے۔ آپ لوگ اپنے بچاؤ کی فکر کریجئے۔ میں پولیس کو اطلاع دینے جا رہی ہوں کہ دھوئیں کا بم پھینکنے والا کون ہے۔“

”حمدی اس کی سنجیدگی دیکھ کر بوكھلا گیا۔“

”مجھے سردار محمود سے ہمدردی ہے۔ ڈیٹی خواہ مخواہ ایک شریف آدمی پر الزام رکھ رہے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے کہ سردار صاحب نے بھی کوئی خریدنے کی خواہش ظاہر کی، ہو لیکن اس بات کا ڈیٹی کے پاس کیا ثبوت ہے کہ ان حرکتوں میں انہیں کام ہاتھ ہے۔“

”حمدی میز کے گوشے پر بیٹھ کر صیبح کو بغور دیکھنے لگا۔ ویسے اس نے اپنے چہرے پر سر ایسکی

کے سارے آنکھ پیدا کر رکھتے تھے۔

”اور آپ کے بھائی صاحب سو فیصد یا پاگل معلوم ہوتے ہیں۔“ صیبح پھر بولی۔ ”میں انہیں

پاگل خانے ضرور بھجواؤں گی اور آپ جیل کے منتظر ہے۔“

”میں نے کیا کیا ہے۔“ حمید نے خوفزدہ آواز میں پوچھا۔

”آپ نے....!“ وہ حمید کے قریب پہنچی ہوئی بولی۔ ”خیر میں آپ کو معاف کرتی ہوں۔ خلاف وہ حرکت کر دیا تھی۔ یہ بات حمید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ دوسری طرف اُسے ڈاکٹر سے آپ پر مجھے نہ جانے کیوں رحم آتا ہے۔“ زیادہ اس کی لڑکیاں نہ اسرار معلوم ہو رہی تھیں اور صیحہ اُسے تو وہ ایک اچھا سبق دینا چاہتا تھا۔

اچانک وہ حمید کے سر پر ہاتھ پھیرنے لگی اور حمید نے موج میں آکر آنکھیں بند کر لیں۔ وہ تمام دن باہر ہی باہر رہا۔ شام کو اس نے سوچا کہ ماخر سے بھی ملتا چلے، ممکن ہے فریدی صیحہ سر سہلاتے ہیلے گی۔ پھر حمید کا کیا پوچھنا وہ خود کو تخت سلیمان سے وہیں ملاقات ہو جائے۔ اس کا خیال درست نکلا۔ فریدی ماخر کے بنگلے میں موجود تھا اور بہت محسوس کرنے لگا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں تخت اخیری کی بھی سیر کرنی پڑی۔ کیونکہ صیحہ۔ اچھے موڑ میں تھا۔ حمید نے اُسے سارے واقعات سے آگاہ کرتے ہوئے کہا۔ ”اب ڈاکٹر چاہتا ہے گال سہلاتے ہیلے اچانک ایک بھرپور ہاتھ رسید کر دیا تھا اور پھر اُس کے سخنے سے پہلے ہی، کہ سردار محمود اس بات سے آگاہ ہو جائے کہ دھوئیں کے بم کا تعلق اسی کی ذات سے تھا۔ ویسے وہاں سے ہوا ہو گئی۔ حمید ایک ہاتھ دلانے گال پر رکھے اور نہ اسماں نہ بنائے بھاگتے ہوئے قدموں صیحہ کو دینے والی کہانی پر بالکل یقین نہیں۔“

”میں اسے بھی کوئی اہمیت نہیں دیتا۔“ فریدی نے لاپرواںی سے کہا۔

کی آواز سن رہا تھا۔

”بھر آپ نے سردار محمود کی کوئی تھی میں بم کیوں پھینکا تھا۔“

”وہ تو آج بھی پھینکا جائے گا۔“

”آخر معاملہ کیا ہے؟“

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ دوسرے گال پر اپنے ہی ہاتھ سے تپڑ رسید کر لے۔

اچانک ڈاکٹر کمرے میں داخل ہوا۔ اس کے ہاتھ میں ایک اخبار تھا۔

”تم نے دیکھی وہ خبر۔“ اس نے آتے ہی کہا۔ اس کے بعد میں سرت آمیر لرزش تھی۔

”جی ہاں دیکھ لی۔“ حمید نے اپنا موڈ ٹھیک کرنے کی کوشش کرتے ہوئے کہا۔ ”میں جا ہوں بھائی نے جو کچھ کہا ہے کر گزریں گے۔“

”یہ بہت اچھا ہوا۔ لیکن کمال صاحب ہیں کہاں۔“

”پتہ نہیں! مجھے تشویش ہے۔ ویسے ان کی ذہنی حالت کے متعلق آپ کا کیا خیال ہے۔“ کیوں نہ کائے پڑیں۔“

”ٹھیک ہے۔ ویسے انہیں صرف سکلی کہا جاسکتا ہے۔ پاکل نہیں۔ انہیں تلاش کرنا چاہئے۔“ ”آخر کیوں....!“

اب کوئی ایسی حرکت ہوئی چاہئے جس سے سردار محمود کو علم ہو جائے کہ اس دھماکے کا تو۔

اُسکی لامی میں کوئی باہری آدمی پاگل خانے میں نہیں داخل ہو سکتا۔ خواہ وہ کوئی سرکاری آفسر ہی میری ذات سے ہے۔ ایسا ضرور ہونا چاہئے۔“

کیوں نہ ہو۔ پاگل خانے میں داشٹے کے اجزاء نامے پر اُنکے دستخط ہونے ہر حال میں لازمی ہیں۔“

”میں سمجھ گیا۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”اچھا۔ میں اس بات کی کوشش بھی کروں گا کہ وہ کل

گھر سے باہر نکلنے ہی نہ پائے۔“

”کیسے روکو گے۔“

محض دکھاوے کے لئے حمید فریدی کی تلاش میں نکل کھڑا ہوا۔ درنے اُسے ذرہ بردا۔

”نہایت آسانی سے۔ آپ بھی چاہئے ہیں تاکہ کل وہ نہ تو پاگل خانے جائے اور نہ فون پر کسی

تشویش نہیں تھی۔ البتہ وہ سردار محمود کے متعلق معلومات فراہم کرنا ضروری سمجھتا تھا۔“

”سے گفتگو کر سکے۔“

فریدی کو ڈاکٹر کی کہانی پر یقین نہیں آیا تھا لیکن اس کے باوجود بھی اس نے سردار محمود

نمبر چوالیس

ہاں میں بھی چاہتا ہوں۔“

”تو یہ ہو جائے گا۔ میں آج ہی رات کو اس کی دونوں لڑکوں سمیت غائب ہو جاؤں گا۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا اور فریدی اپنے دامنے پر ہاتھ کی مٹھی باندھ کر گھونسہ بنانے لگا۔ لیکن خلاف توقع اس نے بہت زیاد سے کہا۔ ”میں اس معاملے میں تم سے سنجیدگی کی توقع رکھتا ہوں۔“

”پھر اس کے علاوہ اور کوئی تدبیر میرے ذہن میں نہیں ہے۔“

”فرض کرو اگر لڑکیاں نہ ہوتیں تو تم کیا کرتے۔“

”ایک منٹ کے لئے بھی وہاں نہ ٹھہرتا۔“

”نداق ختم کرو۔“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”تم اس سے کہہ دینا کہ وہ کل گھر سے باہر نکلے۔ اسی طرح سردار محمود کو دھماکے والے معاملے کے متعلق یقین دلایا جاسکتا ہے کہ وہ اسی کام تھا۔ سمجھے.... اور اس کے بعد تم ٹیلی فون کے تار تکاث ہی سکتے ہو۔“

”پھر دن بھر میں کیا کر تار ہوں گا۔“

”جو کچھ آج کرتے رہے ہو۔ میں اب دفع ہو جاؤ۔“

حید دفع ہو جانے کے باوجود بھی سیدھا ڈاکٹر کی طرف نہیں گیا۔ کافی رات گئے تک ہو ٹلوں اور ریستورانوں کے چکر کا تارہا اور پھر جب کوئی پہنچتا تو ڈاکٹر کو اپنا منتظر پیا۔ ”کچھ پتہ چلا۔“ ڈاکٹر کی آواز میں کپکاپہٹ تھی۔

”جی ہاں ملے اور عجیب حال میں ملے۔ مجھے تو اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آتا۔ وہی جہا صاحب جو آسکفورڈ یونیورسٹی کے گرجویٹ ہیں خدا کی پناہ.... حید اپنا منہ پیٹ کر خاموش ہو گیا۔“

”کیوں! کس حال میں تھے۔“ ڈاکٹر کا اشتیاق بڑھ گیا۔

”اُن کے جسم پر امریکین غنڈوں کا سالیسا تھا اور وہ ایک بدنام قسم کے ہوٹل میں ہے۔“ لفٹگلوں کے ساتھ تاش کھیل رہے تھے۔ مجھے دیکھ کر انہیں یکنہت غصہ آگیا اور اُس کے ساتھ اپنی آستین سینئے لگے۔ ایک نے اُن سے کہا بھی کہ استاد کہو تو ہاتھ صاف کر دوں۔ لیکن وہ مجھے الگ لے گئے اور بتایا کہ آج رات کو پھر سردار محمود کی کوئی میں دھو میں کام پھینکا جائے گا۔“ ڈاکٹر سے کہہ دینا کہ کل دن بھر کوئی سے کماؤٹڈ میں بھی نہ نہیں۔“

”کیوں؟“ ڈاکٹر کی حیرت بڑھ گئی۔

”پتہ نہیں۔ انہوں نے پوری بات نہیں بتائی۔ البتہ یہ ضرور کہا تھا کہ اسی طرح سردار محمود کو یقین دلایا جاسکتا ہے کہ اس معاملے میں ڈاکٹر ہی کا ہاتھ ہے۔“

”بہت خوب۔ بہت خوب۔ یہ اشد ضروری تھا۔ کل میں باہر نہیں نکلوں گا۔ اور کچھ؟“

”اور دوسرا ہم ایسا بات میں خود کہنا چاہتا ہوں۔“

”وہ کیا؟“

”محترمہ صبیحہ آپ س وہ میں رہتی ہیں۔“

”کیا مطلب....؟“ ڈاکٹر یک بیک چوک ک پڑا۔ اس کا یہ اندازہ جانے کیوں حمید کو بہت نہ اسرار معلوم ہوا۔

”آنہیں دینے والی کہانی پر یقین نہیں ہے۔ مجھ سے کہہ رہی تھیں کہ تم یوں تو ف ہو اگر تمہیں اس پر یقین آجائے۔“

”اوہ....!“ ڈاکٹر کے چہرے پر اطمینان نظر آنے لگا اور وہ نہیں کریوالا۔ ”وہ شیطان ہے۔ یہ بات تو وہ مجھ سے بھی کئی بار کہہ چکی ہے۔ تم اس کی باقتوں میں نہ آتا۔ بہت شریر ہے۔“

حید نے پھر یہ بات آگے نہیں بڑھائی۔ وہ ڈاکٹر کے رویے پر غور کرنے لگا۔ آخر وہ اس نبی طرح چونکا کیوں تھا اور پھر پوری بات سن لینے کے بعد مطمئن بھی نظر آنے لگا۔ اس کا تو یہ مطلب ہوا کہ اس معاملے کو چوڑ کر کوئی دوسرا معاملہ بھی ہو سکتا ہے جس کے لئے صبیحہ کا اس کی کٹوڑہ میں رہنا غیر متوقع ہی نہیں بلکہ ناممکنات میں سے ہو۔

صبیحہ کے بارے میں سوچتے وقت حید کو اس کا تھپڑیاں آگیا اور وہ سوچنے لگا کہ اس سے اس کا بدلہ کس طرح لیا جائے۔ وہ سوچتا ہوا اور اُسے نیند آگئی۔

دوسری صبح ٹھیک آٹھ بجے اُس نے ٹیلی فون کے تار کاٹ دیئے۔

ڈاکٹر نے ابھی تک سچ کوئی سے باہر قدم نہیں نکالا تھا اور حید کو توقع تھی کہ وہ فریدی کے ہر مشورے پر عمل کرے گا البتہ اُسے ٹیلی فون کی فکر ضرور تھی۔ تار غالباً اس لئے کٹا گئے تھے کہ ڈاکٹر فون پر بھی کسی سے رابطہ نہ قائم کر سکے لیکن یہ ضروری تو نہیں تھا کہ وہ اپنے فون سے کام نہ لے سکنے کی بنا پر ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھا رہتا۔ فون کی خرابی کی اطلاع وہ کسی

دوسری جگہ سے بھی میں فون کے محکمہ کو دو اسکلتا تھا۔ اسی صورت میں تارکانے کا علم اُسے یقینی طور پر ہو جاتا۔ پھر.... حمید سوچتا اور لبختا رہا لیکن یہ حقیقت ہے کہ گیارہ بجے تک ڈاکٹر نے فون استعمال کرنے کی ضرورت ہی نہیں محسوس کی۔

آج حمید لاکیوں سے دور ہی دور ہتا چاہتا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ اگر صبح سے ملاقات ہو گئی تو وہ مستقل طور پر پیچھا پکڑ لے گی اور حمید ڈاکٹر کی گمراہی نہ کر سکے گا۔ گمراہی کا خیال بھی یہ نہیں تھا۔ یہ کہنا قطعی غلط ہو گا کہ حمید ڈاکٹر کی طرف سے مطمئن تھا کیونکہ اُسے ابھی تک اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ ان دونوں پر اعتدال کرنے لگا ہے۔

تقریباً بارہ بجے ایک کار کپاڈ میں داخل ہوئی۔ ایک آدمی اس میں سے اتر کر پورچ کی طرف دوڑنے لگا۔ اس نے بڑے گھبرائے ہوئے لبجھ میں ایک نوکر سے ڈاکٹر کے متعلق پوچھا اور اس بات پر مصر ہوا کہ اُسے براہ راست ڈاکٹر کے پاس پہنچا دیا جائے۔ راستے میں حمید سے مذکور ہو گئی۔ اُس نے اس آدمی کو غور سے دیکھا اور پہلی ہی نظر میں ہٹک گیا۔

ڈاکٹر لا ببریری میں تھا۔ حمید جلدی سے راہداری سے نکل کر لان پر آیا اور باہر ہی باہر لا ببریری کی پشت پر پہنچ گیا۔ اب وہ ٹھیک اس کھڑکی کے نیچے تھا جس کی دوسری طرف ڈاکٹر ایک آرام کری میں لیٹا ہوا کوئی کتاب پڑھ رہا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ ڈاکٹر کی آواز صاف سنائی دی۔ اُس کے لبجھ میں استجابت تھا۔ حمید بالکل کھڑکی سے لگ کر کھڑا ہو گیا، جو اس کے سر سے تقریباً ایک بالشت اوپنی تھی۔

”نبُر چوالیس کی حالت بہت خراب ہے۔ اُسے کمی نے زہر دیا ہے۔“

”زہر دیا ہے۔“ ڈاکٹر نے دہرایا۔

”جی ہاں اور محکمہ سرانگ رسانی کا ایک آفسر وہاں موجود ہے۔“

”تو تم نے سب سے پہلے پولیس کو اطلاع دی تھی۔“ ڈاکٹر کا لہجہ ناخوشگوار تھا۔

”نہیں جتاب..... وہ آفسر بہت مشہور آدمی ہے اور وہ خود ہی آج صبح نبُر چوالیس کے

متعلق پوچھ گئے کرنے کے لئے وہاں آیا تھا۔“

”خود ہی آیا تھا۔“ ڈاکٹر نے جرت سے دہرایا۔ ”اور وہ کوئی مشہور آدمی ہے۔“

”جی ہاں..... کرٹل فریدی۔“

”کرٹل فریدی۔“ کرسی کھکانے کی آواز آئی شاید ڈاکٹر کھڑا ہو گیا تھا۔

”اور جتاب اکرٹل فریدی ہی نے ہمیں یہ بات بتائی تھی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔“

”بیٹھ جاؤ۔“ ڈاکٹر مضطرباہے انداز میں بولا۔ ”تمہاری باتیں بے ربط ہیں آخوند کرٹل فریدی وہاں کیسے پہنچ گیا۔“

”بس وہاں آیا۔ ذیوٹی اچارج سے مل کر اُس نے اس کے متعلق پوچھ گئے کہ اور سیدھا اس کی کوڑی کی طرف چلا گیا۔ ظاہر ہے کہ اچارج اُسے کیسے روکتا۔ وہ کوئی معمولی آدمی تو ہے نہیں۔ بہر حال جب وہ اس کی کوڑی میں پہنچا تو وہ یہوش پڑا تھا۔ کرٹل ہی نے یہ بات سب سے پہلے محسوس کی کہ اُسے زہر دیا گیا ہے۔ میں نے آپ کو فون کیا لیکن شاید آپ کا فون خراب ہے۔ انکو اڑی سے یہی معلوم ہوا تھا۔۔۔ پھر سیدھا ہمیں چلا آیا۔“

”نہیں فون تو ٹھیک ہے۔“ ڈاکٹر نے کہا۔ ”خیر کرٹل فریدی وہاں موجود ہے یا چلا گیا۔“ ”موجود ہے۔“

”تمہارا کیا خیال ہے۔ نبُر چوالیس نجی جائے گا۔۔۔ یا۔۔۔!“

”کچھ کہا نہیں جاسکتا۔“

”اچھا! تم اپنی زبان بالکل بند رکھنا۔ تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا کہ اُسے میں نے ہی پاگل خانے میں داخل کیا تھا۔“

”میری زبان بالکل بند رہے گی۔ آپ مطمئن رہیں۔“

کچھ دریک خاموشی رہی پھر ڈاکٹر نے کہا۔ ”اب تم وہیں واپس جاؤ۔ جیسے ہی کرٹل وہاں سے رخصت ہو مجھے فور اُنہوں پر اطلاع دیتا۔ میں دیکھوں گا کہ فون میں کیا خرابی ہے۔“

حمد کھڑکی کے پاس سے ہٹ آی۔ اس کی دانست میں اب کوئی کھلکھلا نہیں تھا۔ ڈاکٹر فریدی کی موجودگی میں وہاں جانے سے رہا لہذا اب اُس کی بھی ضرورت نہیں تھی کہ ڈاکٹر کو فون کی خرابی سے لاعلم رکھا جائے۔

حمد پورچ میں کھڑا نوادرد کی کار کو پھانک سے نکلتے دیکھتا رہا۔ ڈاکٹر بھی تک لابریری ہی میں تھا۔ حمید پہلے تو اس کرے میں گیا جہاں فون رکھا ہوا تھا پھر لا ببریری کی طرف روانہ ہو گیا۔ راستے پھر وہ اپنے چہرے پر بدحواسی کے آثار پیدا کر تاہم۔

پھر لا بہریری میں داخل ہوتے ہیں لکارا۔ ڈاکٹر کسی نے میلی فون کے تارکات دیئے ہیں۔ ”
ڈاکٹر نے بڑے پُر سکون انداز میں اس کا یہ جملہ سنائے اور پھر اس کے ہونٹوں پر ایک طنز آیا
مگر ابھث نہدار ہوئی۔ لیکن وہ کچھ کہے بغیر پھر مطالعہ میں مصروف ہو گیا۔
جید چپ چاپ کھڑا رہا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب کیا کہے.... وہ سوچنے لگا کہ کیا
ڈاکٹر مجھ پر اس کی حرکتوں سے واقف ہے۔ اس کی مکراہث اور لاپرواٹی کے اظہار کا تو یہی
باضابطہ کار دایوں کی تحریک کرے گا.... مگر....!
مطلوب ہو سکتا ہے۔
”اب اور کیا کہنا چاہتے ہو۔“ ڈاکٹر کتاب بند کر کے عینک کے اوپر سے جید کی طرف دیکھا
ہوا بولا۔

”کچھ نہیں!“ جید نے خنک لبھ میں کہا۔ ”میرا خیال تھا کہ یہ معاملہ اتنا غیر اہم نہیں ہو سکا
جسے اس طرح رواداری میں ڈال دیا جائے۔“
”ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو تعلیم کیا جاسکتا۔“
میں تمہارا مشکور ہوں گا۔ سلامت سے کہو۔ وہ تارہمیا کر دے گا۔“
ڈاکٹر نے پھر کتاب کھول لی اور جید وہاں سے چلا آیا۔
تاروں کی درشگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ جید اس دوران میں اس تاروں کے دروانے
متعلق سوچتا رہا تھا۔ اور وہ خبر.... زہر کے دیا گیا تھا۔ کیا اسی پاگل کو جس کے لئے فرید رام گذہ
آیا تھا لیکن یہ حرث انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچا چاہا اور آج ہی اسے
زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر مجید کی کہا
حیثیت تھی؟ جید اس گھنی پھر بھی۔ لیکن اس بار جید نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا
فون کی گھنٹی پھر بھی۔ لیکن اس بار جید نے ریسیور نہیں اٹھایا۔ ڈاکٹر بھی جہاں تھا وہیں کھڑا
رہا۔ گھنٹی بھتی رہی۔ آخر ڈاکٹر نے کہا۔
”ویکھو.... کون ہے۔“

جید خیالات میں کھویا ہوا میز کے گوشے سے نکل گیا۔ آخر وہ کون تھا جس کے لئے فریدی؟
یہاں تک آتا پڑا۔ اس نے کسی کے انواع کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن
جید کو اس پر تحریر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اس نے ریسیور اٹھایا۔ البتہ اس نے ڈاکٹر
ڈاکٹر مجید.... وہ اس پاگل سے بھی زیادہ نہ اسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دیئے جانے سے کوچھ حرث میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی
زیادہ اس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر تشویش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟
اچانک فون کی گھنٹی بھی اور جید نے ریسیور اٹھایا۔

67

”ہیلو....!“
”ڈاکٹر مجید۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔
”ہاں.... میں ہی ہوں۔“ حید نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔
”نمبر چوالیں مر گیا اور کرٹل یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ وہ ابھی یہاں کے مقامی حکام کو لا کر
بانٹا بٹے کار دایوں کی تحریک کرے گا.... مگر....!
”مگر کیا؟“ حید نے پوچھا۔
”اُس کے جانے کے ٹھیک پورہ منٹ بعد ایک دوسرا کرٹل فریدی آدم ہما کے۔“
”کیا مطلب....!“
”ایک دوسرا آدمی جو خود کو کرٹل فریدی ظاہر کرتا ہے۔ میں نے اُسے فی الحال روک لیا
ہے۔ آپ جو کچھ کہیں کیا جائے۔ یہ آدمی نو عمر ہے اور اسے کسی طرح بھی کرٹل فریدی نہیں
ٹھیک ہے۔ لیکن اب اس کے علاوہ چارہ بھی نہیں۔ ویسے اگر تم تاروں کو درست کر سکو تو تعلیم کیا جاسکتا۔“
”میرا خیال ہے کہ اُسے بھی لاش دکھادو۔“ جید بولا۔
”تم میری آواز کی بہت اچھی نقل کر رہے ہو۔“ ڈاکٹر مجید نے کہا جو کمرے کے دروانے
تاروں کی درشگی میں بیس منٹ سے زیادہ نہیں لگے۔ جید اس دوران میں اس تاروں کے لئے تیار ہو گیا۔
متعلق سوچتا رہا تھا۔ اور وہ خبر.... زہر کے دیا گیا تھا۔ کیا اسی پاگل کو جس کے لئے فریدی رام گذہ
آیا تھا لیکن یہ حرث انگیز بات نہیں تھی کہ آج ہی فریدی نے اس تک پہنچا چاہا اور آج ہی اسے
زہر دے دیا گیا؟ لیکن وہ زہر دینے والا کون ہو سکتا ہے؟ اور ان معاملات میں ڈاکٹر مجید کی کہا
حیثیت تھی؟ جید اس گھنٹی کو نہ سمجھا سکا۔ فون کو شٹ کرنے کے لئے وہ پھر کمرے میں آگیا۔ اب
وہ ٹھیک ہو گیا تھا۔

”ویکھو.... کون ہے۔“

یہاں تک آتا پڑا۔ اس نے کسی کے انواع کا بھی تذکرہ کیا تھا لیکن پوری بات نہیں بتائی تھی۔ لیکن
جید کو اس پر تحریر ہونے کا موقع بھی نہ مل سکا اور اس نے ریسیور اٹھایا۔ البتہ اس نے ڈاکٹر
ڈاکٹر مجید.... وہ اس پاگل سے بھی زیادہ نہ اسرار معلوم ہوتا تھا۔ پاگل کے زہر دیئے جانے سے کوچھ حرث میں ڈال دیا کیونکہ اس بار اس کی آواز عورتوں کی تھی۔ یہ آواز نہ صرف نسوانی
زیادہ اس نے وہاں فریدی کی موجودگی پر تشویش ظاہر کی تھی۔ آخر کیوں؟
”ہاں.... ڈاکٹر موجود ہیں! ٹھہریے۔“ جید ماڈھ پیس میں کہہ کر ڈاکٹر کی طرف مڑا۔

اُس کے ہونٹوں پر شرات آمیز مسکراہت تھی لیکن ڈاکٹر کے ہونٹ خلک ہو گئے تھے اور ”جید اٹھ کر اُس کے ساتھ ہو لیا۔“
جلدی جلدی پلکیں جچکارہ تھا۔ اُس نے جید کے ہاتھ سے رسیور لے لیا۔
ڈاکٹر اُسے عمارت کے باہر نہیں لے گیا۔ لیکن پھر بھی جید کو کافی چلانا پڑا کیونکہ عمارت کا
”ڈاکٹر نجیب اسپینگ... اوہ... کیا... کیسی لاش... اچھا... اچھا... ہاں... پھیلاو، بہت زیادہ تھا۔ بالآخر وہ ایک کمرے کے سامنے رک گئے جس کا دروازہ بند تھا۔ ڈاکٹر نے
ہاں... خیر کوئی فکر نہ کرو۔ بس تمہاری زبان بند رہنی چاہئے۔“
ڈاکٹر نے رسیور رکھ دیا اور ایک کرسی میں گر کر اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگا۔ تحریر کو پڑھ سکتے ہو۔“

جید ٹھیک اُس کے سامنے بیٹھا سر کھجاتا رہا تھا۔ اچانک ڈاکٹر نے اُسے مخاطب کیا۔ ”کون ہی تحریر؟“ جید نے پوچھا۔ وہ دروازے سے تقریباً چار فٹ کے فاصلے پر تھا اور ابھی
کس کا فون رسیور کیا تھا۔“

”کال آپ ہی کی تھی۔“ جید نے شرمندگی ظاہر کرنے والے لمحے میں کہا۔
”کون تھا۔“
”اس نے اپنا نام نہیں بتایا مگر پیغام عجیب تھا۔“
”کیا تھا....؟“
”اوٹ پلنگ... کہنے لگا نمبر اکیا ون یا اکتا لیس یا اور کوئی نمبر.... مجھے نمبر یاد نہیں...“
بہر حال وہ نمبر مر گیا۔ ایک کرٹن سعیدی نے چلا گیا اور اب دوسرا کرٹن سعیدی آیا ہے۔ کرتل
سعیدی یا اور کچھ۔ نام کے متعلق میں یقین کے ساتھ نہیں کہہ سکتا کہ وہ مجھے صحیح یاد ہے۔“
”تم نے فون کے تاریکوں کاٹے تھے۔“ ڈاکٹر کے لمحے میں سختی پیدا ہو گئی۔
”تاکہ مجھے ان کی مرمت کرنی پڑے۔“ جید نے خلک لمحے میں جواب دیا۔
”میں بہت زیادہ یوقوف نہیں بن سکتا۔“

”یہ آپ کی مرضی پر منحصر ہے۔“ جید نے لاپرواٹی سے کہا۔
”تم دونوں اب مجھے اپنی نیک نیتی کا یقین نہیں دلاتے۔“
”اگر یقین نہ کرنا چاہیں تو آپ کو دنیا کی کوئی طاقت یقین نہیں دلاتی۔“
”تو گویا تم اب بھی یہ کہنا چاہتے ہو کہ تم لوگ میرے ساتھ کوئی چال نہیں چل رہے ہو۔“

”میں مرتبہ دم تک آپ کو اپنی نیک نیتی کا یقین دلاتا ہوں گا۔“
ڈاکٹر چند لمحے کچھ سوچتا رہا۔ پھر اس نے کہا۔ ”اچھا تو میں ابھی امتحان کئے لیتا ہوں۔ آئیں اس کی کلائی پر موجود تھی الہذا وہ بہ آسانی اس بوریت کی عمر طویل کا اندازہ کر سکتا تھا۔
میرے ساتھ چلو انہوں...!“

دوپہر کا کھانا غائب۔ سہ پہر کی چائے مدارد اور اب گھری چچ بجارتی تھی۔ حید نے قطیں
نہیں سوچا کہ اس وقت غروب آفتاب کا منظر برا حسین ہو گا۔ وہ تواب صرف رات کے کھانے
کے متعلق سوچ رہا تھا اور یہ سوچ رہا تھا کہ اگر رات اسی کو ٹھری میں بس کرنی پڑی تو چھر اپنے
آباد اجداد تک کے خون کا انتقام لے دالیں گے۔ اس کے ذہن میں توزیریہ کی سنجیدگی کی تصویر
تھی اور نہ صبیحہ کے چنپل پن کی تصویر یہ... اس وقت تو معدہ دماغ سے ہیک مانگ رہا تھا اور دماغ
پر ایک بہت برابکٹ مسلط تھا۔ اتنا برابکٹ جس میں سے خیرات بھی نکالی جاسکے۔

سات بج کر چھ منٹ پر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ پہلے تو سمجھا کہ یہ مگر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔
”دیکھے! آپ جب تک تلاش کریں۔“ حید کیک کا ایک بڑا سا ٹکڑا ٹھوٹس کر منہ چلاتا ہوا بولا۔
”کیا بیہودگی ہے۔“ فریدی جھلا گیا۔
”اگر پیٹ بھرتا بیہودگی ہے تو میں اس زندگی پر ہزار بار لعنت بھیتا ہوں۔“
”تو اسکا یہ مطلب ہے کہ تم کافی دیر تک وہاں بذری ہے ہو۔“ فریدی غور سے دیکھتا ہوا بولا۔
”ہاں.... پرواہ نہیں۔ میں ایک بجے سے وہاں مراقبہ میں تھا... کیک لزینہ ہے۔“

”اچھا پہلے تم زہر مار کر لو پھر کچھ بتانا۔“
”خدا آپ کا ہاضمہ ہمیشہ درست رکھ۔“ حید نے ہاتھ اٹھا کر دعا دی۔
فریدی کی آنکھوں میں بے چینی متربع تھیں۔
”یہ دوسرا فریدی کون تھا۔“ حید نے پوچھا۔ اُس کامنہ برابر چل رہا تھا۔
”تم جانتے ہوں۔“
”میں کیا نہیں جانتا۔“

”ہاں....!“ فریدی ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”چوتھو ہو گئی۔ میں نے معاملات کو
اچھی طرح سمجھے بغیر طریق کار متعین کر لیا تھا۔ اُسی کا نتیجہ ہے۔“
”ہوا کیا۔“
”کسی نے کرٹل فریدی بن کر پاگل خانے میں داخلے کا پاس حاصل کیا اور وہاں جا کر اُس پاگل
ٹکر سائی حاصل کی جس کی تلاش مجھے تھی اور پھر غالباً برد کی اُسے زہر کا نجکشن دے دیا۔“
”پھر جب آپ پہنچے تو کیا ہوا۔“

”میں بہت شدت سے بور ہوں۔“ حید بے دلی کا اٹھا کر تا ہوا بولا۔ ”اور آپ کے کسی
سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“
”نوكر بھی غائب ہیں۔“ فریدی بڑا لایا۔ ”محبے اس کی توقع نہیں تھی۔“

”وہ بادرچی خانے میں ہوں گے۔“ حید نے کہا۔
”نہیں میں تمام دیکھ چکا ہوں۔“
”آپ چلنے تو میرے ساتھ۔“
”لیکن تم یہاں.... کیا دہ تھیں قید کر گئے تھے۔“
”اُجی نہیں تو بہ کجھے۔ آئیے تو میرے ساتھ۔“
فریدی اس کے ساتھ چلنے لگا۔ وہ دونوں بادرچی خانے میں آئے اور حید نعمت خانے پر
سات بج کر چھ منٹ پر اسے ایسا محسوس ہوا جیسے کوئی اُسے پکار رہا ہو۔ پہلے تو سمجھا کہ یہ مگر ٹوٹ پڑا۔ اس میں کھانے کے لئے بہت کچھ تھا۔
خالی معدے کی اختراء ہے لیکن پھر یقین آگیا۔ آواز دور کی تھی۔ کبھی وہ قریب سے آتی ہوئی
معلوم ہوتی اور کبھی دور ہو جاتی اور پھر حید نے اُسے پہچان لیا۔ وہ فریدی کی آواز تھی۔ حید
دونوں ہاتھوں سے دروازہ پیٹ پیٹ کر حلق چھاڑنے لگا۔
راہداری دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز سے گونج آنھی۔

”حید....!“ فریدی نے پھر آواز دی اور شاکداب وہ اسی کو ٹھری کے دروازے پر تھا۔
”لاشیں جواب نہیں دیا کر تیں۔“ حید حلق چھاڑ کر چینا۔
پھر پانچ منٹ بعد دروازہ کھل گیا اور حید نے فوراً محسوس کیا کہ اس دروازے پر اسپر گل گل
ہوئے ہیں۔

”پوری عمارت میں تمہارے علاوہ اور کوئی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”اور میرا ہی موجود ہونا آپ کوشاق گذر رہا ہے تو پھر بتا دیجئے غیر موجود یا ناموجود جو کچھ
بھی قواعد کے رو سے کہتے ہیں۔“

”ڈاکٹر اور اُس کی لاکیاں کہاں ہیں۔“
”ڈیکیاں میرے دل و دماغ میں محفوظ ہیں۔ باقی بچا اڈکٹر تو اسے جہنم میں جھوکئے۔“
”حید سنجیدگی سے گھٹکو کرو۔“ فریدی نے نرم لمحے میں کہا۔
”میں بہت شدت سے بور ہوں۔“ حید بے دلی کا اٹھا کر تا ہوا بولا۔ ”اور آپ کے کسی
سوال کا جواب نہیں دے سکتا۔“
”نوكر بھی غائب ہیں۔“ فریدی بڑا لایا۔ ”محبے اس کی توقع نہیں تھی۔“

جب تک کہ ماہر نے وہاں پہنچ کر تصدیق نہیں کر دی۔ وہ لوگ مجھے دھوکہ باز کر جائے۔ میں نے وہیں سے فون کر کے ماہر کو بلایا تھا۔

”یہاں ڈاکٹر نے میری جامت بندی۔“ حید نے کہا اور آج کے سارے واقعات دہرانے لگا۔

”کیا تم اُس آدمی کو پہچان لو گے جو یہاں آیا تھا۔“ فریدی نے کہا۔

”یقیناً پہچان لوں گا۔ میرا خیال ہے کہ وہ پاگل خانے ہی کا کوئی ڈاکٹر تھا۔“

”ہوں.... اچھا....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”اب آپ بھی مجھے صحیح حالات سے آگاہ نہ کریں گے۔“

”نہیں.... میں چاہتا ہوں کہ اس بار تمہیں کسی چونی والے جاسوسی ناول کا مزہ آجائے۔“

فریدی نے مسکرا کر کہا۔

”اچھا بھی بتا دیجئے کہ ڈاکٹر ہماری وجہ سے فرار ہوا ہے۔“

”بنیادی طور پر تو یہی بات ہے لیکن خود ڈاکٹر کے ذہن میں بھی یہ بات نہ ہو گی کہ وہ ہمارا

وجہ سے فرار ہو رہا ہے۔ اُس کے فرار کی وجہ حقیقت پاگل کی موت ہے۔“

”وہ پاگل کون تھا۔“

”وہ پاگل تھاںی نہیں.... وہ ایک قیدی تھا۔ پاگل خانے کا قیدی۔“

”ہاں! اپنا اپنا مقدر ہے۔“ حید ایک ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔ ”میں ایسا بدجنت ہوں کہ مجھے پاگل خانہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ بہت سمجھی گی سے کسی مسئلے پر غور کر رہا تھا۔

کیک حید کے حلق سے بھی کچھ اوپر ہو چکا تھا۔ اس نے اب اسے پانی کے گھونٹ اتارا۔

میں تکلیف محسوس ہو رہی تھی۔ بدقت تمام اس نے تین چار گھونٹ لئے اور ایک لمبی سی ڈکار کر کھڑا ہو گیا۔

”اب اگر آپ جہنم کی طرف بھی اشارہ میں تو بے در لفظ چلا گک لگا دوں۔“

فریدی تقریباً آدھے گھنٹے تک غفارت کے مختلف حصوں کی دیکھ بھال کر تارہ۔ پھر اس

ڈاکٹر کی تجویز گاہ کا رخ کیا۔ یہاں بھی اس نے چند الماریاں کھولیں اور ان میں رکھے ہوئے سماں

کا جائزہ لیتا رہا۔ حید خاموشی سے اس کے ساتھ ادھر ادھر ٹہلٹا پھر رہا تھا۔

اچاک فریدی نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔ ”ڈاکٹر کے پاس تین کاریں تھیں ذرا گیر اچ میں دیکھنا تو کوئی گاڑی ہے یا نہیں۔“

حید لیبارٹری سے نکل کر گیر اچ کی طرف چل پڑا۔ پوری کمپاؤنڈ سنان اور تاریک پڑی تھی۔ گیر اچ کے سامنے پہنچ کر اُس نے تاریق روشن کی۔ گیر اچ میں تالا بند نہیں تھا۔ یہ عجیب بات تھی کہ ڈاکٹر نے اپنے پیچھے چھوٹے ہوئے سامان کی محافظت کا کوئی انظام نہیں کیا تھا۔ سارے کمرے کھلے پڑے تھے اور سامان جوں کا توں موجود تھا۔ شاندی ہی کوئی چیز عمارت سے ہٹائی گئی ہو۔ پہنچ نہیں، وہ نوکروں کو اپنے ساتھ لے گیا تھا۔ اُنہیں چھٹی دے دی تھی۔

حید گیر اچ میں داخل ہوا۔ ایک کار موجود تھی۔ اس کی ایک کھڑکی پر حید کو ایک ریشی روپال پڑا ہوا نظر آیا۔ یہ روپال صبح کے علاوہ اور کسی کا نہیں ہوا۔ سکتا کہ اس پر انکی تصویر یعنی ہوئی تھی۔ حید اسے کیا بار صبح کے ہاتھ میں دیکھ چکا تھا۔ اُس نے آگے بڑھ کر اسے اٹھایا۔

روپال کے ایک گوشے پر کوئی چیز بندھی ہوئی تھی۔ حید نے کامپنے ہوئے ہاتھوں سے گرہ کھوئی... اور... یہ کاغذ کا ایک چھوٹا سا نکڑا تھا۔ جس پر پہل سے جلدی میں کچھ لکھا گیا تھا۔

”جال صاحب!“ کاغذ پر تحریر تھا۔ ”ڈیٹی کمپنی پاگل ہو گئے ہیں۔ انہوں نے آپ کو کمرے میں بند کر دیا ہے اور ہم لوگوں کو یہاں سے لے جا رہے ہیں۔ ہم کہاں جا رہے ہیں یہ آپ کو اُس نقشے سے معلوم ہو گا جو لیبارٹری کی تیرہ نمبر والی الماری میں رکھا ہوا ہے اور جمال صاحب! کیا لکھوں... میں نہ جانے کیوں آپ لوگوں پر اعتماد کرتی ہوں۔ نقشہ تلاش کر کے فوراً آئیے۔ آج میں بہت زیادہ خطرہ محسوس کر رہی ہوں.... صبحی!“

حید یہ تحریر پڑھ کر سر پت دوڑتا ہوا تجویز گاہ میں آیا۔ لیکن فریدی وہاں موجود نہیں تھا۔ وہ میزیں الٹی ہوئی نظر آئیں۔ شستہ کے بہترے آلات کے ریزے فرش پر بکھرے ہوئے تھے اور فرش پر کئی جگہ تازہ خون کے دھبے تھے۔

حید بڑی تجزی سے دروازے کی طرف مڑا اور باہر پہنچنے سے قبل ہی اُس نے ایک فائر کی آواز سی، جو کمپاؤنڈ ہی کے کسی حصے سے آئی تھی۔ پھر پے در پے مزید تین فائر... حید نے چھوٹ کر تجویز گاہ کی روشنی مغل کر دی۔

اب اُس نے لیبارٹری سے نکلے کاراڈہ بھی ترک کر دیا تھا۔ کیونکہ اس نے ابھی ابھی چند

مخصوص قسم کی جنین سنی تھیں.... آواز فریدی کی تھی اور یہ جنین ایک طرح کا اشارہ تھیں، جس کا مطلب اس کے علاوہ کچھ نہیں تھا کہ جہاں ہو وہیں رک جاؤ... حمید دم بخود کھڑا رہا۔

ساری الماریاں اتنی پڑیں گی۔”
”کیا مطلب....!“
”مگر میں اُس الماری سے واقع ہوں جس میں وجہ بند ہے۔“

”بکواس مت کرو۔“ فریدی بڑا کر ایک الماری کا تالا توڑنے لگا۔ اور حمید تیرہ نمبر کی الماری کی طرف متوجہ ہو گیا۔ تالا توڑنا مشکل نہیں تھا وہ جلد ہی کامیاب ہو گیا۔ اس الماری میں صرف کاغذات تھے۔ حمید نے ان سب کو نکال کر فرش پر ڈھیر کر دیا۔

”کیا کر رہے ہو۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔

”میں کہاں تک بیکار بیٹھا رہوں۔ آپ اپنا کام کیجئے۔“

فریدی ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا تباہ ہوا اپنے کام میں مشغول رہا۔
توڑی دیر کی محنت کے بعد حمید کو نقشہ مل گیا۔ وہ بہت واضح اور صاف تھا۔
”وہ مارا...!“ حمید فرش سے کئی فٹ اونچا چھپ گیا۔

”میں کان پکڑ کر باہر نکال دوں گا۔“ فریدی کوچھ مجھ غصہ آگیا تھا۔ اُس کے ہونٹ کا نپ رہے تھے۔

”یہ دیکھئے ا نقشہ یہ رہا۔“ حمید اُس کے غصے کی پرواہ کئے بغیر دہڑا۔

فریدی نے جھپٹ کر اُنکا گرپاں پکڑ لیا اور گھستا ہوا کمرے کے دوسرا سرے پر لے گیا۔
”دیوار کی طرف منہ کر کے کھڑے ہو جاؤ۔“ اُس نے اس کی گردان پکڑ کر دیوار کی طرف موڑتے ہوئے کہا۔

”واقعی میرے ستارے گردش میں ہیں۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔
”دن بھر بند رہا اور اس وقت...“ وہ جملہ پورا کر تیکی بجائے اُس نقشے کے متعلق سوچنے لگا۔
کیا فریدی کا کسی اور چیز کی تلاش تھی۔ وہ دیوار ہی کی طرف منہ کئے ہوئے اطمینان سے کھڑا رہا۔
اچانک اُس نے فریدی کی ہلکی سی کراہ سنی اور کسی کے فرش پر گرنے کی آواز آئی۔ حمید بے ساختہ پلتا۔ فریدی الماری سے تقریباً یہڑھ گز کے قابلے پر فرش سے انھر رہا تھا اور ساتھ تباہ اپنا داہما بازو بھی رگڑتا چارہ تھا۔

”کیا ہوا...؟“ حمید بوکھلا کر اُس کی طرف دوڑا۔

نقشہ اور تعاقب

کپاڈ پر پھر ساتھا طاری ہو گیا تھا۔ حمید نے تجربہ گاہ کا دروازہ بند کر کے پھر روشنی کر دی۔ وہ جلد از جلد اُس نقشے کو تلاش کر لینا چاہتا تھا جس کا حالہ صبیحہ نے اپنے خط میں دیا تھا۔ مگر وہ نقشہ... آخر اس قسم کے کسی نقشے کا کیا مقصد ہو سکتا تھا۔

یہاں تقریباً دوسری الماریاں تھیں اور ہر الماری پر اس کے نمبر موجود تھے، حمید تیرہ نمبر کی الماری کے سامنے رک گیا۔ اچانک اس نے تجربہ گاہ کے دروازے پر فریدی کی آواز سنی۔

”اندر کون ہے۔“

”میں ہوں۔“ حمید دروازے کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ اُس نے دروازہ کھول دیا۔ فریدی اندر داخل ہو کر چاروں طرف دیکھنے لگا۔

”دروازہ بند کر دو۔“ اُس نے کہا۔ حمید دروازہ بند کر کے فریدی کا جائزہ لینے لگا۔ اُس کی تائی کی گردہ ڈھیل ہو کر سینے پر جھول رہی تھی اور بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔ گالوں پر ہلکی ہلکی خراشیں تھیں جن سے خون نکل کر کیروں کی شکل میں جم گیا تھا۔

”کیا معاملہ تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”انہوں نے...!“ فریدی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ انہوں نے خاص طور پر تجربہ گاہی کو نشانہ بنانا چاہا تھا۔ تعداد میں پانچ تھے اور اپنے چہرے نقابوں میں چھپا کر تھے۔“

”اور آپ بھی خاص طور پر تجربہ گاہی میں دلچسپی لے رہے تھے۔“ حمید نے کہا۔

”ہو سکتا ہے کہ دونوں کی دلچسپیوں کی ایک ہی وجہ ہو۔“ فریدی نے جواب دیا۔

”وجہ مجھے بھی بتایے۔“

”اُسی پور مرت کرو۔“

حمد طنزیہ انداز میں مسکرا یا اور آہستہ سے کہنے لگا۔ ”وجہ دریافت کرنے کے لئے آپ کو

”شاک....!“ فریدی فرش سے انتہا ہوا بولا۔ ”تالے میں کرنٹ ہے۔“

اب حید یہ سوچنے پر مجبور ہو گیا کہ کہیں صبیح نے اسے یوں قوف تو نہیں بنایا ہے۔ کیونکہ فریدی نے جسماری کے تالے کی طرف اشارہ کیا تھا اس کا نمبر ”چھ“ تھا۔

”آخر آپ کیا تلاش کر رہے ہیں۔“ حمید نے پلکیں جھپکاتے ہوئے پوچھا۔ ”آبھی بتانا ہوں۔ ذرا لائٹ آف کرو۔“

حید نے روشنی گل کر دی۔ فریدی شائد پھر الماری کے قریب پہنچ چکا تھا کیونکہ آوازیں کچھ اس قسم کی آرہی تھیں۔ جیسے وہ تالا توڑ رہا ہو۔ دوسرے ہی لمحے میں کھٹا کے کی آواز آئی اور فریدی نے کہا۔ ”لائٹ آن کرو۔“

حید نے پھر روشنی کر دی۔ فریدی تالا توڑ کر الماری کے پٹ کھول پکھا تھا اور وہ الماری... حید اپناسر سہلانے لگا۔ کیونکہ الماری میں کچھ بھی نہیں تھا۔ وہ خالی پڑی ہوئی تھی۔ کسی خانے میں ایک تنکا بھی نہیں نظر آرہا تھا۔ فریدی کی پیشانی پر سلوٹیں پڑ گئیں۔

”یہ کیا حماقت ہے۔“ حمید بڑی لایا۔

”تم تو حماقت ہی! میں بیکار وقت صالح کر رہا تھا۔“

”اب میری بھی کچھ سن لجھے۔“ حمید نے کہا۔

”تم بھی بکو۔“ فریدی جھلا کر اس کی طرف مڑا۔

حید نے صبیحہ کا خط اور نقشہ اس کے سامنے رکھ دیا۔ فریدی تھوڑی دیر سکھ خط اور نقشہ کا جائزہ لیتا ہوا پھر بولا۔ ”یہ خط کہاں ملا تھا؟“

”گیراج میں....!“ حید نے کہا اور رومال کا قصہ بتاتا ہوا بولا۔ ”رومال پر آلو کی تصویر تھی۔“ ورنہ میں کبھی متوجہ نہ ہوتا۔ مجھے یہ پرندہ کسی عظیم سراغ رسال کی طرح عظیم معلوم ہوتا ہے۔“

”مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہیں یہ سب بکواس ہے۔ ذاکر ہمارا وقت برباد کرنا چاہتا ہے اور یہ حقیقت ہے کہ وہ ہمیں سردار محمود ہی کا آدمی سمجھتا ہے۔“

”تو کیا یہ حق کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیا۔ بھی تھا۔ پڑوں کے دو بھرے ہوئے ثان الگ سے بھی موجود تھے۔“

”جید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ نقشہ حید کی سمجھ شروع کر دی تھی۔“

”وفیہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے ان چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھ میں نہیں آیا تھا۔ کارنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔“

بھی کوئی علم نہیں ہے۔“

حید کے چہرے پر الجھن کے آثار نظر آرہے تھے۔ آخر اس نے جھلا کر کہا۔ ”اب میں کچھ نہیں پوچھوں گا۔“

” بتاتا ہوں۔“ فریدی کے ہوتوں پر خفیہ سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔ ”کل رات میں نے

سردار محمود کے یہاں کچھ ایسی چیزوں کا تذکرہ سناتھا جو ان لوگوں کے خیال کے مطابق تجربہ گا۔ میں ہو سکتی ہیں کیونکہ تجربہ گاہہ بیمسٹہ رات کو خالی پڑی رہتی ہے اور وہ چیزیں ایسی ہی جگہ رکھی ہائیکنی ہیں جس کی طرف کسی کا خیال نہ پہنچ سکے۔ مگر بعض اوقات فریدی سے حاتفاقیں سرزد ہوتی ہیں۔ میں نے یہ نہ سوچا کہ ذاکر نے فرار ہوتے وقت یہاں ایسی کوئی چیز نہ چھوڑی ہو گی۔“

”مگر یہ عمارت کھلی پڑی ہوئی ہے اور یہاں ہزاروں کا سامان ہے۔ کیا ذاکر حق پا گل ہو گیا ہے۔“

فریدی کی چھمنہ بولا اور حید کی الجھن بدستور برھتی رہی۔

”لاؤ.... وہ نقشہ تو لاو۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

وہ کچھ دیر تک نقشے پر جھکا رہا پھر بولا۔ ”میں اسے بھی وقت کی بربادی ہی سمجھتا ہوں لیکن جلو یہی ہی۔ ویسے اس نقشے کے وجود کی وجہ سمجھ میں نہیں آتی.... اچھا آؤ۔“

”نقشہ آپ کی سمجھ میں آگیا۔“ حمید نے پوچھا۔

”ہاں ادا بہت صاف ہے۔ لیکن.... وہ جگہ.... کیا ہو گی.... یہ نہیں کہا جا سکتا۔“

”کسی جگہ....!“

”جہاں آخری تیر بنा ہوا ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ نشانات رام گذھ کے ایک غیر آباد حصے کی

طرف اشارہ کرتے ہیں اسلئے یہ بتانا مشکل ہے کہ انتظام کی عمارت پر ہو گا۔ یا... آؤ.... گیراج

”مگر یہ نقشہ! آخر اس کی ضرورت ہی کیا تھی۔ نہیں یہ سب بکواس ہے۔ ذاکر ہمارا وقت میں ایک گاڑی تو موجود ہے۔ لیکن پہلے میں اس عمارت کی گنگانی کے لئے ما تھر کو فون کر دوں۔“

فون کرنے کے بعد وہ گیراج میں آئے۔ گاڑی موجود تھی اور اس میں کافی مقدار میں پڑوں

”تو کیا یہ حق کسی دفینے ہی کا چکر ہے اور اچانک آپ نے یہاں کسی چیز کی تلاش کیا۔“

”جید کی دانست میں وہ ایک نامعلوم منزل کے لئے روانہ ہو گئے۔ کیونکہ نقشہ حید کی سمجھ

”وفیہ وغیرہ سب بکواس ہے۔ یہاں مجھے ان چیزوں کی تلاش تھی جن کے متعلق خود مجھ میں نہیں آیا تھا۔ کارنسان راستوں پر دوڑتی رہی۔“

”ان دونوں میں سے مجرم کون ہے۔ سردار محمود یا ذاکر۔“ حمید نے پوچھا۔
”دونوں....!“

”اور دونوں ایک دوسرے کے دشمن بھی ہیں۔“

”ہاں.... اور....!“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔ تھوڑی دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”یا...
کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس
کے پیچے تھی۔“

”میداں ایک بات سمجھ میں نہیں آتی.... خیر ہٹاؤ.... پھر دیکھیں گے۔“
”نہیں بھی اور اسی وقت دیکھیں گے۔“ حمید جلا گیا۔

”اندھیرے میں کیا دیکھو گے؟ یہ تم یہ ضرور دیکھو گے کہ ہمارا تعاقب ہو رہا ہے۔“

”یعنی....!“ حمید چونک کر مڑا۔ کافی فاصلے پر کسی دوسری کار کی ہیئت لا سیش نظر آری
تمیں۔ وہ تھوڑی دیر تک دیکھتا رہا لیکن دونوں کاروں کے درمیانی فاصلے میں کوئی تبدیلی نہ ہوئی۔
اس لئے اسے بھی یہی سوچنا پڑا کہ وہ تعاقب ہی ہو سکتا ہے۔

”پرواہ نہ کرو۔“ فریدی بڑا یاد۔ ”آج میں شکار کھیل رہا ہوں۔“

”ضرور کھیلیے۔“ حمید نے بیزاری سے کہا۔ ”میرے مقدر میں تو ایک گراموفون بھی نہیں
ہے کہ کالو قوال کے ریکارڈ ہی سننا شروع کر دوں۔“

”گھبراؤ نہیں! بھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے۔ وہ سجن
ہو سکتا ہے کہ صبیحہ ٹھیک ہی ہو.... آؤ۔“

”وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آری تھی۔ اترائی میں
ہے کہ ڈاکٹر نے مجھ سے مدد حاصل کی ہے۔ ورنہ وہ پاگل خانے میں کریں فریدی بن کر کیوں
داخل ہوتا۔“

”میا وہ سردار محمود تھا۔“

”اس کے علاوہ اور کون ہو سکتا ہے۔“

”یعنی آپ کے پاس کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے۔“

”انتا ٹھوس کہ سردار محمود کو زندگی ہی میں میداں حشر کا مزہ آجائے گا۔“

”اور ڈاکٹر....!“

”ڈاکٹر....!“ فریدی نے ہلکا سا تھقہہ لگایا۔ ”وہ اس قابل ہے کہ ڈاکٹر بجا کر اسے بندروں
کے ساتھ پچایا جائے۔“

کار بدستور سمنان سڑک پر دوڑتی رہی۔

فریدی نے کہا۔ ”آگے ایک موڑ اور ہے اسکے بعد ہم سیدھے جائیں گے.... اوہ.... اب
یاد آیا۔ وہ آخری تیر کا نشان... مگر نہیں... وہ سڑک تو ہم پیچے چوڑ آئے ہیں... خیر دیکھو۔“

”کار کی روشنیاں بجادت ہیں۔ سڑک صاف ہے۔“ حمید نے کہا۔

”اوہ.... اپنیں اس کا بھی احساس نہ ہونا چاہئے کہ ہم اس تعاقب سے باخبر ہیں۔“

کار ایک دوسری سڑک پر مڑ گئی اور کچھ دور چل کر حمید پھر مڑا۔ دوسری کار اب بھی اس
کے پیچے تھی۔

”ہم غلط نہیں آئے۔ وہ غالباً ہڈی کی کھاد بنا نے والی فیکٹری کی چینی ہی ہے۔“ وہ اپنی طرف

دیکھو۔ اسی کے چار فرلاگ کے فاصلے پر تیر کا آخری نشان تھا۔“

حمد پیچھے بولا۔ وہ اس چینی کی طرف دیکھ رہا تھا، جو اندھیرے میں بھی صاف نظر آری تھی۔

کار چلتی رہی.... اچانک فریدی نے کہا۔ ”چار فرلاگ۔“

اور کار کی رفتار کم کر کے انہیں بند کر دیا۔

”جلدی سے اُت آؤ۔“ اس نے کہا اور حمید دروازہ کھول کر نیچے کو دیکھا۔ فریدی کہہ رہا تھا۔

”اب میں سمجھ گیا۔ اپنیں بھی ڈاکٹر کی تلاش ہے اور وہ سمجھتے ہیں کہ ہم اسی کے پاس جا رہے ہیں۔“

”گھبراؤ نہیں! بھی جنگل میں منگل برپا کر دوں گا۔ سردار محمود زندہ دل آدمی ہے۔“

”وہ ایک طرف اندھیرے میں چلنے لگے۔ تھوڑی ہی دور پر روشنی نظر آری تھی۔ اترائی میں

غالباً وہ کوئی عمارت تھی اور اس کی کھڑکیوں میں روشنی تھی۔ فریدی کی رفتار تیز ہو گئی۔ وہ کافی

نیچے اُت آئے تھے۔ اس لئے اس کا پتہ چلنا دشوار تھا کہ دوسری کار وہاں پہنچی یا نہیں۔

”وہ ایک مختصری عمارت تھی اور اس میں تین کمروں سے زیادہ نہ رہے ہوں گے۔ اس کی کئی

کھڑکیاں روشن تھیں۔ فریدی حمید کو ایک بڑے پتھر کے پیچے دھکیل کر خود عمارت کی طرف

بڑھ گیا۔ لیکن اس کی واپسی بھی جلد ہی ہوئی۔

”ٹھیک ہے۔“ وہ آہستہ سے بولا۔ ”وہ لوگ ہیں ہیں۔ میں نے صرف ڈاکٹر کو دیکھا ہے۔“

لڑکیاں نظر نہیں آئیں....“ وہ دونوں پتھر کی اوث میں تھے۔ یعنی سڑک سے اتر کر عمارت کی

طرف آئے والے انہیں دیکھ نہیں سکتے تھے۔ حمید کو تو احساس بھی نہ ہوتا کہ کب کون آیا اور

کب گیا کیونکہ اس نے کسی قسم کی آواز نہیں سنی تھی اور نہ وہ پتھر کی اوث سے جھاٹکنے ہی کی

الذہن ہو۔ وہ تین آدمی غالباً اپے اس غیر متوقع اقدام کارڈ عالم معلوم کرنا چاہتے تھے، ورنہ پھر

کوشش کر رہا تھا۔
”وہہاں پہنچ گئے۔“ فریدی نے سر گوشی کی اور دوسرے ہی لمحے میں ایک چھٹا کاسٹانی دیا۔ اُس خاموشی کا کیا مطلب تھا؟
جیسے شخشے کی کوئی چادر فرش پر گر کر چور ہو گئی ہو۔ حمید نے اب بھی آواز کی طرف دیکھنے کی
کوشش نہیں کی۔ وہ مطمئن تھا کہ فریدی تو دیکھ ہی رہا ہے۔ جب وہ چاہے گا اسے کسی مشین کی
طرح حرکت میں لے آئے گا۔

زیرِ بینہ

حمید نے اپنے ہاتھ پر کوئی مختندی سی چیز محسوس کی۔ فریدی نے اس کی طرف ایک روپی اور
عمارت کی ایک دیوار کے نیچے پہنچ گئے۔ پھر انہوں نے قدموں کی آہنیں شنس، برآمدے میں

بڑھایا۔ حمید نے اس کے دستے پر مضبوطی سے انگلیاں جاداں۔

کوئی کسی سے کہہ رہا تھا۔ ”تم یہاں ٹھہرو، جو بھی ادھر آئے نہایت اطمینان سے گولی مار دینا۔“
”ڈاکٹر...!“ اندر ایک قوی یہکل آدمی کہہ رہا تھا۔ یہ آخری موقع ہے، اس کے بعد

فریدی نے آگے بڑھ کر برآمدے میں جھاناک کھڑکیوں سے آنے والی روشنی کا فنی تھی جس کی وجہ سے اس کو جھینکنے کا بھی موقعہ نہ دیا جائے گا۔“

کہ وہ ستون سے چھٹے ہوئے اُس آدمی کو بخوبی دیکھ سکتا تھا جس کی پشت اُسی کی طرف تھی۔
”میں نے آج تک اپنے کسی فعل پر افسوس نہیں کیا۔“ ڈاکٹر کا لہجہ نہ سکون تھا۔ ”تم دس

حمید نے فریدی کو برآمدے میں جاتے دیکھا اور وہ خود ابھی دوسرے سرے تک پہنچا گئی۔ سال سے مجھے دیکھ رہے ہو.... دس سال سے....!

نہیں تھا کہ اسے برآمدے میں کوئی کوڈتا ہوا دکھائی دیا۔ پتہ نہیں وہ آدمی تھا جیسا جانور۔ گول مٹول ”جاوہ نہیں تلاش کرو۔“ اس آدمی نے اپنے دونوں ساتھیوں سے کہا۔ ”اور اس خبیث کو
سادہ اُسی کی طرف آرہا تھا۔ حمید دو تین قدم پیچھے ہٹ گیا۔ لیکن حقیقت معلوم ہونے میں دل بولنا ہی پڑے گا۔“

نہ گلی۔ وہ فریدی تھا اور اس نے کسی کو اپنی پیٹھ پر لادر کھا تھا۔ اس نے ایک بے جان سے آدمی اور دونوں دروازے کی طرف بڑھے اور فریدی نے جلدی سے حمید کو اشارہ کیا۔ حمید ایک زمین پر ڈال دیا۔

چیسے ہی وہ دونوں باہر نکلے اُن کے سروں پر بیک وقت دو ضریب پڑیں اور وہ ڈھیر ہو گئے۔

روپی اور سوپی کے دستے کافی وزنی تھے۔ تیسرا آدمی بھی غرا کر دروازے کی طرف جھپٹا لیکن دوسرے

عن لمحے میں فریدی کا گھونسہ اُس کے جبڑے پر پڑا اور وہ ڈاکٹر کے پیروں کے پاس جا گرا۔

”کمال.... جمال....!“ ڈاکٹر کی سرست آمیز جیچ تھی۔

لیکن فریدی اس کی طرف متوجہ تک نہ ہوا۔

”سردار محمود! چہرے سے نقاب اتار دو۔“ فریدی نے روپی اور کارخ اُس کی طرف کرتے

سامنے والے کمرے میں ڈاکٹر آشنان کے قریب ایک آرام کر سی میں پڑا ہوا تھا اور انہوئے کہا اور پھر حمید سے بولا۔ ”میری جیب میں ہتھیروں کا ایک جوڑا ہے، جو بارہ بجے کے بعد

تین ایسے آدمیوں نے گھیر کھا تھا جن کے چہروں پر سیاہ نقاب تھے۔

”ڈاکٹر کا چہرہ ہر قسم کے جذبات سے عاری نظر آرہا تھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ قطعی“

سردار محمود اپنے نقاب الگ کرنا ہوا بولا۔ ”تم کیا سمجھتے ہو؟ ہم ایک ڈرائیس کار پر سل کر رہے

”آؤ....!“ وہ حمید کا ہاتھ پکڑتا ہوا آہستہ سے بولا۔

”مگر یہ....!“

”اس کی پرواہ نہ کرو.... اسے گھنٹوں میں ہوش آئے گا۔“

وہ دونوں بے پاؤں چلتے ہوئے برآمدے میں آئے اور کھڑکیوں کے سامنے سے گزرا۔

ہوئے انہیں جھکنا پڑا کہ وہ دوسری طرف سے دیکھنے جا سکتیں۔ وہ دروازے میں داخل ہو کر اپا

چھوٹی سی راہبادی میں پہنچ گئے۔

نہیں ہو سکے گا۔ ہر قسم کے ریہر سل فضول ہیں۔ محمود صاحب نے پاگل خانے میں زہر کا تجھش
ڈرامہ ختم ہو گیا۔ حید ہھٹڑیاں لگادو۔ کرتل فریدی تمہیں پاگل نمبر چوالیس کو زہر
تجھش دینے کے لازم میں گرفتار کرتا ہے۔“
”کرتل فریدی.... تم....!“ ڈاکٹر لڑکھڑا کر دیوار سے جالا۔
”کرتل فریدی لے کر آگے بڑھا اور فریدی نے گرج کر کہا۔ ”نہیں محمود! تم اپنی جگہ سے
حرکت نہیں کر دے گے۔ میں تم پر فائز بھی کر سکتا ہوں۔“
”یہ بکواس ہے۔ میں کسی پاگل کو نہیں جانتا۔“ سردار محمود چیخا۔
”تم ٹھیک کہتے ہو۔ وہ پاگل نہیں تھا۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”لیکن اس سے کوئی فرق نہیں
پڑتا۔ اس بچارے کو کئی دن سے بخار تھا۔ تم کرتل فریدی بن کر اس کی کوئی ٹھری میں داخل ہوئے
اور تم نے اسے زہر کا تجھش دیا۔ وہ غالباً یہ سمجھا ہو گا کہ تم ڈاکٹر ہو کیونکہ تم میک اپ میں بھی
تھے۔ حید ہھٹڑیاں لگادو تاکہ میں اطیمان سے یہ داستان سردار محمود کو سناسکوں۔“

”اب تم کبودا ڈاکٹر....!“
”کیا تم بچ پچ کرتل فریدی ہو۔“
”میرا وقت نہ بردا کرو۔“ فریدی نے خشک لبجھ میں کہا۔ ”لڑکیاں کہاں ہیں! بلکہ ان دونوں
میں سے وہ لڑکی کون ہے؟“
”میں تھہار امطلب نہیں سمجھا۔“
”میں اس لڑکی کا نام پوچھنا چاہتا ہوں۔ جس کے لئے یہ سارا ہنگامہ ہوا ہے۔ جس کے لئے تم
دس سال سے دھمکائے جاتے رہے ہو.... ڈاکٹر جلدی کرو۔ میرے پاس وقت کم ہے۔“
”زیرینہ....!“ ڈاکٹر نے مردہ سی آواز میں کہا۔
”میں جواب دے لوں گا۔ تم اس کی پرواہ نہ کرو۔ اے.... ڈاکٹر تم کہاں چنے.... بیخصورتی
ورنہ تھہار احشر بھی کچھ اچھا نہیں ہو گا۔“

اس پر ڈاکٹر اور سردار محمود نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا اور آنکھوں، ہی آنکھوں نہ
کچھ اشارے ہوئے پھر ڈاکٹر گا صاف کر کے بولا۔ ”میں نہیں سمجھ سکتا کہ یہ سب کیا ہو رہا ہے۔
ہم ایک ڈرائے کے لئے ریہر سل کر رہے تھے۔“

”مگر ڈاکٹر! کیا یہ ریہر سل ہماری ہی تقدیر میں لکھ دیا گیا۔ تین پر یہس کمپنی کے ایجنٹوں
ریہر سل۔ پھر راستے میں کار پر ڈاکے کار ریہر سل اور اب یہ ریہر سل نہیں ڈاکٹر یہ ڈرامہ اپا۔“

داستان

کمرے میں ڈاکٹر، فریدی اور حید کے علاوہ دونوں لڑکیاں بھی تھیں اور وہ چاروں قیدی
”وسرے کمرے میں بند کردیئے گئے تھے۔ کھاد کی فیکٹری سے فریدی نے ماہر کو فون کر دیا تھا اور
ایب وہ اُسکی کاشتھر تھا۔“

کہ دوسروں پر اتنا زثر نہ ہوتا ہو مگر میں تو قریب قریب پاگل ہو گیا تھا۔ مجھے یہ بھی نہیں یاد رہ گیا تھا کہ ہم انگلینڈ کے لئے یہاں آئے ہیں۔ میں سارا دون سڑکوں کی خاک چھانا کرتا تھا۔ اب میں سوچتا ہوں تو مجھے حیرت ہوتی ہے۔ کیا مجھے موقع تھی کہ وہ بچی مجھے دوبادہ مل جائے گی۔ اچانک ایک دن یا اسے ملاقات ہو گئی۔ اُس کے متعلق میں قریب قریب سب کچھ بھلا جکتا تھا۔ لیکن یا اس نے خود ہمیں اس کا اظہار کیا۔ سردار ہاشم کی یوہ سیئے کاشکار ہو کرفت، ہو چکی تھی لیکن بچی کو ایسا بھی سینے سے لگائے پھر رہا تھا۔ اس نے میرے واقعات سن کر ایک تلایز پیش کی۔ کیوں نہ میں اس بچی کو لے کر اپنی بچی کی طرح پالوں۔ کسی کو علم بھی نہ ہو گا کہ وہ میری بچی نہیں ہے۔ پاسپورٹ کی درستگی بھی نہیں کرائی گئی تھی، لہذا ایک بچی اُسی پاسپورٹ پر نہایت آسانی سے انگلینڈ کا سفر کر سکتی تھی۔ میں یا ایک اپنی قیام گاہ پر لایا۔ میری بیوی کو جب اُس کے حالات معلوم ہوئے تو وہ بچی کو لے لینے پر اڑا گئی۔ میں بھی نیم رضامند تھا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ وہ بچی ہمارے سامنے انگلینڈ پلی گئی۔ اس کے ٹھیک ڈیڑھ سال بعد صبح پیدا ہوئی۔ پھر جو پر دوسرا مصیبت نازل ہوئی یعنی انگلینڈ سے واپسی سے چھ ماہ قبل میری بیوی یا اور ایک ماہ بعد وہ بھی چل بی۔ بہر حال اس واقعے سے محکمہ سراج رسانی کو بھی کوئی دلچسپی نہیں ہو سکتی لہذا میں اپنی پریشانیوں کا تذکرہ کر کے بور نہیں کروں گا۔ پانچ سال پورے کر کے میں انگلینڈ سے واپس آگیا۔ میرے اعزہ کو دو لاکیاں دیکھ کر بڑی حریت ہوئی۔ شائد میں نے اپنی بچی کی موت پر ان میں سے کسی کو خلط لکھ دیا تھا۔ بہر حال مجھے اچھی طرح یاد نہیں کہ لکھا تھا یا نہیں۔ ممکن ہے لکھے ہی دیا ہو۔ میں نے انہیں جھلانے کی کوشش کی۔ اس پر بات پھیل گئی لیکن معاملہ صرف چہ میگوں یوں ہی تک محدود رہا۔ لیکن آج سے دس سال پہلے کی بات ہے کہ ایک واقعے نے حالات کو دوسرا رنگ میں ڈھال دیا۔ ایک رات یا ایک میرے پاس پہنچا۔ وہ بہت زیادہ پریشان تھا۔ محمود کے آدمی اُس کے پیچے تھے۔ اُس نے کچھ کاغذات میرے پرداز کئے اور استدعا کی کہ میں اُسے پاگل خانے میں پہنچا دوں۔ ایک پاگل کی حیثیت میں..... اُس نے بتایا کہ اُسے زندہ رہنے کی خواہش نہیں ہے۔ مگر وہ لاکی کے سن بلوغ کو پہنچنے تک زندہ رہنا چاہتا ہے تاکہ سردار محمود کی جماعت اپنے ہاتھوں سے بنائے۔ میں نے بھی سوچا تم بیرون تو ٹھیک ہے۔ اس طرح اس کی زندگی بھی محفوظ ہو جائے گی۔ میں نے اُسے پاگل خانے میں داخل کر دیا۔ سردار محمود کو اس کا علم ہو گیا۔ لاکیوں کے بارے میں پہلے ہی چ

ڈاکٹر کمرے میں ٹھیل ٹھیل کر کہہ رہا تھا۔ ”میں کیا کرتا۔ بالکل بے بس تھا۔ پولیس کو اطلاع دینے کی صورت میں بھی اس کی حفاظت نہ کر سکتا۔“ ”میں یہ داستان شروع سے سننا چاہتا ہوں۔“ فریدی بولا۔ ڈاکٹر چند لمحے خاموش رہا پھر اُس نے کہا۔ ”مگر تم یہاں پہنچ کس طرح۔“ ”آہا خوب یاد آیا....!“ فریدی نے جلدی سے کہا۔ ”اس نقشے کا کیا مطلب تھا ڈاکٹر....؟“ غالباً تیرہ نمبر کی الماری میں تھا اور چھ نمبر کی الماری میں کیا تھا۔“ ”وہ نقشہ میں نے ان دونوں کے لئے بنایا تھا تاکہ خطرے کی صورت میں یہ یہاں تک پہنچ سکیں۔“ ڈاکٹر دونوں لاکیوں کی طرف دیکھ کر بولا۔ ”اور چھ نمبر کی الماری میں وہ کاغذات تھے جن سے یہ ثابت کیا جاسکتا تھا کہ زرینہ حقیقتاً کون ہے۔“ ”میں حقیقتاً کون ہوں۔“ زرینہ نے اس جملے پر حریت کا اظہار کیا۔ لیکن ڈاکٹر اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولا۔ ”سردار محمود اور سردار ہاشم دونوں سے بھائی تھے۔ سردار ہاشم سردار محمود سے زیادہ مالدار تھا۔ آج بھی جنوب میں اس کی چاندی کی کئی کامیں ہیں۔ لیکن وہ اپنی بیوی کو حاملہ چھوڑ کر فوت ہو گیا۔ سردار محمود نے بہت کوشش کی کہ اس کی بیوی کو فتح کر دیا جائے، لیکن اس کا میابی نہ ہوئی اس کا ایک ہمدرد بھی تھا.... یا ایز.... وہ سردار ہاشم کا فیجر تھا اور اسے سردار ہاشم سے بہت محبت تھی۔ وہ اس کی بیوی کی حفاظت کرتا رہا۔ ہاشم کی موت کے تین ماہ بعد ایک بچا پیدا ہوئی۔ لیکن اب ان دونوں کی زندگیاں خطرے میں تھیں۔ سردار محمود ان کا خاتمه کر دینے ہے؟ تلا ہوا تھا۔ آخر ایک دن یا ایک میں بیویوں سمیت غائب ہو گیا۔ سردار محمود نے انہیں بہام کرنے کے لئے افسانے تراشے اور ان کے جعلے مشترک کر دیئے۔ یا ایز میرا پر اناشنا سا تھا اس کی یہ بدنامی میرے کا نوں تک بھی پہنچی۔ بات کچھ دونوں بعد فتح ہو گئی۔ میں اس کہانی میں کیسے دھان ہوتا ہوں۔ یہ بھی عجیب واقعہ ہے۔ یا ایز کے فرار کے ٹھیک چھ ماہ بعد مجھے سرکاری طور پر انگلینڈ جانا پڑا۔ چونکہ قیام کی مدت پانچ سال تھی اس نے بیوی اور بچوں کو بھی ساتھ لے جانے کی اجازت مل گئی تھی۔ اس وقت ہمارے صرف ایک آٹھ ماہ کی بچی تھی۔ ہم یہاں سے بندرگاہ کے لئے روانہ ہوئے تین دن بعد وہاں پہنچے۔ بچی راستے میں یہاں پڑ گئی۔ اس نے ہمیں روائی ملتی کرنا پڑی لیکن بچی چاروں سے زیادہ زندہ نہ رہ سکی۔ واقعی وہ ایک پاگل کر دینے والا واقعہ تھا۔ ہو سکتا تھا

میگوییاں ہو چکی تھیں۔ اُسے شک ہو گیا اور اُس نے ہر طرح سے پتہ لگانے کی کوشش کی۔ تجھے ڈر اتا دھمکاتا بھی رہا۔ دونوں لڑکیاں سمجھدار ہو چکی تھیں۔ اس لئے انہیں مطمئن کرنے کے لئے تھہاری لڑکی ہے اور یہ ثبوت مجھے آج ہی ملا ہے۔ تھہاری مر جو میزی کی ڈائری جسے تم نے مجھے ایک فرضی دینے کی دستان تراشی پڑی۔ وہی دستان میں نے تم کو بھی سنائی تھی۔“

”مجھے اُس پر کبھی یقین نہیں آیا تھا۔“ صبیحہ بولی۔

پہنچ سکتا تھا۔“

”تم خاموش رہو۔“ ڈاکٹر اُسے گھوڑتا ہوا بولا۔ پھر فریدی سے مخاطب ہو گیا۔ ”نه سردا

محمد و ان واقعات کی اطاعت پولیس کو دے سکتا تھا اور نہ میں ہی ایسا کر سکتا تھا۔ وہ اسلئے نہیں دے سکتا تھا کہ اُس کی نیت میں فتور تھا۔ اپنے بھائی کی جائیداد پر ہمیشہ قابض رہنے کیلئے چپ چاپ لڑکی کا ٹھکانے لے گا دینا چاہتا تھا۔ میں اسلئے خاموش تھا کہ اگر پولیس کو اس واقعہ کا علم ہو گیا تو لڑکی سردا رہا۔ اندرا میں کہا کہ فریدی اور حمید بے ساختہ نہیں پڑے اور ڈاکٹر دانت پیتا ہوا صرف گھونسہ دکھا کر محمد کے حوالے کر دی جائے گی کیونکہ قانونی طور پر وہی اس کا ولی تھا۔ اس طرح وہ سید ھی موت رہ گیا۔

دوسرے دن حمید کے استفسار پر فریدی نے اس کیس کی ابداء پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا کہ مرکزی محکمے کو رام گذہ کی پولیس کے متعلق ایک گنماثنا کیتی تھی اور اس میں کامیاب نہ ہو سکا۔ حتیٰ کہ اُسے آن لئے یہی نہ معلوم ہو سکا کہ ان دونوں میں سے اس کی بھتیجی کون ہے۔ وہ تو الگ رہا۔ یہ دونوں خود انہیں ایک دوسری کو سمجھتی ہیں۔ سردار محمود نے تو یہاں تک کو شش کی تھی کہ لا دنوں ہی کو ختم کر دے۔ لیکن خدا کا انصاف! وہ آج تک لاولد ہے اور اب اس کا رخچانہ لیا ز کو پاگل خانے میں داخل کرانے والا ڈاکٹر نجیب ہے۔ سردار محمود نے یہ سوچا ہو گا کہ ممکن ہے کہ مرکزی محکمے کی تحقیقات کے دوران میں اس کی بھتیجی بے قاب ہو جائے اور وہ اس کا کام تمام کرنے میں کامیاب ہو جائے۔ لیکن اُسے کسی طرح فریدی کی آمد اور اُس کے طریق کار کے متعلق علم ہو گیا۔ لہذا اُسے اسی میں بہتری نظر آئی کہ وہ لیا ز ہی کا خاتمہ کر دے ورنہ ہو سکتا ہے کہ اس کی سازش کا راز ظاہر ہو جائے۔

”صبیحہ....!“ ڈاکٹر بگڑ گیا۔ ”اُسے پریشان نہ کرو ورنہ تھپڑ مار دوں گا۔ وہ مجھے تم سے زا

عزیز ہے۔ اسلئے کہ وہ میر اشاہ کار ہے۔ اُسے میں نے جیسا بنا لاحبہاں بن گئی اور تم نہ جانے کیا بن گئی ہو۔

”میں یو تو فون بن گئی ہوں ڈیڈی۔“ صبیحہ نے قہقهہ لگایا۔ ”سردار ہاشم کی بیٹی میں ہوں

آپ خواہ نخواہ اپنی لڑکی کو میری جائیدادیں دلوانا چاہتے ہیں۔“

”ارے کم بخت یہ کیا کہتی ہے۔“ ڈاکٹر اپنا سر پیٹ کر بولا۔ ”اگر تو نے یہ بات کہی تو میر

فرشتے بھی یہ نہ ثابت کر سکیں گے کہ تم سردار ہاشم کی لڑکی نہیں ہے۔“

تمام شد

جاوسی دنیا نمبر 51

شعلوں کا ناچ

وحشتی اجنبی

سلور مون ریسٹوران میں ایک آدمی داخل ہوا اور سب کی نگاہیں اس کی طرف اٹھ گئیں۔ وہ ایک دراز قد اور گھٹیلے جسم کا جوان تھا۔ چہرہ بھرا ہوا۔۔۔ اور بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی کے نیچے دو بڑی بڑی اور وحشت زدہ آنکھیں جن میں سرخ ذورے نظر آ رہے تھے۔ جسم پر لمبا کوت قحا اور کاندھے پر ایک کمبل۔

اس کی خصیت میں ایک خاص قسم کی کشش تھی جس کی بناء پر دوسرے اُسے دیکھنے پر مجبور تھے۔ ایک کرسی پر بیٹھتے وقت اُس کے ہونٹ ذرا سے کھلے اور سفید چمکدار دانتوں کی قطار کی ایک جھلک دکھائی دی۔ اس کے انداز میں بڑی درندگی تھی۔

ریسٹوران میں بیٹھی ہوئی ایک لڑکی اپنے ساتھی کی طرف جھک کر آہستہ سے بولی۔ ”اس آدمی کو دیکھ کر نہ جانے کیوں ذہن میں کسی بھیزی کا تصور ابھرتا ہے۔“

لڑکی کا ساتھی چوک کر اس کی طرف مڑا۔ وہ بھی نووارد کو بہت غور سے دیکھ رہا تھا۔

”ہاں! اخطرناک آدمی معلوم ہوتا ہے۔“ اُس کے ساتھی نے کہا۔

”مگر اس کی آنکھیں۔“ لڑکی نہ جانے کیوں کاپ کر رہ گئی۔

”اس کی آنکھیں۔۔۔!“ ساتھی نے ایک طویل سانس لی اور تلخ بھج میں بولا۔ ”اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنی روح کے دیرانے نظر آتے ہوں گے۔ اس کی آنکھوں میں تمہیں اپنے جسم کی تکشین کا پیغام نظر آ رہا ہو گا۔ تم عورتیں آنکھوں سے سب کچھ معلوم کر لیتی ہو۔“

”شش لاو کہیں کے۔“ لڑکی سکرائی۔ ”تم مرد بد گمانی کے کچھڑ کے کیڑے ہو۔ میں تو یہ کہہ

(کمل ناول)

رہی تھی کہ اُس کی آنکھیں خونیوں کی سی ہیں۔“

اچانک ایک گر جدار آواز سن کر ہال میں بیٹھے ہوئے تمام لوگ چوک پڑے۔

نووارد ایک ویژ پر گرج رہا تھا۔ ”ابے یہ سالن! چڑیا کے بچے کے لئے لایا ہے۔ مذاق کرتا ہے فقیر سمجھتا ہے... یہ لے۔“

اس نے جیب سے سو کا ایک نوٹ نکال کر میز پر ٹھیک دیا۔

فیجر کاؤٹر کے پیچے سے نکل کر بڑی تیزی سے اُس کی طرف آیا۔

”فرمائیے! جناب والا...!“

”فرمائیے کیا بھائی! یہ تمہارا نوکر آدمی ہے یا انو۔ ہم نے کھانے کے لئے کہا تھا اور یہ کھانا اکہا ہے... کیا ہمیں بچہ سمجھتا ہے.... اتنا ذرا سا سالن... اور یہ دوچاتیاں... خدا کی مار... نوٹ پکڑو... کھانا لاو کھانا...!“

فیجر نے اُسے نیچے سے اوپر نکل دیکھا اور پھر اپنے چہرے پر لجاجت کے آثار پیدا کرنا تھا۔

بولا۔ ”اوہ جناب والا معاف سمجھے گا۔ میں ابھی آپ کے لئے انتظام کرتا ہوں۔ نوٹ آپ اپے استعمال کر رہا تھا۔“

”نہیں... نوٹ تم رکھو... جلدی کرو۔“ وہ غصیلے انداز میں میز پر گھونسہ مار کر بولا۔

”بہت بہتر جناب۔“ فیجر نے میز سے نوٹ اٹھا کر جب میں رکھ لیا اور ویژ کو الگ بلاتا ہوا بولا۔ ”یہ کوئی کوہستانی معلوم ہوتا ہے ایک پوری مرغی... آدمی ران اور بین چپاتیاں اس کے جلا رہی تھی۔“

ویژ نے نووارد کی میز صاف کر دی اور پانچ منٹ کے اندر ہی اندر فیجر کی ہدایت کے مطابق میز پر کھانا لگادیا گیا۔

”ٹھیک ہے۔“ نووارد غرایا۔ ”ہم تجھے خوش کریں گے۔“

ویژ ادب سے سلام کر کے ہٹ گیا۔

ہال کے دوسرے لوگ اُسے حیرت سے دیکھتے رہے۔

”بالکل جانور معلوم ہوتا ہے۔“ لڑکی نے اپنے ساتھی سے کہا۔

”ہاں تم لوگ اب تہذیب و شائستگی سے آتا گئی ہو۔ تمہیں اب سے ہزاروں سال پرانا“

چاہئے۔ ہزاروں سال پرانا مرد جو ہر معاملے میں بالکل جاہل ہو۔“

”تم گدھ ہے ہو۔“ لڑکی بھنا کر بولی۔

”گدھا محض اپنی شائستگی ہی کی بناء پر بد نام ہے۔ اتفاق رائے نہ ہونے پر مجھے گدھا ہی کہو گی۔“

شیر یا چینا کبھی نہیں کہہ سکتیں، حالانکہ ابھی اُس آدمی کو دیکھ کر تمہارے ذہن میں بھیڑ یے کا

تصور ابھر اتھا۔“

”تم بار بار اُس کا حوالہ کیوں دے رہے ہو۔“

”محض اس لئے کہ تم اُس سے بہت زیادہ متاثر ہوئی ہو۔“

”کبواس ہے۔“

دوسری طرف وہ نووارد بلند آواز میں ویژ سے کہہ رہا تھا۔ ”ارے... اور ہر مرغیوں میں

بالکل دم نہیں ہوتا۔ ہڈیوں پر کھال لپی ہوئی ہے۔“

”حضور کیا کیا جائے! ادھر اسی ہی ملتی ہیں۔“ ویژ نے مود باند جواب دیا۔

”ہاں... ہاں...!“ نووارد سر ہلا کر ران اور ہیٹرنے لگا۔ اس سلسلے میں وہ اپنے دونوں ہاتھ

استعمال کر رہا تھا۔

ہمیں منٹ کے اندر اندر سارے برتن صاف ہو گئے اور باقی پچھی ہوئی دوچاتیوں سے اُس نے

اپنے دونوں ہاتھ صاف کئے۔ پھر اس نے چائے طلب کی۔

”ستارہ دانہ پن ہے اس کے اندر میں۔“ لڑکی بولی۔ ”شاید اب وہ چڑک رجھ اپنے ساتھی کو

جلائی تھی۔“

”بجان اللہ کیا کہنے ہیں۔“ اس کے ساتھی نے جلے بھنے ہوئے لبھے میں کہا۔

”پتہ نہیں... یہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔“ لڑکی بولی۔ ”ادھر کا تو معلوم نہیں ہوتا۔“

”یہ ادھر کا ہے جہاں کے لوگ اپنی عورتوں کو بھیڑوں سے بھی بدتر سمجھتے ہیں۔“

”بھیڑیں دو دھوئی ہیں نا۔“ لڑکی مسکرا کر بولی۔ ”عورت سے مرد کا پیٹ نہیں بھرتا۔“

”کہجے! وہ لوگ ٹھیک کرتے ہیں۔ یہی ہونا چاہئے۔ ہر عورت فطرتاً مرد چاہتی ہے۔ خادم نہیں۔“

”ہاں کی عورتوں کو حقیقی سمرت ملتی ہوگی۔“

”تم مجھے غصہ دلار ہی ہو۔“

”ہااا...!“ لڑکی طنزی انداز میں بھی۔ ”تمہیں ہرگز غصہ نہیں آئے گا۔ غصہ تو اسے آہے۔ اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ اُسے پلیٹ میں تھوڑا سا سالن دیا جاتا ہے۔ کوئی پلیٹ۔ اسے اس بات پر غصہ آتا ہے کہ یہاں کی سرمایہ دلی ہوتی ہیں اور اُس کے دانت کھال سے پھسل کر ہڈیوں سے جانکرتا ہے۔ دیکھو دیز سمجھدار معلوم ہوتا ہے اس نے بہت بڑی چار دالی اس کے سامنے رکھی ہے۔“

انملکوں اس کا یہ جوڑا آبیں میں الجھتا رہا اور نوادردہاں سے جانے کے لئے اٹھ گیا۔

دیکھنے نوٹ کے بقیہ روپے طشتہ میں رکھ کر پیش کئے۔

”یہ کیا...!“ نوادرد نے حیرت کا اظہار کیا۔

”آپ کے بقیہ روپے۔“

”ہاشت...!“ وہ طشتہ کو دوسرا طرف کھکھاتا ہوا بولا۔ ”جاو... یہ تمہارا انعام ہے۔“ ہوشیار ہے گا.... جہاں دس شریف ہوتے ہیں وہاں دو چار ذات شریف بھی آجاتے ہیں جی زیادہ رات نہیں گئی تھی۔ ابھی صرف سات بجے تھے۔ لیکن سر دیوں کی راتیں جن کی ابتداء ہاں... ہاں تو.... صاحبان....!“

اور انہیں کافی فاصلہ معلوم ہوتا ہے۔

اجنبی ریستوران سے نکل کر فٹ پاٹھ پر آگیا۔

وہ جگہ جاتی ہوئی دکانوں اور دکنی ہوئی سڑکوں کو اس طرح آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر دیکھ رہا تھا۔ اپنی زندگی میں چیلی بار کسی بڑے شہر میں آیا ہو۔

اُس کے قریب سے زرق بر ق بس میں خوبصورت عورتیں گذرتیں اور وہ ٹھنک کر کہ طرف ہو جاتا اور پھر کچھ دیر رک کر نہایی آنکھوں سے اُن کی سبک خراہی دیکھتا رہتا۔ حتیٰ کہ کسی موڑ پر نظروں سے او جھل ہو جاتیں اور وہ آگے بڑھ جاتا۔ سر بغلک عمارتوں کو نیچے سے تک دیکھتے وقت وہ اپنی بڑے بالوں والی سیاہ ٹوپی پر ہاتھ ضرور رکھ لیتا تھا۔

خوبصورت اور سبک کاریں چکنی سڑک پر پھسل رہی تھیں اور وہ بڑی دیر سے سڑک ”ٹھہر دو...!“ اجنبی ہاتھ اٹھا کر چینا۔ ”ٹھہر جاؤ کہاں ضرور سنی جائے گی۔ یہ کون ہوتا ہے کرنے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ دوسرا طرف کے فٹ پاٹھ پر اُسے بھیڑ نظر آرہی تھی۔ ”روکنے والا۔“

کوئی چیز تھی جسے دیکھنے کے لئے لوگ اس کے گرد اٹھا ہو گئے تھے۔

”ابے ہوش میں ہے یا نہیں۔“ کما نشیل اجنبی پر چھٹا۔

بدقت تمام وہ سڑک پار کرنے میں کامیاب ہوا۔

مجمعے کے درمیان میں اُسے ایک آدمی دکھائی دیا جس نے اپنے دائبے ہاتھ پر سات جارہے تھے۔ اجنبی نے اُسے سر سے بلند کر کے فٹ پاٹھ پر ٹیک دیا۔

بھگدڑ مجھ گئی۔ دو افراد کے ذمہے اور مرتبان اتنا نہ گئے۔

دو چار دوسرے کا نشیبل ادھر ادھر سے دوڑ پڑے۔ اجنبی ان حالات سے بے پرواہ کا نشیبل کے دوبارہ اٹھنے کا انتظار کر رہا تھا۔ اچانک پانچ کا نشیبل اس پر ٹوٹ پڑے۔ دس پانچ راگبیر بھی اُر کا ہاتھ بٹانے لگے۔

لیکن اب اجنبی نے ایک برا سماچار تو نکال لیا تھا۔ یکے بعد دیگرے چار پانچ چھینیں فضائیں لہرامی اور اجنبی حملہ آوروں کے زخم سے نکل کر سڑک پار کرتا ہوا ایک تپلی سی گلی میں گھس گیا۔ گلی میں اندر ہرا تھا اور وہ اپنے پیچھے بھاگتے ہوئے آدمیوں کا شور سن رہا تھا۔ اچانک اُس سے محسوس کیا کہ کوئی اُس کے آگے بھی بھاگ رہا ہے۔

اس نے چاقو کے دستے پر اپنی گرفت مضبوط کر لی اور بھاگتا رہا۔

پھر ایک جگہ اُسے جھٹکا سالاگا اور وہ منہ کے مل گرنے کی بجائے باہمی طرف گھشتا چاکر چھ آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور یہ تو کل ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان میں سے کتنے مر گئے۔ اُس کے دونوں بازوں کی گرفت میں تھے۔

اس جدوجہد میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل گیا۔

”خاموش رہو۔“ اُس نے ایک تیز قسم کی سر گوشی سنی۔ ”میں تمہارا دوست ہوں۔ میر ساتھ آؤ۔ ورنہ یہ لوگ تمہاری بوئیاں اڑاویں گے۔“

اجنبی اپنے ہاتھ چھڑا کر سیدھا کھڑا ہو گیا۔ اُس سے دو تین فٹ کے فاصلے پر اندر ہیرے کوئی اور بھی تھا۔

اُس نے پھر نرم لبجھے میں کہا۔ ”میرے ساتھ آؤ دوست۔۔۔“

”چلو۔۔۔!“ اجنبی پھٹی ہوئی سی آواز میں بولا۔

”جلدی کرو۔۔۔ وہ آگئے۔“ اُس نے اجنبی کا ہاتھ پڑا کر کھینچا۔

اندر ہیرے ہی میں اجنبی نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اندر ہیرے ہی مل کہا۔ ”میں تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔“ دوسرے آدمی نے

اوپر جانے کے لئے زینے طے کرنے لگا۔ اس کا ایک ہاتھ اب بھی دوسرے آدمی کے ہاتھ مل کہا۔ اجنبی کچھ نہ بولا۔

اور باہر کے شور و غل کی آوازیں اب بھی اس کے کافنوں تک پہنچ رہی تھیں۔

وہ دونوں ایک جگہ رک گئے۔ اجنبی نے قفل میں کنجی گھومنے کی آواز سنی۔

ایک دروازہ بکھی سی چورچاہت کے ساتھ کھلا۔

”آ جاؤ۔۔۔!“ دوسرے آدمی نے کہا اور اجنبی نٹول کر دروازے میں داخل ہو گیا۔

سوچ دبنے سے ہلکی سی آواز ہوئی اور کمرہ روشن ہو گیا۔ اجنبی کے سامنے ایک دراز قد آدمی کھڑا تھا۔ اس کے جسم پر انگریزی و ضع کا اعلیٰ ترین لباس تھا اور ہاتھوں میں جواہرات کی انگشتیاں جگلگاری تھیں۔ لیکن اس کا چہرہ۔۔۔ وہ الشر کے اٹھے ہوئے کارل اور نیچے جھکے ہوئے فلت ہیٹ

کے گوشے کے پیچھے چھپ گیا تھا۔

”تم بہت بہادر ہو۔۔۔ مہت دلیر۔۔۔!“ اُس نے اجنبی کو نیچے سے اوپر تک دیکھتے ہوئے کہا۔

اجنبی کوئی جواب دیئے بغیر اسے گھورتا رہا۔

”تم کون ہو۔۔۔!“ آخر اجنبی نے پوچھا۔

”تمہارا دوست۔۔۔! دوست کوئی بھی ہو ہر حال میں فائدہ ہی پہنچاتا ہے۔“ تم نے اس وقت

چھ آدمیوں کو زخمی کیا ہے اور یہ تو کل ہی معلوم ہو سکے گا کہ ان میں سے کتنے مر گئے۔“

”مر گئے ہوں گے۔“ اجنبی نے اپرداں سے اپنے شانوں کو جھبٹ دی۔

”ٹھیک ہے! مجھے ان کے مر نے یا جینے کی فکر نہیں۔ مگر میں یہ سوچ رہا ہوں کہ تم جیسا دیر

”دوست پھر مجھے نہیں ملے گا۔“

”ملے گا کیوں نہیں۔“ اجنبی نے ہلکا سا تھقہہ لگایا۔ ”کیوں مجھے کیا ہو جائے گا۔“

”تمہیں! تمہیں میرے دوست۔۔۔ اگر پولیس تمہیں پاگئی۔۔۔ تو تم پھانسی پر لگا دیئے جائے گے۔“

”دوسری دنیا میں ملیں گے دوست مجھے معلوم ہے کہ تمہارا یہاں کا قانون ایسے لوگوں کو زندہ

نہیں رہنے دیتا۔ ورنہ۔۔۔ درست میں تو اس سے پہلے بھی ستہ آدمیوں کو جان سے مار چکا ہوں۔“

”اوو۔۔۔!“

”ہاں دوست۔۔۔!“ اجنبی نے مکراتے ہوئے ایک طویل انگڑائی لی۔

”اچھا دوست۔۔۔ دوست میں تمہارے لئے جان کی بازی لگا دوں گا۔“ دوسرے آدمی نے

اندر ہیرے ہی میں اجنبی نے دروازہ بند ہونے کی آواز سنی۔ اندر ہیرے ہی مل کہا۔ ”میں تمہیں یہاں سے کہیں اور لے جاؤں گا۔“ قانون کے ہاتھ تم تک نہ پہنچ سکیں گے۔“

اجنبی کچھ نہ بولا۔

”اب میں اپنے دوست کے متعلق جاننا چاہوں گا کہ وہ کون ہے اور کہاں سے آیا ہے۔“
”میں نصرت ہوں نصرت جلال میں کسی کو نہیں بتاتا کہ میں کون ہوں۔“

”لیکن تم ... تم میرے دوست ہو۔ تم نے خان جلال کا نام سنائے۔“
”خان جلال نام تو سنائے ہے۔“

”خان مقلاق!“ اجنبی نے کہا۔
”خان مقلاق ہاں ہاں!“ دوسرا آگے جھک آیا۔

”میں خان مقلاق کا بیٹا ہوں نصرت جلال چھوٹا خان مقلاق۔“
”کسی ہمدرد دوست کو دھوکا دینا بُری بات ہے۔“ اُس نے کہا۔

”کیا مطلب!“ اجنبی کی بھنوں تین گھنیں۔

”بیہی کہ تم ایک غلط بات کہہ رہے ہو۔“

”مجھے جھوٹا کہنے والا زندہ نہیں رہتا۔“ اجنبی اچھل کر کھڑا ہو گیا لیکن پھر سنجھل کر بیٹھتا ہوا
”وہ زیادہ دیر تک تھا نہیں رہا۔ وہ آدمی واپس آگیا لیکن اس کی حالت میں اب بھی کوئی تغیری بولا۔“ معاف کرنا ... میں تمہیں دوست کہہ چکا ہوں۔“

”کوئی بات نہیں۔“ وہ فہر کر بولا۔ ”تم بڑے غصہ ور معلوم ہوتے ہو۔“

”میں پہلے ہی کہہ چکا ہوں کہ میں اپنی اصلاحیت کسی کو نہ بتاتا لیکن ... تم میرے دوست ہو۔“
”میرا یہ مطلب نہیں تھا کہ تم جھوٹ کہہ رہے ہو۔ خان مقلاق بہت بڑا آدمی ہے۔ آزاد

”جہاں تم نے کھانا کھایا تھا۔“ اُس نے کہا۔ ”میں نے وہیں تم کو اپنی دوستی کے لئے منتظر تھا۔“
”تو حکومت اُس کے لئے خاص قسم کے انتظامات کرتی۔“

”میں دنیا دیکھنا چاہتا ہوں۔“ اجنبی نے برجتہ کہا۔ ”خان بابا ... نے ...!“
”وہ یک بیک خاموش ہو کر اُسے گھورنے لگا۔ پھر جلاعے ہوئے لجھے میں بولا۔“ ”تم کیے

”دوست ہو۔ میں نے ابھی تک تمہاری شکل بھی نہیں دیکھی۔“

”اوہ تو اس سے ہماری دوستی پر کیا اثر پڑتا ہے۔“

”مہربانی کر کے اپنی ٹوپی اتارو اور کالر نیچے گراؤ۔ ورنہ میں زبردستی!“
”نہیں بیارے دوست نصرت خاں۔“ اُس کی آواز دردناک ہو گئی۔ ”تم میری صورت
بکھی نہ دیکھ سکو گے کبھی نہیں! میری صورت آج تک کسی نے نہیں دیکھی۔ میں ایک

پُر اسرار دوست

”تھوڑی دیر بعد ایک لمبی سی سیڈان تاریک گلیوں سے نکل کر شاہراہ پر آگئی۔ اجنبی پچھلے پر تھا اور دوسرے آدمی ڈرائیور کر رہا تھا۔ اجنبی کی بیت بدل پچلی تھی۔ اب اس کے جسم پر ایک سیمی سوٹ تھا اور سر پر لبے بالوں کی ٹوپی کی بجائے فلک ہیست جن لوگوں کو اس نے تھوڑی دیر قبل زخمی کیا تھا وہ بھی شاید اب اسے نہ پہچان سکتے۔“

”ان کا سفر آدمی گھنٹے تک جاری رہا۔“ پھر سیڈان ایک عمارت کی کپاؤٹنڈ میں داخل ہوئی۔ ”آؤ دوست!“ دوسرے آدمی نے پچھلی نشست کا دروازہ کھولتے ہوئے کہا۔ اجنبی گاڑی سے اتر آیا۔
”پھر تھوڑی دیر بعد وہ کمرے کی سجاوٹ کا جائزہ لے رہا تھا۔ جہاں اسے بھایا گیا تھا اور وہ آدمی اب وہاں موجود نہیں تھا جو اسے یہاں لایا تھا۔“

”وہ زیادہ دیر تک تھا نہیں رہا۔ وہ آدمی واپس آگیا لیکن اس کی حالت میں اب بھی کوئی تغیری بولا۔“
”میں نے تمہیں سلوو مون ریسٹوران میں دیکھا تھا۔“ اُس نے صوفے پر بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”کہاں میں نہیں سمجھا۔“ اجنبی نے پوچھا۔

”جہاں تم نے کھانا کھایا تھا۔“ اُس نے کہا۔ ”میں نے وہیں تم کو اپنی دوستی کے لئے منتظر تھا۔“
”دوست ریسٹوران میں میں نے صرف یہ سوچا تھا کہ تم سے دوستی کروں اور جب تمہیں پریشانی میں دیکھا تو مجھے تم سے اتنی ہی محبت معلوم ہوئی جتنی ایک پرانے دوست کے لئے معلوم ہوئی چاہئے۔“

”میں تمہارا شکر گذار ہوں دوست۔“ اجنبی مسکرا کر بولا۔ ”اور تم مجھے ... غیر وفا ... دوست نہ پاؤ گے۔“
”میں بے غرض محبت کرتا ہوں۔“ اُس آدمی نے کہا۔ ”پروانہ کرو۔“ اجنبی بولا۔ ”میں ناپاس نہیں ہوں۔“

بد نصیب آدمی ہوں۔ میرا چہرہ اتنا بد نہما ہے کہ تم اس پر تھوک دو گے۔ یہاں سے چلے جاؤ گے ہم سے نفرت کرو گے اور میرا دل ٹوٹ جائے گا۔ میں محبت کا بھوکا ہوں۔ پیار چاہتا ہوں۔ مجھے از میں بھی خدا کا بندہ ہوں۔ ”اس کے پر اسرار دوست نے کہا۔ ”اور وہ بڑی چھلی بھی خدا کی کیلئے مجبور نہ کرو۔ پیارے دوست.... نصرت خان.... اور مقلاق کے آٹھویں خان اعظم....!“ بندی ہے جو چھوٹی چھلیوں کو نگل جاتی ہے.... نہیں نصرت خان....!“ تم میرے مذہب سے الگ ”اوہ تو تمہیں آگیا کہ میں چھوٹا خان ہوں۔“

”مجھے یقین ہے دوست.... میں ایک بار خان اعظم سے مل چکا ہوں۔ تم آن سے بہرے ”اوے.... خدا کی خوار....!“ تم کہنا کیا چاہتے ہو۔ ”نصرت خان ہنسنے لگا۔“ ”میں فی الحال اور کچھ نہیں کہنا چاہتا تو اس کے کہ میں تمہارا راز افشاء نہیں کروں گا۔“

”ٹھیک....!“ اجنبی نہ کر بولا۔ ”لوگ کہتے ہیں کہ اگر میں ڈاٹھی رکھ لوں اور وہ سینا نصرت خان تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔“ ”خان بابا کا ہم شکل ہو جاؤں گا۔“

”خان بابا.... بہت سخت گیر آدمی ہیں اور اب میں بچہ نہیں ہوں۔ انہوں نے مجھے قید کر کر کھا تھا۔“

”بالکل ٹھیک کہتے ہیں نصرت خان....!“ تم خان اعظم کے اکتوتے بیٹھے ہوتا۔“

”ہاں.... یہ درست ہے۔“

”لیکن تم.... اس حال میں یہاں کیوں۔“

”رازداری کی قسم کھاؤ تو بتا دو۔“

”میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا مجھے مقلاق کے قلعے کی دیواروں سے

تک عورتوں سے دور رکھا گیا ہے۔ میں دنیا دیکھنا چاہتا تھا مجھے مقلاق کے قلعے کی دیواروں سے

نفرت ہو گئی تھی۔ میں وہاں سے چھپ کر نکل آیا اور اب میں وہاں بھی واپس نہیں جاؤں گا۔“

”نہیں۔ خان بابا پاگل ہو گیا ہے۔ مجھے ایک لڑکی سے محبت ہو گئی تھی۔ اس نے قتل کر دیا تھا۔ وہ

”میں سڑتی ہوئی تین ہزار لاشوں کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ تمہارا راز ہمیشہ راز ہی رہے گا۔“ بہت صیمن تھی دوست بہت حسین۔ میں اُسے ہمیشہ یاد رکھوں گا۔“

”یہ کسی قسم تھی! تمہارا نہ ہب کیا ہے۔“ اجنبی اُسے گھورنے لگا۔

”میرا نہ ہب....!“ اُس نے سر ہلا کر کہا۔ ”میرا نہ ہب وہی ہے جو.... خیر ہٹاؤ!“ تھیں ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ساری دنیا کے سمندر چھان ماروں۔“

”شام کو اس قسم پر اعتراض ہے جو میں نے ابھی کھائی ہے۔“

”پوادا مرت کرو۔“ اُس کے نہ اسرار دوست نے کہا۔ ”تم ساری زندگی میرے ساتھ رہو۔“

”اجنبی کچھ نہ بولا۔ وہ اُسے مشتبہ نظر دیں ہے دیکھ رہا تھا۔“

”یہ قسم....!“ اُس پر اسرار دوست نے کہا۔ ”یہ قسم وہی ہے جو ہزاروں سال سے طالوت۔“

”آخڑ تم ہو کون....!“ نصرت خان نے حیرت سے کہا۔

”لوگ کھاتے آئے ہیں۔ میرا نہ ہب....!“ قوت ہے.... میری جنت خوزیری ہے اور میرا نہیں۔“

”پٹھان ہو.... طاقت خان....!“

”پٹھان ہو.... طاقت خان....!“

”تم عجیب ہو۔“ نصرت خان ہنسنے لگا۔

”اور میں نے تمہیں اس لئے دوست بنایا ہے۔“ وہ کہتا رہا۔ ”اسی لئے یہاں لایا ہوں کہ“

”چھوڑو....!“ میں کچھ بھی ہوں اسکی پرواہ نہ کرو۔ مگر یہ سمجھ لو کہ آج سے تم ایک نئی زندگی دلیر ہو اور جس وقت اپنے شکار پر جھستے ہو تمہارے دل میں رحم کاشاہیہ تک نہیں ہوتا۔ کیا تھا۔ اور ایک نئی دنیا میں قدم رکھ رہے ہو۔ تمہاری محبوبہ بہت حسین تھی لیکن تم اسے بھول جاؤ گے۔“

”بھی نہیں بھولوں گا۔“ نصرت خان کو غصہ آگیا۔

”مذہب بھی وہی ہے جو میرا ہے۔“

اب وہ کافی طویل دعیریں ہاں میں کھڑا تھا۔

ہاں میں کچھ لوگ چاقو چیننے کی مشق کر رہے تھے۔ نصرت انہیں بڑی توجہ اور دلچسپی سے

تم اُس ایک عورت کے لئے رنجیدہ ہو۔ طاقت تمہارے لئے ہزار عورتیں مہیا کرے گی۔“

”کرے گی.... طاقت خان کرے گی ہلا.....!“ نصرت خان ہنسنے لگا۔ ”چلو میں چلتا ہوں، دیکھنے لگا۔ جنم آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ شناخت بازوں نے اس

کی مطلق پروانہ کی کہ کوئی نیا آدمی بھی وہاں موجود ہے۔ وہ بدستور چاقو چیننے میں مشغول رہے

ایک بار پھر وہ اُسی سیدان میں سفر کر رہے تھے۔

”مجھے اپنا چہرہ دکھا دو۔“ نصرت خان بولا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے نفرت کو گرفت نہ کروں گا۔“

”یہ بڑا لچک مغلظہ ہے۔“ نصرت سمجھے میزبان کی طرف مڑ کر بولا۔

”بھی حضور.....!“

”کیا میں بھی کہ کوشش کروں۔“

”ضرور..... ضرور..... کیا میں حضور کے نام کا اعلان کروں۔“

”بمیرا نام..... ضر غام ہے۔“ نصرت بولا۔ ”یہ نام دراصل اُس کے پُر اسرار دوست کا منتخب

کیا ہوا تھا۔ اُس نے اسے تاکید کر دی تھی کہ وہ اپنی اصلاحیت کسی پر بھی ظاہر نہ کرے۔“

طاقت کے نئے دوست“ سمجھے نے بلند آواز میں کہا۔ ”مسٹر ضر غام! اب اپنی مشاقی کا

نصرت خان کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ ”جاؤ... یہ پُر مسٹر رات تمہارے لئے اپنے

مظاہرہ کریں گے۔“

دوسرے لوگ ایک طرف ہٹ کرے۔ نصرت نے کشتی سے ایک چاقو اٹھا لیا۔ نارگٹ کی طرف

دیکھنے لگا۔ اس میں کئی دائرے تھے اور ان کا قطر دو اچھے تھا۔

”یلا دائرہ“ نصرت نے کہا اور دوسرے ہی لمحے میں چاقو اُس کے ہاتھ سے نکل کر نیلے

دائرے میں پوسٹ ہو گیا۔ اُس نے دوسرے چاقو اٹھا لیا۔

توڑی دی بعد، ہر دائرے میں ایک ایک چاقو پوسٹ نظر آئے لگا۔

نشانہ بازوں میں سے کئی اُسے کینہ تو ز نظر دیں دیکھ رہے تھے۔

پھر اچانک ساراہال بینڈ کی موستقی سے گونجنے لگا۔ نصرت بوكھلا کر آواز کی طرف مڑا ہاں کے

دوسرے سرے پر ایک دروازے سے نیم عربیاں انگریز لڑکوں کی ایک ٹھوار برآمد ہو رہی تھی۔

پدرہ نیم عربیاں لڑکوں کا رقص۔ نصرت کے ہاتھ سے آخری چاقو چھوٹ کر فرش پر

جاگر لڑکوں کی قطار آہستہ آہستہ اُس کی طرف بڑھتی آرہی تھی۔ نصرت پھر کے بت کی

”بھول جاؤ گے۔ اچھا لھو... میرے ساتھ چلو۔ میں تمہیں وکھاؤں جس کے کہتے ہیں

تم اُس ایک عورت کے لئے رنجیدہ ہو۔ طاقت تمہارے لئے ہزار عورتیں مہیا کرے گی۔“

”کرے گی.... طاقت خان کرے گی ہلا.....!“ نصرت خان ہنسنے لگا۔ ”چلو میں چلتا ہوں، دیکھنے لگا۔ جنم آدمی کچھ کہنا چاہتا تھا لیکن اُس نے ہاتھ اٹھا کر اُسے روک دیا۔ نشاۃ بازوں نے اس

ایک بار پھر وہ اُسی سیدان میں سفر کر رہے تھے۔

”مجھے اپنا چہرہ دکھا دو۔“ نصرت خان بولا۔ ”میں وعدہ کرتا ہوں کہ تم سے نفرت کو گرفت نہ کروں گا۔“

”میرے دوست تم مجھے دکھ پہنچا رہے ہو... اور میں اپنے کسی دوست سے اس کی نزا

نہیں رکھتا مجھے معاف کر دو۔“

”اچھا دوست....!“ نصرت خان ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”اب بھی اس کی خواہ نہیں کروں گا۔“

”شکر یہ! تم بہت اچھے ہو۔“

گاڑی پھر ایک شاندار عمارت کے سامنے رک گئی۔

نصرت خان کے پُر اسرار دوست نے کہا۔ ”جاؤ... یہ پُر مسٹر رات تمہارے لئے اپنے بازو دھو لے ہوئے ہے۔“

نصرت خان کار سے اتر کر عمارت کی کپڑائی میں داخل ہو گیا اور سیدان آگے بڑھا گا۔

نصرت خان پورچ میں پہنچ کر رک گیا۔ پھر جیسے ہی برآمدے میں پہنچنے کے لئے سیر ہیاں کرنے لگا وہ یکم ششم آدمی صدر دروازے سے اس کی طرف جھپٹے۔

”طاافت....!“ نصرت خان آہستہ سے بڑی بڑی اور وہ دونوں الٹے پاؤں پیچھے ہکتے ہوئے صدر دروازے کے ادھر اور ادھر کھڑے ہو گئے۔

نصرت خان بے دھڑک اندر گھستا چلا گیا۔ راہداری کافی طویل تھی اور اس کے دونوں طڑ

کرے تھے۔ راہداری کا اختتام ایک دروازے پر ہوا۔ دروازے کے اس طرف سامنے ہی ایک

قد آدمی جس کا سر انٹے کے چکلے کی طرح سپاٹ اور چکنا تھا کھڑا سگار پی رہا تھا۔ نصرت کو دیکھنے اُس نے سگار فرش پر پھینک کر اُسے جوتے سے ملتے ہوئے قدرے جھک کر کہا۔ ”خوش آمدید۔“

نصرت جو اسرا کو خفیف جبکش دے کر مسکرا یا۔

طرح کھڑا رہا۔ اس کا چہرہ سرخ ہو گیا تھا اور کانوں کی لویں خون اگلی معلوم ہو رہی تھی۔ لڑکیاں اُس کے گرد دائرہ بن کر ناپنے لگیں۔ لاڈا سپیکر سے موسيقی منتشر ہو رہی تھی۔

سرک کے دونوں طرف کچھ اس قسم کی جھائیاں تھیں جنہیں پار کرنا آسان کام نہیں تھا۔ بازوں اور گنجے میزبان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچانک ہال کے سارے قلعے بجھ گئے اور اندر ہیرے میں وہ کائنے دار جھائیاں تھیں اور اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اندر کی طرف ان کا پھیلاو کرتا ہو گا۔

سریلے قہقہوں اور چیزوں نے یلغار کر دی۔

حید نے جرت کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنتش دی اور وہ بھی اُس کے ساتھ اس طرح چلے گا جیسے اُسے کوئی پیچے سے دھکیل رہا ہو۔ کے گرد پندرہ حصین ترین لڑکیاں ناج رہی تھیں اور ہال میں سولہواں تنفس وہ خود تحمل نہ بازیوں اور گنجے میزبان کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اچانک ہال کے سارے قلعے بجھ گئے اور اندر ہیرے میں وہ کائنے دار جھائیاں تھیں اور اندازہ نہیں کیا جاسکتا تھا کہ اندر کی طرف ان کا پھیلاو کرتا ہو گا۔

”مجھے بتائیے۔ آخر آپ کیا کرنا چاہتے ہیں۔“ حید نے کہا۔

”تم پرواہ نہ کرو۔ ری اٹھائیے کے بعد تم یہاں سے چپ چاپ کھک جاؤ گے سمجھے۔ پھر یہاں ٹھہر نے کی ضرورت نہیں۔“

فریدی نے ایک جگہ رک کر رسی کا لچھا کھولا اور اُس کے سرے پر پھندایا۔

حید طلق سے بے تکلی آوازیں نکالتا ہوا اپنی گردن مسل رہا۔

فریدی نے مژکر اُس کی طرف دیکھنے کی زحمت نہیں گوارا کی۔ رسی کا پھندہ ایک درخت کی

ایک موٹی سی شاخ میں پڑپکھا تھا اور اب وہ رسی کو جھیکے دے کر اُس کی مضبوطی کا اندازہ کر رہا تھا۔

”آب کب ملاقات ہو گی۔“ حید نے روئینے والی آواز میں پوچھا اور فریدی کو میساختہ بھی آگئی۔

”میں بالکل مایوس ہو گیا ہوں۔“ حید مٹھنڈی سانس لے کر بولا۔

اُس نے فریدی کو رسی پر چڑھتے دیکھا اور اپنا سر کھجانے لگا۔ لیکن وہ سوچ رہا تھا کہ چلو اچھا ہی

ہوا۔ جب تک ملاقات نہ ہو، بہتر ہی ہے۔ آج کل کرنل فریدی روز ہی نت نی ہر کشیں کر رہا تھا۔

اور پھر وہ ان کا مقصد بھی نہیں بتاتا تھا۔

فریدی درخت پر بیٹھنے کا تھا۔ رسی حید کے پیروں کے پاس آگئی۔ اس نے اُسے تھہ

کر کے اٹھایا اور کیڈی میں آبیٹھا۔

انجمن اشارث کر دیئے کے بعد بھی وہ ہکوڑی دیر تک ساکت و صامت بیٹھا رہا۔ لانکہ فریدی

نے تاکید کر دی تھی کہ وہ یہاں سے فوراً چلا جائے۔ حید دراصل اسی کے متعلق سوچ رہا تھا۔ وہ

اس وقت شہر سے چالیس میل کے فاصلے پر ایک ویرانے میں تھا۔ گھر سے چلتے وقت جب فریدی

نے رسی کی فرمائش کی تھی تو صرف یہ بتایا تھا کہ ایک درخت پر چڑھتا ہو گا۔ مگر اس حماقت کا

مقصد کیا تھا؟ اُسے حید بار بار ذہن پر زور دینے کے باوجود بھی نہ سمجھ سکا۔

آخر کیڈی چل پڑی۔ سرک سنان پڑی تھی۔ اس نے حید بے کھلکھلے اُسے زیادہ سے زیادہ

چلتے رہا۔

طااقت

سردیوں کی شفاف چاندنی جنگل پر بکھری ہوئی تھی۔

کرنل فریدی نے اپنی شاندار کیڈی یلاک سرک کے نیچے اتاروی۔ نکھری ہوئی چاندنی میں سائیں کرتا ہوا جنگل بڑا پہ کشش معلوم ہو رہا تھا۔

فریدی کار سے ات کر نیچے کھڑا ہو گیا۔ پھر اُس نے پچھی نشست کی کھڑکی پر ہاتھ رکھا۔

”تم زندہ ہو یا مر گئے۔“ اس سردی میں مرنے سے بھی احتراز نہ کروں گا۔“ اندر سے آواز آئی اور یہ آواز کیہی

حید کے علاوہ اور کس کی ہو سکتی تھی۔ اس نے دروازہ کھول کر نیچے اترنے ہوئے کہا۔ ”کیا گزی؟“ دھکا دینا پڑے گا۔

”رسی نکالو۔“

”دیکھئے! اگر میں گر کر مر گیا تو تمام تر زندہ داری آپ پر ہو گی۔“ حید نے کہا۔ ”میرے ہاں اور پیر بیری طرح ٹھہر گئے ہیں اور اگر اس وقت میں نے درخت پر چڑھنے کی حماقت کی تو سہ تھت اٹھی میں پہنچ جاؤں گا۔“

”رسی نکالو...!“ فریدی جھمچلا کر بولا۔

حید نے کار سے ایک موٹی سی رسی کا لچھا نکال کر زمین پر ٹھیٹ دیا۔

”میں تمہیں درخت پر نہیں چڑھاؤں گا۔“ فریدی نے کہا اور رسی کا لچھا اٹھا کر ایک طرز پلٹنے لگا۔

رفار سے چلا رہا تھا۔

تحوڑی دیر میں وہ سب کچھ بھول گیا کیونکہ سردی کی شدت نے خود اُسی کے خیالِ مطابق اُس کی کھوپری تک مدد کر دی تھی۔

وہ جلد سے جلد شہر پہنچنا چاہتا تھا۔ سردی کی شدت کے باوجود بھی چاندنی بڑی بھلی لگ رہی تھی۔ حمید کو اس کا بھی احساس تھا..... مگر سردی وہ جیخ جیخ کر گانے لگا۔ محض اس خیال کے لئے بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ ہائی سر کل ناٹ کلب میں حمید کا داخلہ ہمیشہ اس کے لئے کسی بھی چیخنے سے جسم میں گری آتی ہے۔ حمید اچھا گا لیتا تھا لیکن اب اسے وہ کیا کرتا کہ سردی کی..... کسی پریشانی کا باعث بن جایا کرتا تھا۔ سے ہر بول کی دھن انگریزی ہوتی جا رہی تھی۔

خدادا کر کے وہ شہر پہنچا۔ راستے میں سب سے پہلے ہائی سر کل ناٹ کلب ہی ایک ایسی جگہ تھی جہاں وہ اپنے ٹھہرے جسم کو گرمی پہنچا سکتا تھا۔ اس نے کیڈی کپاؤنڈ میں کھڑی کر دی اور کلب کی عمارت میں گھس گیا۔ گیارہ فٹ پکنے کے پستان صاحب آج آپ کے چہرے پر برا سوز و گداز ہے..... آہ..... میں سمجھا..... یو فائی..... اور یہی وقت کلب کی روشنی کا تھا۔

اسے ایک بھی میز خالی نہ دکھائی دی۔ لیکن ایسا بھی کیا تھا کہ وہ وہاں سے یونہی رخص کرما ہو گیا۔ اس نے فیجر کے کمرے کا رخ کیا۔

ہائی سر کل کا فیجر اس کے خاص بکاروں میں سے تھا۔ وہ حمید کو شعر سناتا تھا۔ جب شعر نہیں سوچتے تھے تو نہیں میں مکھن لگانا شروع کر دیتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ حمید کی ناخوشی اس کے لئے ایسے لمحات لا سکتی ہے جو مسیدِ عشق پر بھی پانی کے تختے کامزہ دیں۔ وہ حمید کو اپنے آفس میں دیکھ کر گھبر اگیا۔

”آخاہ! پستان صاحب! واللہ بڑے موقعے سے تشریف لائے۔“ وہ اس کی پیشوائی کے لئے احتتا ہوا بولا۔

”بور مت کرو۔ بیٹھ جاؤ۔ وہاں کوئی میز خالی نہیں ہے۔ اس لئے میں بیٹھ کر کافی پیدا گا۔ ذرا جلدی سے کافی منگواؤ۔ خوب گرم ہوئی چاہیئے ورنہ کافی پاٹ کسی شاعر کے سر پر پھین گی۔“ حمید ایک کرسی میں گرتا ہوا بولا۔

”ضرور..... ضرور..... جتاب..... سر آنکھوں پر..... مگر اس ٹھہراویںے والی رات میں آپ تھا ہیں..... مجھے جیرت ہے..... بقول شاعر.....!“

”نہیں شاعر نہیں.... کافی جلدی کرو۔“ حمید میز پر ہاتھ مار کر بولا۔
”بھی لیجئے۔“ فیجر میز پر رکھی ہوئی گھٹتی بجانے لگا۔
اک ویٹر کمرے میں داخل ہوا اور کافی کا آرڈر لے کر چلا گیا۔

فیجر حمید کو ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھتا رہا۔ آنے والے لمحات خود اُس کی دانت میں اس کی سماں کا بھی احساس تھا..... مگر سردی وہ جیخ جیخ کر گانے لگا۔ محض اس خیال کے لئے بہتر نہیں ہو سکتے تھے۔ ہائی سر کل ناٹ کلب میں حمید کا داخلہ ہمیشہ اس کے لئے کسی بھی چیخنے سے جسم میں گری آتی ہے۔ حمید اچھا گا لیتا تھا لیکن اب اسے وہ کیا کرتا کہ سردی کی..... کسی پریشانی کا باعث بن جایا کرتا تھا۔ سے ہر بول کی دھن انگریزی ہوتی جا رہی تھی۔

”پکھ نہیں! پکھ بھی نہیں.... میں یہ سوچ رہا تھا کہ آج آپ کے انداز بڑے شاعرانہ قلم کے ہیں۔ آہ بالکل عاشق ناصراد و محبور کے لئے۔ وہ جو بھر کی سنان راتوں میں تڑپا رہا ہو۔ اور اس نے کیڈی کپاؤنڈ میں کھڑی کر دی اور کلب کی عمارت میں گھس گیا۔ گیارہ فٹ پکنے کے پستان صاحب آج آپ کے چہرے پر برا سوز و گداز ہے..... آہ..... میں سمجھا..... یو فائی..... اور یہی وقت کلب کی روشنی کا تھا۔

”تم گرنے آپ کے دل کے گلوکے کر دیئے ہیں.... بقول شاعر.....!“ حمید منہ چھائے اُسے گھورتا رہا اور پھر جیسے ہی اُس نے شعر پڑھنے کا ارادہ کیا حمید اچھل کر ہو جاتا۔ اس نے فیجر کے کمرے کا رخ کیا۔

”اگر تم نے آج مجھے ایک بھی شعر سنایا تو اس عمارت میں زلزلہ آجائے گا سمجھے۔“ میں سمجھ گیا جتاب۔“ فیجر ٹھندی سانس لے کر بولا۔ ”یقیناً آپ پر کسی ستم گرنے ظلم ہائی سر کل کا فیجر اس کے خاص بکاروں میں سے تھا۔ وہ حمید کو شعر سناتا تھا۔ جب شعر نہیں سوچتے تھے تو نہیں میں مکھن لگانا شروع کر دیتا تھا اور اس کا ایمان تھا کہ حمید کی ناخوشی اس کے ذھلیا ہے۔“

”تم گر کے چالا! بھی تک کافی نہیں آئی۔“

”اوہ..... ٹھہریے.... میں خود دیکھتا ہوں۔“ فیجر نے کہا اور انٹھ کر وہاں سے چلا گیا۔ اُس کے جانے کے چند ہی لمحوں کے بعد ایک انگو اٹھیں لڑکی آفس میں داخل ہوئی اور حمید کی طرف دیکھے بغیر مز کر دفتر کا دروازہ بند کرنے لگی۔

چور دروازہ بند کر کے اُس طرف مڑتے ہی وہ کچھ جو نکل سی پڑی۔

”فیجر کہاں ہیں۔“ اُس نے پوچھا۔

”تشریف رکھتے ہیں..... وہا بھی آتے ہیں۔“

لڑکی بیٹھ گئی۔

حید نے اس پر تفصیلی نظر ڈالی اور ہائی سرکل نائٹ کلب کے نیجر کی قسمت پر عش عش
بغیرہ رہ سکا۔ کیونکہ جس انداز میں اس نے دفتر میں داخل ہو کر دروازہ بند کیا تھا وہ اسی بات
طرف اشارہ کرتا تھا کہ نیجر سے کافی بے تکلف ہے۔
لڑکی بہت حسین اور پُر کشش تھی۔

”مجھے...!“
”جی ہاں...!“
”میں ابھی حاضر ہو۔“ حید لڑکی سے کہتا ہوا باہر نکل گیا۔ لیکن وہ ایک صاحب جنہوں نے
اُسے یاد فرمایا تھا نیجر کے علاوہ اور کون ہو سکتا تھا۔
”اس حماقت کا مطلب....!“ حید بھنا کر بولا۔
”میں صرف اتنا عرض کرنا چاہوں گا جناب کپتان صاحب کہ آپ اُس پر ہاتھ صاف کرنے
کی کوشش نہیں کریں گے۔“
”کیا وہ تمہاری محبوبہ ہے پیارے نیجر۔“

”آپ کو اس سے سروکار نہ ہونا چاہئے جناب۔“
”اگر وہ تمہاری محبوبہ ہے تو مجھے افسوس ہوا۔ تم اسکے قابل نہیں ہو۔ کیا عمر ہو گی تمہاری۔“
”آپ خواہ مخواہ بات بڑھا رہے ہیں۔“
”نہیں! میرا خیال ہے کہ تم پینتالیس کے ضرور ہو گے۔“
”کپتان صاحب۔“

”اور وہ چو میں سے زیادہ نہیں ہو گی۔ میرا دعویٰ ہے۔“
”آخر آپ چاہئے کیا ہیں۔“
”کچھ بھی نہیں۔ میں تمہارا بھلاہی چاہوں گا۔“

”آپ براہ کرم... میں یہاں ہاں میں ایک میر کا انتظام کئے دیتا ہوں۔“
”کچھ بھی ہو۔ وہ کافی میرے ساتھ چھپے گی۔ میں اُسے مددو کر چکا ہوں۔ ارے جان کیوں
تلر رہا ہے۔ کیا مجھے ذاکو سمجھتے ہو۔“

”دیکھئے میں اسے پسند نہیں کرتا۔“
”مجھے تمہاری پسند کی پرواہ نہیں۔ لیکن یہ شرود کوں گا کہ انتخاب غلط ہے۔ تم چالیس سے
اوپر ہو اس لئے کم سے کم تین سال کی محبوبہ ہونی چاہئے۔ اچھا میری عمر کے متعلق تمہارا کیا
اندازہ ہو گا۔“

”حید صاحب...!“ نیجر وانت پیس کر بولا۔ ”اتا یاد رکھئے کہ جیونٹی بھی دب کر کاٹ ہی

استھن میں کسی نے آفس کے دروازے کا پینٹل باہر سے گھمایا۔ دروازہ کھل گیا اور نیجر کو
بوکھلائی ہوئی شکل دکھائی دی۔
”اوہ ہو...!“ وہ اندر گھتا ہوا بولا اور اس طرح در میان ہی میں رک گیا جیسے پرانی کہانیوں
والے کسی شہزادے کی طرح پتھر کا ہو گیا ہو۔

”نیجر...! پیزیز یہ تمہارا انتظار کر رہی ہیں۔“ حید اسے مقنی نیز انداز میں آنکھ مار کر بولا۔
”اوہ... ہا... ہا...!“ نیجر دونوں ہاتھ پھیلا کر لڑکی کی طرف بڑھا۔
”کیا تم بہت مشغول ہو۔“ لڑکی نے اس سے پوچھا۔
”نہیں تو... بالکل نہیں۔“

لڑکی حید کی طرف دیکھنے لگی۔
”اوہ کیا میں یہاں سے اٹھ کر چلا جاؤ۔“ حید نے کہا۔
”نہیں... نہیں...!“ لڑکی مکرائی۔ ”آپ بیٹھئے... میں تو یونہی... بس چلی آلا
دہاں ہاں میں کوئی میر خالی نہیں تھی۔“
”اچھا... اچھا... میں بھی اسی اتفاق کا عکار ہوں۔“ حید نے نیجر کی طرف مڑ کر کہا
”بڑے کافی پاٹ کے لئے کہہ دو... اور تین کپ۔“

نیجر کچھ اس درجہ بوکھلایا ہوا تھا کہ میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجائے سر پٹ باہر نکل گیا
”کیا آپ میرے لئے تکلیف کر رہے ہیں۔“ لڑکی نے حید سے کہا۔
”کسی تکلیف... بھلا اس میں تکلیف کیسی۔ ایسی خطرناک سردی میں کسی کو کافی پیش کا
تکلفات میں سے نہیں ہو سکتا۔“
”اوہ شکر یہ! سردی تو واقعی بہت زیادہ ہے۔“
حید کچھ کہنے ہی والا تھا کہ ایک دیٹر نے اندر آ کر کہا۔ ”آپ کو ایک صاحب یاد فرمائے ہیں۔“

لیتے ہے۔

”اس لئے میں نے آج تک کسی چیزوں سے عشق نہیں کیا۔ تم نہیں کہتے ہو۔ اچھا...“
تینوں دیس کافی بیش گے ورنہ دوسرا صورت میں کیا فائدہ کہ تمہاری محبوہ تمہاری حالت
قہقہے لگانے پر مجبور ہو جائے۔ ہاں شابش....!“

حید نے کہا اور اس کا جواب سے بغیر وہاں سے چل دیا۔

آفس میں انگلو انڈین لڑکی ایک آرام کر سی پر یہم دراز چھٹ کی طرف دیکھ رہی تھی۔
حید نے آفس میں داخل ہو کر دروازہ بند کر لیا۔ لڑکی بدستور آرم کر سی میں پڑی رہی۔
”معاف کیجیے گا۔“ اس نے مسکرا کر کہا۔ ”میں بہت تحک گئی ہوں۔“

”اوہ! کوئی بات نہیں۔“ حید نے سخیگی اور بھولے پن کے ساتھ کہا۔
شیر بہت اچھا آدمی ہے۔ اسے کوئی اعتراض نہ ہو گا۔“

”جی ہاں....!“ لڑکی مسکرائی۔ ”ہم دونوں گھرے دوست ہیں۔“

”اوہ تب تو آپ مجھے بھی.... اپنا گھر ادوسٹ سمجھئے۔ کیونکہ شیر سے میرے تعلقات بہت
پرانے ہیں۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“

”مجھے حید کہتے ہیں۔“

”میں ڈالی ہوں۔“

”ڈالی.... واکتا حسین نام ہے۔“ حید نے کہا اور شیر کی طرف دیکھنے لگا جو دروازے میں
کھڑا ہجتوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ حید اسے آنکھ مار کر بولا۔

”یہ نام سن کر ایسا مسلوم ہوتا ہے جیسے کافوں میں چاندی کی گھنیاں نیچڑی ہوں۔ مم
سروں میں کسی نے ستار جیسی دیا ہو اور دور کسی دیرانے میں....!“

شیر پر کھانیوں کا دورہ پڑ گیا۔ لیکن لڑکی اس کی طرف دھیان دیئے بغیر بولی۔
”اوہ آپ تو شاعر معلوم ہوتے ہیں۔“

”شاعر تو وہ ہیں۔“ حید نے شیر کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ.... شیر کی شاعری۔“ لڑکی نے قہقہے لگایا۔ ”یہ مجھے اردو میں شعر سنائے اگر بیزی میں
خیال ہے۔“

اس کا ترجمہ کرتے ہیں۔ پتہ نہیں ٹھیک کرتے ہیں یا غلط میں تو غلط ہی سمجھتی ہوں۔ آپ کا کیا
خیال ہے۔“

”کوئی ترجمہ سے بغیر خیال کس طرح ظاہر کیا جاسکتا ہے۔“ حید نے کہا۔
”تم وہاں کیوں کھڑے ہو۔“ لڑکی نے شیر سے کہا۔

”کافی آرہی ہے۔“ شیر مردہ سی آواز میں بولا۔ ”اس کے چہرے پر ہوا یا ان اذری تھیں اور
وہ برسوں کا پیار نظر آنے لگا تھا۔“

حید کی صلاحیتوں سے وہ اچھی طرح واقف تھا۔ نہیں اپنے کلب ہی میں اس نے مختلف
وقات میں حید کے ساتھ مختلف لڑکیاں دیکھی تھیں۔ وہ یہ بھی جانتا تھا کہ حید تھوڑی ہی دیر
میں نہ صرف خود لڑکیوں سے بے ٹکف ہو جاتا ہے بلکہ انہیں بھی بے ٹکفی پر مجبور کر دیتا ہے۔
وہ بڑی بے دلی سے آگے بڑھا اور ایک کر سی پر ڈھیر ہو گیا۔

اتھے میں کافی بھی آگئی۔ حید نے تن کپ تیار کئے۔

”اوہ ہو....! اوقتی آپ کو بہت تکلیف ہوتی۔“ لڑکی نے کافی کا کپ لیتے ہوئے کہا۔
”کیا آپ کی دانست میں مجھے تکلیف ہوتی ہے۔“ حید نے شیر سے پوچھا۔

اُس نے کوئی جواب نہ دیا لیکن کافی کا کپ لے کر اس طرح ہوننوں سے گالیا جیسے حید کا
خون پینے جا رہا ہو۔

”ہاں.... آپ کسی شعر کے بارے میں کچھ کہہ رہی تھیں۔“ حید نے لڑکی سے کہا اور وہ
شیر کی طرف دیکھ کر ہنسنے لگی لیکن پھر جلد ہی سنجیدہ بھی ہو گئی وہ کس حد تک شیر کے جذبات کا
پاس کرتی تھی مگر اس کی وجہ حید کی سمجھ میں نہ آسکی۔ وہ سوچنے لگا کیا حقیقتاً لڑکی بھی اس کھوست
میں دلچسپی لے رہی ہے۔

لڑکی اچانک خاموش اور فکر مند ہو گئی تھی۔ اُس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا جیسے
اُسے شیر کے سلسلے میں اپنے رویے پر نداشت ہو۔ پھر کافی پینے کے دوران میں وہ ایک بار بھی
نہیں بولی اور کافی ختم کر کچنے کے بعد اٹھ گئی۔

”مجھے جلدی ہے۔“ اس نے حید سے کہا۔ ”امید ہے کہ پھر ملاقات ہو گی۔“

”ضرور.... ضرور....!“ حید نے جواب دیا لیکن اُس کے انداز میں کافی بے ٹکفی پیدا

ہو گئی۔ لڑکی کے ساتھ ہی نیجہ بھی باہر چلا گیا۔ حمید وہیں بیٹھا رہا۔ اچانک اُس کی نظر ایک ریشمی رومال پر پڑی جو اُسی آرام کرنی پڑتا تھا۔ جس پر لڑکی تھی۔ حمید نے اُسے غیر ارادی طور پر نیجہ نے اس کی طرف دیکھا تھا نہیں۔ حمید اُسے بار بار اپنے چہرے کے قریب نچانے لگتا۔ اھالیا۔ ایک لطیف سی خوبیوں کے دنای غم میں گونج کر رہے گئے۔

”میا... کیا ہے میں نے.... بتاؤ.... کیا کیا ہے میں نے۔“ حمید بھی جھنجلا گیا۔ ”آپ نے؟ خیر میں کچھ نہ کہوں گا۔ میں کچھ نہیں کہنا چاہتا۔“ نیجہ غم ناک لہجہ میں بولا۔ حمید نے جیب سے وہی سکہ نکالا اور اُسے چلکی میں لے کر میز کے گوشے کو آہستہ آہستہ دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھیں جیرت سے پھیل گئیں۔ اُس نہرے سکے پر ایک طرف ”طاقت“ تحریر تھا اور دوسری طرف ایک مہر تھی۔ بالکل اُسی قسم کی مہر جیسی سرکاری کرنی میں لکھتا نہ گا۔ نیجہ نے اُسے دیکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ اس قسم کی بے تعلق تھی جسے بنادی ہوتی ہے۔ لیکن وہ سہرا اسکے.... رائج الوقت سکوں میں سے نہیں تھا۔

بہر حال حمید کو تیقین ہو گیا کہ وہ سکہ اور رومال نیجہ کے نہیں ہو سکتے۔ حمید نے اُسے اختیاط سے اپنے کوٹ کی اندر دوئی جیب میں رکھ لیا اور رومال کو نیجہ کی نظر پیچا کر اُسی آرام کرنی پر ڈال دیا۔

جس پر سے اُسے انھیلیا گیا تھا۔ پھر اس کا ذہن اس طلاقی سکے میں الجھ کر رہا گیا.... کیا وہ اسی لڑکی کا تھا؟ رومال تو تیقیناً لڑکی کا تھا کیونکہ وہ اسے اس کے ہاتھ میں بھی دیکھ چکا تھا مگر سکھ۔ ”والی کہاں رہتی ہے۔“ وہ اچانک نیجہ سے پوچھ بیٹھا۔ ”میں نہیں جانتا۔“ نیجہ نے چیخ کر کہا۔

دفعتاً حمید سنبھیڈہ ہو گیا۔ اب وہ اس معاملے کو مذاق ہی تک محدود نہیں رکھنا چاہتا تھا۔ اُسے اس سکے کے متعلق معلومات فراہم کرنی تھیں۔ اس سکے کی مہر اسے اس معاملے میں سنبھیڈہ ہونے پر مجبور کر رہی تھی۔ یہ مہر دراصل اسی کے ملک کا سرکاری نشان تھی اور ملکی کرنی کے علاوہ سرکاری کامنزفات میں بھی استعمال ہوتی تھی اور عام آدمیوں کے لئے اس کا استعمال قطعی غیر قانونی تھا۔ ورنہ حمید یہ بھی سمجھ سکتا تھا کہ وہ لکھیے سونے کی تجارت کرنے والی کسی فرم سے تعلق رکھتی ہو گی۔

بہر حال حمید قطعی سنبھیڈہ ہو گیا۔ ”اگر میرے اس روئیے سے تمہیں تکلیف پہنچی ہو تو مجھے افسوس ہے میں صرف مذاق کے موڑ

دواراں گفتگو میں حمید نے جیب سے وہی رومال نکال لیا جو اسے آرام کرنی پر ملا تھا۔ لیکن نیجہ نے اسے غیر ارادی طور پر نیجہ نے اس کی طرف دیکھا تھا نہیں۔ حمید اُسے بار بار اپنے چہرے کے قریب نچانے لگتا۔ اھالیا۔ ایک لطیف سی خوبیوں کے دنای غم میں گونج کر رہے گئے۔

رومال کے نیچے ایک چھوٹی سی سہری نکلیے پڑی بچلی کی روشنی میں چکر رہی تھی۔ حمید نے اسے بھی اھالیا۔ اُس کا قطر قریب چونی کے برابر ضرور ہو گا اور نکلیے سونے کی تھی۔ دوسرے ہی لمحے میں حمید کی آنکھیں جیرت سے پھیل گئیں۔ اُس نہرے سکے پر ایک طرف ”طااقت“ تحریر تھا اور دوسری طرف ایک مہر تھی۔ بالکل اُسی قسم کی مہر جیسی سرکاری کرنی میں لکھتا نہ گا۔ نیجہ نے اُسے دیکھا لیکن اس کے انداز میں کچھ اس قسم کی بے تعلق تھی جسے بنادی ہوتی ہے۔ لیکن وہ سہرا اسکے.... رائج الوقت سکوں میں سے نہیں تھا۔

غیر مہذب آدمی

یہ سکھ! اس سے قبل بھی کئی بار حمید کی نظر سے گذر چکا تھا۔ اُس نے اُسے فریدی کے پاس دیکھا تھا۔ وہ اکثر فرصت کے اووقات میں کافی غور و خوض کے ساتھ اس کا جائزہ لیا کرتا تھا۔ اُس کے متعلق اس تھا کہ سہری نکلیے کسی بہت بڑے حادثہ کا پیش خیمه ہو۔

بس اتنا ہی۔ اُس کے بارے میں وہ یہی ایک جملہ کئی بار اس چکا تھا اور اس وقت اسی قسم کا ایک دوسرے اسکے دیکھ کر وہ بہت کچھ سوچنے پر مجبور ہو گیا۔ باہر قدموں کی آہٹہ ہوئی اور حمید نے سکہ اور رومال جیب میں ڈال لئے۔ آنے والا نیجہ ہی تھا ”لاحوال ولا قوۃ۔“ وہ اپنی کرنی پر بیٹھتا ہوا بڑیا۔ ”مانیڈ دیٹ مائی ڈیٹر۔“ حمید اُسے انگلی دکھاتا ہوا بولا۔ ”میں لاحوال سے بھاگنے والے شیطانوں میں سے نہیں ہوں۔“

”کپتان صاحب! میں آپ کو پانادوست سمجھتا تھا۔ آپ کے لئے خلوص رکھتا تھا۔ آپ نے میرے اعتماد کو تھیں لگائی ہے۔ بقول شاعر...!“ ”یقیناً اس وقت کا شاعر کوئی مر شیہ گو ہو گا۔ اس لئے معاف رکھو۔“

میں تھا۔ تم تو میری عہد سے واقف ہو۔ اب میں اس مسئلے پر تم سے کبھی کوئی گفتگونہ کروں گا۔”
فیجر نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کے ہوننوں پر پچھلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میں بچ کرتا ہوں یہ حکمِ مذاق تھا۔“ حمید نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تو مز

تمہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ تمہاری چڑپڑاہٹ مجھے بہت پسند ہے۔“

”تم کلرک سے اُس کا پتہ معلوم کر سکتے ہو۔“

”وہ کبھی نہ بتائے گا۔“

”اوہ سنو تو سکی۔ جب فیجر سونے کے لئے اوپر چلا جائے تو تم کلرک سے کہنا کہ فیجر نے کچھ

حمدیہ تھوڑی دیر تک بیٹھا پاس پیتا رہا۔ پھر چندر کی جملے کہتا ہوا وہاں سے انھیں گیا۔

”جیں مس ڈریا لاسک پہنچانے کے لئے کہا تھا۔ لیکن جلدی میں نہ تو تم نے نہیں اس کا پتہ پوچھا اور نہ

اُسے دراصل اُس دیش کی طالش تھی جو لڑکی کی موجودگی میں آفس میں آیا تھا۔ وہ اسے فیجر نے تایا۔ لہذا... ہاں سمجھ گئے۔“

”جی ہاں...!“ دیش نے کہا لیکن اس کے انداز میں اب بھی پچکچہت تھی۔

”ڈرو ٹھیں.... کیا تم مجھ سے واقف نہیں ہو۔“

”اچھی طرح واقف ہوں کیتنا صاحب۔“

”تم یہ جانتے ہو کہ میں فیجر کو اکثر چھیڑتارہتا ہوں۔“

”جانتا ہوں جناب۔“ دیش مسکرا لیا۔

”تم یقین رکھو! کلرک کو ذرہ برابر بھی شہر نہ ہو گا۔ اچھا میں تمہیں کپاڈ میں ملوں گا۔ میری

گاڑی پہنچاتے ہوئے۔“

”جی ہاں جناب۔“ دیش نے دس کا نوٹ جیب میں رکھتے ہوئے کہا۔

حمدیہ وہاں سے نکل کر کپاڈ میں آگیا۔ سردی پہلے سے بھی زیادہ بڑھ گئی تھی۔ وہ کیدھی میں
نہ گیا۔

اور تقریباً آدھے گھنٹے تک اُسی طرح بیٹھے رہنا پڑا۔ لیکن اسے اپنی اسکیم میں ہاکامی نہیں
بیوئی۔ دیش کیدھی کے پاس آ کر آہستہ سے بولا۔ ”تیرہ آنگن اسکوائز کو یمنس اسٹریٹ۔“

”شباش... آئندہ بھی تمہیں موقع دیا جائے گا۔“ حمید نے کہا اور کیدھی اسٹارٹ کر دی۔



صرحت خان صوفی سے انھیں کرو حشائیہ انداز میں چلا ہوا ٹیلی فون نکل گیا جس کی گھنٹی بڑی
بیسے نگہ دی تھی۔ اُس نے دانت میں کر ریسیور اٹھایا اور ماٹھ پیس میں بہت زور سے دھاڑا۔

میں تھا۔ تم تو میری عہد سے واقف ہو۔ اب میں اس مسئلے پر تم سے کبھی کوئی گفتگونہ کروں گا۔“
فیجر نے اُسے غور سے دیکھا اور اُس کے ہوننوں پر پچھلی سی مسکراہٹ پھیل گئی۔

”میں بچ کرتا ہوں یہ حکمِ مذاق تھا۔“ حمید نے دوبارہ سنجیدگی سے کہا۔ ”میں تو مز

تمہیں چڑھانا چاہتا تھا۔ تمہاری چڑپڑاہٹ مجھے بہت پسند ہے۔“

”میں بچ کرتا ہوں یہ حکمِ مذاق تھا۔“ حمید پھر ہنسنے لگا۔ اس بارہ فیجر بھی اس کا ساتھ دے رہا تھا لیکن وہ نہیں خوش دلی کی علامتوں

نہیں تھیں۔ وہ زبردستی نہ رہا تھا۔

”جیہد تھوڑی دیر تک بیٹھا پاس پیتا رہا۔ پھر چندر کی جملے کہتا ہوا وہاں سے انھیں گیا۔

”اُسے دراصل اُس دیش کی طالش تھی جو لڑکی کی موجودگی میں آفس میں آیا تھا۔ وہ اسے فیجر نے تایا۔ لہذا... ہاں سمجھ گئے۔“

”میں ایک جگہ مل گیا۔ حمید اسے اشارے سے بلا کر آگے بڑھ گیا۔

”دونوں آگے پیچے بلیرڈ روم میں داخل ہوئے۔ حمید نے جیب سے دس کا ایک نوٹ نکالا۔

”اس کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

”فرمائیے۔“ دیش نے نہایت ادب سے پوچھا۔

”یہ تمہارا الفعام ہے۔“

”ویش تھیرانہ انداز میں اس کی طرف دیکھنے لگا۔

”میں صرف تھوڑی سی معلومات چاہتا ہوں۔“ حمید بولا۔

”فرمائیے جناب۔“

”کیا وہ لڑکی کلب کی مستقل ممبر ہے جو ابھی فیجر کے آفس میں تھی۔“

”جی ہاں جناب! وہ مستقل ممبر ہیں۔“

”نام کیا ہے؟“

”مس ڈریا مورگن...!“

”کہاں رہتی ہے؟“

”یہ مجھے معلوم نہیں جناب۔ بھلا میں کسی کے گھر کا پتہ کیسے جان سکتا ہوں۔“

”تم کو شش کرو تو میرے لئے معلوم کر سکتے ہو۔“

”وہ کس طرح جناب۔ میں آپ کی خدمت کرتے ہوئے فخر محسوس کروں گا۔“

”کون ہے؟“

”چیز... چیز...!“

”دوسرا طرف سے آواز آئی۔“ ہیلو! کہا کرتے ہیں دوست...!“

”نہیں کہا کرتے۔ کیا میں کسی کاغلام ہوں۔“

”طاقت...!“

”دوسرا طرف سے آواز آئی۔“

”آہ... تم ہو دوست...!“ نصرت خان کا الجہ نرم ہو گیا۔ ”اچھا ہیلو۔“

”بہت اچھے۔ ہاں تمہیں کوئی تکلیف تو نہیں۔“

”دیکھو دوست! مجھے کوئی تکلیف نہیں۔ میں شہزادہ ہوں اور ایک شہزادے ہی کی طرح ہوں۔ لیکن تمہاری تہذیب میرے لئے تکلیف دہ ہے اور میں اتنا مہذب ہرگز نہیں بن سکتا۔ تم مجھے بنانا چاہتے ہو۔“

”نہیں دوست! تم میرے لئے اتنی سی قربانی تو کرو۔ آخر تمہارا نقصان کیا ہے اس میں۔“

”نقصان تو کچھ بھی نہیں ہے لیکن مجھے غصہ آ جاتا ہے۔ ابھی وہ دونوں گدھے آتے ہوں گے“

”کون...!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”وہی جو مجھے مصافحہ کرنے کی مشق کر رہے ہیں۔“

”ہاں مجھے اطلاع ملی ہے۔“ دوسرا طرف سے ہلکی سی بُنی کے ساتھ کہا گیا۔ ”کل تم ان میں سے ایک کا ہاتھ توڑ دیا ہے۔“

”میں کیا کرتا... بار بار... ہاتھ ملاو... یہ ٹھیک نہیں وہ ٹھیک نہیں آخر غصہ آئی۔ لیکن میں نے اس وقت بھی بیسی کہا تھا کہ آپ سے مل کر بڑی خوشی ہوئی۔“

”خیر... خیر... گھبراؤ نہیں۔ تم بہت جلد کامیاب ہو جاؤ گے۔“

”محض تمہاری خاطر دوست...!“ نصرت خان نے کہا۔ ”ورنہ... اب تک... میں“

”بچہ ہت غصہ ور ہوں۔“

”اچھا... اچھا... میں تھوڑی دیر بعد پھر تمہیں فون کروں گا اور تم جواب میں ہیلو کہو گے۔“

”اچھا بابا...!“ نصرت نے طویل سانس لے کر کہا اور رسیور کھ کر ایک صوفے میں گر جائے۔

”اویز عمر کا مرد تھا۔ چوتھا ایک خوش داور تدرست جوان۔“

نصرت خان نے بڑی پلیٹ سے مرغ مسلم اٹھا کر دونوں ہاتھوں سے اس کی نالگینی الگ کر لیں۔

”یوں نہیں۔“ ”معمر نے اسے ٹوکا۔“

”بکومت...!“ نصرت خان مرغ کی نالگینی دانتوں سے اویز تاہو اغزالی۔

معمر آدمی نے ایک طویل سانس لی اور خاموشی سے کھانے میں مشغول ہو گیا۔ اس میں اتنی بہت نہیں تھی کہ وہ نصرت خان کی خونخوار آنکھوں کی طرف دیکھ سکتا۔ نصرت خان کے ہاتھ اور دانت برابر کام کرتے رہے۔ اس نے چھری اور کانٹے کو اٹھا کر کمرے کے دوسرے سرے پر پھینک دیا تھا۔

”یہ بُری بات ہے ضر غام۔“ ”عورت بولی۔“ ہاتھ گندے ہو جاتے ہیں۔“ اور پھر دوسرے ہی

لمحے میں نصرت خان کا گندہ ہاتھ عورت کے گال پر پڑا۔ وہ کرسی سمیت دوسرا طرف الٹ گئی۔

”لبے تو کیا واقعی جانور ہے۔“ ”نوجوان دھاڑ کر کھڑا ہو گیا۔“

نصرت خان کا چھرہ سرخ ہو گیا۔ وہ خونخوار آنکھوں سے اس نوجوان کو گھور رہا تھا۔ معمر آدمی عورت کو اٹھانے لگا۔

اچانک نصرت خان نے کھانے کی میز الٹ دی۔ نوجوان اس غیر متوقع محلے کے لئے تیار نہیں تھا۔ وہ بُری سرعت سے پیچھے ہٹا لیکن دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان اس کے اوپر تھا۔

نوجوان نے بہت کوشش کی کہ اس کی گرفت سے نکل جائے لیکن ممکن نہ ہوا۔۔۔ نصرت خان اسے اپنے بازوؤں میں جکڑے ہوئے بُری طرح بھیجن رہا تھا۔

”چھوڑ دیجئے... خدا کے لئے چھوڑ دیجئے۔“ ”معمر آدمی لگو گیر آواز میں چیخا۔“

نوجوان کی آنکھیں اپنے حلقوں سے ابلی پڑ رہی تھیں۔

”ضر غام صاحب۔ آپ کو خدا کا واسط چھوڑ دیجئے۔“ ”عورت روئی ہوئی بولی۔“

اچانک نصرت خان اسے چھوڑ کر الگ ہٹ گیا۔ اور وہ کسی مردہ چھپکی کی طرح فرش پر ڈھیر ہو گیا۔



فون کی گھنٹی بجی اور نصرت خان چوک پڑا۔ وہ صوفے پر پڑا اونگھ رہا تھا۔

”یلو...!“ وہ ماڈھ پیس میں دھاڑا۔



کھانے کی میز پر چار آدمی تھے۔ ایک تو نصرت خان تھا۔ دوسرا ایک عورت تیسرا

موجہ تھنڈیب نے صرف نام دا اور بزدل بیوی اکے ہیں۔“

”اوہ..... لیکن اب تو تم خان بابا کی قید سے آزاد ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”لیکن میں اُن کے نظریے کا قاتل ہوں۔“ نصرت خان بولا۔ ”ویسے میں محسوس کر رہا ہوں کہ تم نے مجھے بہت کچھ مہذب بنا دیا ہے۔ لیکن دوست کھانے کے معاملے میں کبھی تم مجھے مہذب بیاد سرے الفاظ میں مر یعنی نہ پاؤ گے۔“

”خیر..... خیر پر واہنہ کرو۔ مجھے تم سے بڑی محبت ہے اور میں تمہاری زیادتیاں بھی برداشت کر سکتا ہوں لیکن دوست! اب بھی کسی عورت پر ہاتھ نہ اٹھانا۔“
”دیکھا جائے گا۔“ نصرت خان بولا۔



اُسی شام کو اُس عمارت کے ایک کمرے میں نصرت خان ایک خوبصورت سی انگلو اٹھین لڑکی کے ساتھ کھڑا تھا۔

”تم بہت اچھی ہو! بہت خوبصورت۔“ نصرت خان لڑکی سے کہہ رہا تھا۔ ”میں تمہیں بہت پسند کرتا ہوں۔“

”تب پھر تمہیں میرے کہنے پر چنان ہو گا۔“
”میں ناچوں گا۔“

”میں تمہیں ناچنا سکھاؤں گی۔ یہ ہماری تھنڈیب کے لئے ضروری ہے۔“

نصرت نے سر کی جبکش سے رضا مندی کا انٹھار کیا۔ گراموفون پر پہلے ہی سے مو سیقی کا ریکارڈ پڑھا ہوا تھا۔ لڑکی نے ٹرن نیمیل کو متحرک کر کے ساٹھ بکس رکھ دیا۔ کرہ مو سیقی سے گوئچے لگا۔ وہ کافی دیر تک کوشش کرتی رہی لیکن نصرت خان کے پلے کچھ بھی نہ پڑا اور لڑکی نہی طرح تھک گئی کیونکہ نصرت خان بالکل کسی نیزے باز کی طرح پیٹرے بدلتے لگتا تھا۔ وہ بار بار اسے نوئی جاری تھی۔ نصرت خان جھلا گیا۔ کچھ آلتاہٹ بھی تھی۔ لیکن لڑکی تھی کہ کسی طرح پچھا پچھوڑنے کا نام ہی نہیں لیتی تھی۔

آخر نصرت خان نے اس کے سر پر ہاتھ رکھ کر اُس کا رخ دوسری طرف کرتے ہوئے کہا
”اُس طرح کھڑی ہو جاؤ۔“

”طاقت....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”آہا.... دوست تم ہو۔“

”ہاں میں ہوں! اور بہت زیادہ مغموم....!“

”کیوں.... تم مغموم کیوں ہو۔“

”تمہاری وجہ سے تم مجھے بہت دلکھ پہنچاتے ہو۔“

”نہیں دوست....!“ نصرت خان ہنسنے لگا۔ ”ہرگز نہیں جس دن میں نے یہ محسوس کیا کہ تمہیں کوئی تکلیف پہنچا رہا ہوں اسی دن نصرت خان خود اپنے ہی ہاتھوں کتے کی موت سرجائے گا۔ خان جلال والی مقلاق کا بیٹا احسان فراموش نہیں ہو سکتا۔“

”چھپلی رات تم نے مجھے تکلیف پہنچائی ہے۔“

”اوہ.... دیکھو دوست....!“ نصرت خان نے کہا۔ ”کھانے کے معاملے میں میرا مہذب ہونا ممکن ہے جس دن میں نے مر یعنیوں کی طرح ہاتھ روک روک کر کھانا کھایا اسی دن مجھے تپ دق ہو جائے گا اور میں کتے کی موت سرجاؤں گا۔ جانوروں کی طرح کھانا کھائے بغیر بدن میں جان نہیں آتی۔ میرے اپنے نظریے کے مطابق کھانا اس طرح کھانا چاہئے جیسے ذرا بھی ہاتھ رکے کوئی دوسرے اسے جھپٹ لے جائے گا۔“

”تو تم بھی نظریات رکھتے ہو۔“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”ہاں میرے دوست....!“ نصرت خان نے انگریزی میں کہا۔

”بائیں تم انگریزی بھی بول سکتے ہو۔“

”نہ صرف انگریزی بلکہ فرانچ اور جرمی بھی۔“ نصرت خان بولا۔ ”اُن زبانوں میں لکھ پڑھ سکتا ہوں۔“

”تب.... میرے دوست مجھے حیرت ہے کہ تم مہذب نہیں بن سکتے۔“

”ہاں.... دوست.... میری تربیت ہی کچھ اس ڈھنگ سے ہوئی ہے کہ مجھ پر تعلیم کا کوئی خاص اثر نہیں پڑا۔ میں نے قلعہ مقلاق کی چہار دیواری ہی میں محدود رہ کر تعلیم حاصل کی ہے۔ تین انگریز معلم مجھے پڑھاتے تھے لیکن ان کی کڑی گرفتی ہوتی تھی۔ اگر وہ مجھے مہذب بنانے کے کوشش کرتے تو خان بابا کا کوئی اوقیان سپاہا نہیں موت کے گھاٹ اتار دیتا۔ خان بابا کا قول ہے کہ

لڑکی دوسری طرف منہ کر کے کھڑی ہو گئی۔

دفعہ نصرت خان نے اُسکی ناگلوں میں اپنا بیر پھنسا کر دھکا دیا اور وہ منہ کے بل فرش پر جا گردی
اُسکی ناک سے خون کا فوارہ جاری ہو گیا۔ وہ اتنی سخت جان بھی نہیں تھی کہ بیہوش نہ ہو جاتی۔

مُرے پھنسنے

نبرا اسکے تقریباً ایک ماہ سے حمید کی جیب میں تھا... لیکن ابھی تک اُسے اس کی غرض
غائب نہیں معلوم ہو سکی تھی۔ ذریلا سے اس نے دوستی کی اور یہ دوستی بے تکلفی کی حد تک پہنچ
گئی لیکن اُسے یہ بھی نہ معلوم ہوا کہ وہ سکے اُسی کا تھا نہیں۔

حمد اپنی ہی دھن میں تھا۔ اُس نے فریدی سے اس کے کا تذکرہ نہیں کیا۔ البتہ اُس نے
فریدی سے اس سکے کے بارے میں ضرور پوچھا تھا جو خود فریدی کے پاس تھا لیکن فریدی نے اُسے
بھی کوئی تسلی بخش جواب نہیں دیا لہذا حمید نے سوچا کہ کیوں نہ وہ خود ہی اس کے متعلق تحقیقات
کا سلسلہ جاری رکھے۔ ہو سکتا ہے کہ وہ فریدی سے پہلے ہی کامیاب ہو جائے۔

بظاہر آج کل فریدی کے پاس کوئی کیس نہیں تھا لیکن پھر بھی وہ بعض اوقات بہت زیادہ فکر
مند نظر آنے لگتا تھا ایسے حالات میں کبھی بھی وہ پہنچ اسرا ر سکے بھی اس کے ہاتھ میں ہوا کرتا تھا۔
آخر ایک دن حمید اس قصے کو چھپری ہی بیٹھا۔

”فکر نہ کرو.... کھلو.... کھاؤ.... تفریح کرو۔“ فریدی کا جواب تھا۔ ”اپنی کھوپڑی کا خون
فضول جلاتے ہو۔“

”نہیں میں آج کل کام کرنے کے موڑ میں ہوں۔“ حمید بولا۔

”مجھے جرأت ہے۔“ فریدی نے خشک سی مسکراہٹ کے ساتھ کہا۔

”چھا بھی بتا دیجئے کہ آپ ایک ماہ قبل درخت پر کیوں چڑھنے تھے اور پھر دونوں تک کہاں
رہے تھے۔“

”یہ بھی نہیں بتا سکتا۔ حفاقت تھی اور کیا کہوں۔ یہی شمحو۔“ اُس نے کہا۔

”ویسے مجھے آج کل ایک آدمی کی تلاش ہے۔“

”کس کی....؟“

”والئی مقلاق کے بیٹھے نصرت جلال کی۔“

”یہ کیا بلا ہے۔“

”وہ مقلاق کے قلعے سے گذشتہ ماہ فرار ہو گیا ہے۔“

”ہو جانے دیجئے۔ آخر آپ کو اُس کی تلاش کیوں ہے۔ مقلاق آزاد علاقہ ہے۔ ہماری
حکومت کو اُس کی فکر کیوں، ہونے لگی۔“

”والئی مقلاق نے ہم سے درخواست کی ہے کہ ہم اُس کے بیٹھے کو تلاش کرنے میں مدد دیں
اور اگر وہ درخواست نہ کرتا تب بھی حکومت کو اُس میں دچپی لینی ہی پڑتی۔“

”کیوں....؟“

”تجھیں وہ کیس تو یاد ہی ہو گا۔ ایک بازاری دوافروش کے سلسلہ میں جو جھگڑا ہوا تھا۔ کسی
نے ایک کاشتیل کو اٹھا کر اس طرح پنچا تھا کہ وہ ایک دن سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا اور پھر وہ پانچ
آدمیوں کو زخمی کر کے صاف نکل گیا تھا۔“

”ہاں وہ کیس سمجھنے یاد ہے اور پولیس حملہ آور کا پتہ لگانے میں ناکام رہی تھی۔“

”حملہ آور کا جو حلیہ بیان کیا جاتا ہے وہ والئی مقلاق کے روانہ کے ہوئے ہلے کے مطابق ہے
اوہ حادثے سے کچھ دیر پیشتر اُسی حلے کے ایک آدمی نے سلو رون ریسٹر ان میں کھانا کھایا تھا۔“

”کیا یہ ضروری ہے کہ وہاب بھی یہیں ہو۔“ حمید نے کہا۔

”یہیں.... یہ ضروری نہیں ہے۔“

”جہنم میں جائے۔ آخر آپ کیوں دردسری مول لے رہے ہیں کیا اُس کے علاوہ اور کوئی
خالی بابت ہے۔“

”خالی بابت ہے۔ بہت زیادہ خاص۔ پرسوں میں نے ایک آدمی دیکھا ہے جو خان مقلاق
کے لڑکے سے بہت مشابہ ہے گر اُسے دیکھ کر کوئی یہ نہیں کہہ سکتا کہ وہ کوئی غیر مہذب
کوہستانی ہے وہ اپنانام ضراغام بتاتا ہے۔ بیٹھل آڑن ور کس کا جزل نیجر ہے۔“

”حمد نہیں پڑا اور کافی دیر کمک نہ تارہ۔“

”کیوں اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔“ فریدی اُسے گھورنے لگا۔

”اور تم اس کا نزد کرہ کر رہے ہو۔“ فریدی ملامت آمیز لمحے میں بولا۔

”اگر آپ مجھے پہلے ہی اس کی اہمیت سمجھادیتے۔“

”اہمیت.... فی الحال اہمیت اس سے زیادہ نہیں ہے کہ سرکاری مہر کا استعمال قطعی غیر قانونی ہے.... اور....!“ فریدی کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”اوہ یہ طاقت.... یہ کیا بلایا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اس کے متعلق کچھ نہیں کہہ سکتا۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ کسی دو اخانے کا اشتہار ہے۔“ حمید مسکرا کر بولا۔ ”طاقت کسی طلاقی یا نظری گولی کا نام ہو گا۔ کیا خیال ہے۔ پہنچی کا خیال اور انوکھا طریقہ۔“

”بکواس بند کرو۔ مجھے اس لڑکی کا پتہ تباہ جس کے روایا کے نیچے جھیس یہ سکہ ملا تھا۔“

”مجھے یقین ہے کہ اسکا تعلق کسی یوتانی دو اخانے سے نہیں ہو گا کیونکہ وہ خود انگلو اٹھنے ہے۔“
”میں پتہ پوچھ رہا ہوں۔“

حمدی نے پتا بادیا۔ فریدی اسے اپنی ڈائری میں نوٹ کرنے لگا۔

”جب کوئی کیس نہیں ہوتا تو آپ زبردستی کوئی نہ کوئی کام پیدا کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ارے جناب ضروری نہیں کہ یہ شہری نکیاں آپ کے ذوق تجسس کے شایان شان ہی ثابت ہوں۔ سونا فردخت کرنے والی بہترین فرمیں اپنے سونے کو کسی خاص ٹھیک میں ڈھال کر فردخت کرتی ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ ”طاقت“ کسی خاص فرم کا ٹریڈ مارک ہو۔“

”مگر یہ سرکاری کرنی کی مہر۔“ فریدی بولا۔

”ہو سکتا ہے کہ اس فرم نے اس کے لئے حکومت سے اجازت حاصل کر لی ہو۔“

”فرموم کے امکانات پر پہلے ہی میری نظر گئی تھی اور اس سلسلے میں میں نے اچھی طرح اطمینان کر لیا ہے کہ یہ کسی تجارتی فرم کا سونا نہیں ہے۔“

”پھر یہ کیا بلایا ہے۔ خدا کے لئے کوئی نئی مصیبت نہ کمزی کیجئے گا۔ ذریا بہت زور پر خود کو کی
ہے اگر میں کبھی دیر سے پہنچتا ہوں تو بگڑ جاتی ہے اگر آپ نے اسے کسی نئے کام سے الجھایا تو
ہمتوں اس کی ٹھیک دیکھنے کو ترسوں گا۔“

”وہی لڑکی جس کا پتہ تم نے بتایا ہے۔“ فریدی نے پوچھا

”ایک ماہ قبل وہ آیا اور ایک بہت بڑے کاخانے کا جزل نمبر ہو گیا ایک کوہستانی سردار کا بار آرزن فیکٹری کا جزل نمبر۔ اس نے کبھی خواب میں بھی کوئی آرزن فیکٹری نہ دیکھی ہو گی۔“

”ہوں....!“ فریدی کچھ سوچنے لگا۔

”اور میں آج کل ایک دوسرے اوہیں بن میں ہوں۔“ حمید نے سنجیدگی سے کہا۔

”فریدی کچھ نہ بولا۔ حمید کہتا ہے۔“ کیا کر فی کی مہریں عوام بھی استعمال کر سکتے ہیں۔“

”کیا مطلب....!“ فریدی چونکر اسے گھورنے لگا۔

”مثال کے طور پر....!“ حمید اپنے کوٹ کی اندر ورنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا بولا۔“

”شہری نکیے.... اس پر کرنی کی مہر موجود ہے۔ لیکن سرکاری طور پر اسے سکہ نہیں کہا جاسکتا۔“

”تم نے میری اجازت کے بغیر....!“ فریدی اپنے کوٹ کی اندر ورنی جیب میں ہاتھ ڈالتا ہوا

بولا۔ لیکن جملہ پورا نہ کر سکا۔ غالباً وہ اسے وہی سکہ سمجھا تھا جسے وہ بہت احتیاط سے ہر وقت اپ

پاں ہی رکھا کر تاھتا۔ وہاب بھی اس کی جیب میں موجود تھا۔

”ہاں.... کہنے.... کہنے....!“ حمید بولا۔ ”کیا آپ مجھے چور سمجھتے ہیں۔“

”یہ تمہیں کہاں سے ملا....؟“

”اللہ محبب الاصباب ہے جناب۔“ حمید نے سنجیدگی سے جواب دیا۔ ”ضروری نہیں کہ...“

”نعت آپ کو عطا ہواں سے میں محروم رہ جاؤں۔“

”بکواس مت کرو....! ادھر لاؤ۔“

حمدی نے سکہ اسے دیا۔ فریدی تھوڑی دیر تک دونوں سکوں کو دیکھتا رہا پھر ایک طبلہ

سائنس لے کر بولا۔ ”دونوں میں کوئی فرق نہیں ہے۔“

”جی ہاں دونوں۔ مگر ہم دونوں میں فرق ہے۔ آپ کا سکہ کسی خبیث صورت مرد کی زبان سے تعلق رکھتا ہو گا۔“

”تمہیں یہ کہاں سے ملا۔“

”لبی داستان ہے۔“ حمید بولا۔ ”لیکن اس سکے کے مالک کے متعلق میں ابھی تک کوئی نہیں کر سکا۔“

حمدی چند لمحے خاموش رہا پھر اس نے سارا واقعہ دہرا دیا۔

پھر اُس آدمی نے بائیں طرف رکھی ہوئی تجویر کھوئی اُس میں سے چند بڑے بڑے نوٹ
نکالے اور انہیں گنٹے لگا۔
سو سو کے بیش نوٹ اُس نے ڈریلا کے سامنے رکھ دیئے۔ ڈریلا نے انہیں کاؤنٹر سے اٹھا کر
اپنے دینی بیک میں ڈال لیا اور کچھ کہے بغیر باہر نکل گئی۔

اب حید اُس کے تعاقب کا خیال ترک کر چکا تھا۔ وہ گلی سے نکل آیا۔ ڈریلا جا چکی تھی۔ وہ
سوچ رہا تھا کہ اب اسے کیا کرنا چاہئے۔ اس سنہری نکلیہ کا حیرت انگیز صرف اس کی سمجھ میں
دہ شام ہی سے ڈریلا کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت رات کے آٹھ بجے گئے تھے۔ ڈریلا آپ کا تھا۔ لیکن مقصد....؟ آخروہ تھی کیا بلہ۔

تعاقب اس کے لئے نئی بات نہیں تھی وہ اس سے دوستانہ تعلقات بھی رکھتا تھا اور اکثر اسے حید کافی دیر تک سڑک کے کنارے کھڑا خیالات میں گم رہا۔ آخر اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ
دھوکے میں ڈال کر اس کا تعاقب بھی کرتا تھا لیکن اُسے یقین تھا کہ ڈریلا اس کی دور بخی سے بھی اس سنہری نکلیہ کو اُسی طرح استعمال کرے گا جس طرح ڈریلا نے کیا تھا۔
واقف نہیں ہے.... اور اس دردسری کا باعث؟ اس انوکھے سلسلے کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔
دوسرے لمحے میں وہ جیسیں ایڈ مارش کے کاؤنٹر پر تھا۔

حید نے اُسے جیسیں مارش میں داخل ہوتے دیکھا۔ یہ ایک مشہور تمباکو فروش کپی
تھی.... وہ جانتا تھا کہ ڈریلا تمباکو سے رغبت نہیں رکھتی لیکن پھر بھی وہ اکثر وہاں جاتی رہتی
تھی۔ حید نے تھیہ کر لیا کہ وہ آج وہاں اُس کی آمد و رفت کا مقصد ضرور معلوم کرے گا۔
کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی نے کوچکی میں پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھایا چند لمحے
پر نظر جانے رہا پھر بیٹھے جھک کر تجویر کی کھوئی۔ اور.... حید کے سامنے کاؤنٹر پر سو سو کے
میں نوٹ پڑے ہوئے تھے۔
لئے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں روان چل رہا ہو گا۔

حید برادر والی گلی میں گھس گیا۔ یہاں کئی کاریں کھڑی تھیں اور جیسیں مارش کے کاؤنٹر کے
پیچے کی کھڑی کی اُسی گلی میں کھلتی تھی۔ گلی میں انہیں اتنا اور حید کاروں کے درمیان میں گھس کر بے
آسانی کاؤنٹر دیکھ سکتا تھا کیونکہ عقبی کھڑی کھلی ہوئی تھی۔
ڈریلا کاؤنٹر پر اپنادہ بنی ٹیک رکھے اُس میں کچھ علاش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کوئی چیز نکال
کر کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف بڑھا۔ حید بیکلی کی روشنی میں اُس منہجی ہی چیز کی
چک دیکھ کر کھڑی کی سے جالا۔
کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کی طرف اٹھایا۔ شام
وہ اُسے زیادہ روشنی میں دیکھنا چاہتا تھا۔

”کوئی بات نہیں۔“ حید نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ ”لکھ رہا تھا۔“
اُس نے ایک دروازے کی طرف اشارہ کیا جس پر پھولہ اور ریشمی پر دہ لٹکا ہوا تھا اور پھر اُس
نے دیوار سے لگے ہوئے سوچ بورڈ کا ایک سوچ آن کر دیا۔ پردے کے پیچے روشنی نظر آنے لگی۔

”جناب.... لیکن آپ اُسے پریشان نہیں کریں گے.... سمجھے۔“
”نہیں میں اُس سے نہیں ملوں گا۔“
”شکریہ.... میری اولادیں آپ پر قربان....!“
فریدی خاموش رہا۔

حید نے جو کچھ بھی دیکھا وہ اُسے خواب کی بات معلوم ہوئی۔

دہ شام ہی سے ڈریلا کا تعاقب کر رہا تھا اور اس وقت رات کے آٹھ بجے گئے تھے۔ ڈریلا آپ کا تھا۔ حید نے جیسیں ایڈ مارش کے علاوہ اور کیا ہو سکتا تھا۔
اس نے کوٹ کی اندر ورنی جب سے وہ سنہری اسکے نکال کر کاؤنٹر پر رکھ دیا۔
کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی نے سکے کو چنکی میں پکڑ کر اوپر کی طرف اٹھایا چند لمحے
تھی۔ حید نے تھیہ کر لیا کہ وہ آج وہاں اُس کی آمد و رفت کا مقصد ضرور معلوم کرے گا۔
آدمی نے اُسے اکثر کاؤنٹر پر بیٹھے ہوئے ایک بھدے سے آدمی سے گفتگو کرتے دیکھا تھا اس
لئے وہ یہ سوچ بھی نہیں سکتا تھا کہ دونوں میں روان چل رہا ہو گا۔

حید برادر والی گلی میں گھس گیا۔ یہاں کئی کاریں کھڑی تھیں اور جیسیں مارش کے کاؤنٹر کے
پیچے کی کھڑی کی اُسی گلی میں کھلتی تھی۔ گلی میں انہیں اتنا اور حید کاروں کے درمیان میں گھس کر بے
آسانی کاؤنٹر دیکھ سکتا تھا کیونکہ عقبی کھڑی کھلی ہوئی تھی۔
ڈریلا کاؤنٹر پر اپنادہ بنی ٹیک رکھے اُس میں کچھ علاش کر رہی تھی۔ پھر اُس نے کوئی چیز نکال
کر کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی کی طرف بڑھا۔ حید بیکلی کی روشنی میں اُس منہجی ہی چیز کی
چک دیکھ کر کھڑی کی سے جالا۔
کاؤنٹر کے پیچے بیٹھے ہوئے آدمی نے اُسے اپنے ہاتھ میں لے کر اوپر کی طرف اٹھایا۔ شام
وہ اُسے زیادہ روشنی میں دیکھنا چاہتا تھا۔

یہ ایک چکدار سنہری نکلیہ تھی۔

حمد نے پرده ہٹایا اور دوسرے کمرے میں داخل ہو گیا لیکن یہاں ایک پنگ اور بڑے علاوہ اور کچھ بھی نہ تھا۔ وہ بڑی تیزی سے مڑا مگر دروازہ بند ہو چکا تھا۔

”اسے توجیب ہی میں رکھو۔ سنہر اسکے رکھنے والے اتنے کمزور دل کے نہیں ہوتے۔“ حمید دروازہ بھی عجیب تھا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا اور پرے لکڑی کا کوئی تختہ پھسل کر نیچے آگیا ہو۔ مسکرا کر بولا۔

کمرے کے دوسرے سرے پر اسی قسم کا ایک دروازہ اور بھی تھا۔ حمید نے باری باری دونوں پر زور آزمائی کی لیکن وہ اپنی جگہ سے نہیں بھی نہیں۔

”میں تمہارا سوال ہی بھول گیا۔“

”سکہ تمہیں کہاں سے ملا تھا۔“

”تم نے یہ سوال بھی کسی اور سے بھی کیا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔

”تم اپنی بکواس جاری ہی رکھو گے۔“ اس آدمی نے دانت پیس کر کہا۔

”ہاں اور تمہیں قطعی حق حاصل نہیں کہ تم مجھ سے اس قسم کا سوال کرو۔ سمجھے۔ مجھے ہی کہا گیا ہے۔ کیوں خواہ خواہ بات بڑھاتے ہو۔“

”میں تمہیں یہاں کا پتہ تباہیا گیا تھا۔“

”ظاہر ہے.... ورنہ میں کیوں آتا۔“

”لیکن تمہاری شناخت کا کارڈ میرے فائل میں نہیں ہے۔“

”یہ میری نہیں بلکہ دوسروں کی غلطی ہے۔“ حمید نے بُر اسامنہ بتا کر کہا۔

”وہ آدمی چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔“ سکہ تمہیں کس طرح ملا تھا؟“

”پھر وہی بکواس۔“ حمید بگز گیا۔ ”میں تمہیں علم ہے کہ دوسروں کو سکہ کس طرح ملتا ہے۔“

”نہیں....!“ اس نے بے ساختہ کہا لیکن پھر کچھ پیشان سانظر آنے لگا۔

”پھر تم مجھ سے کیوں پوچھ رہے ہو۔ کیا یہ خلاف قانون نہیں ہے۔“

”ہے تو....!“ اس نے آہستہ سے کہا۔ ”لیکن کیا تم نے ایک خلاف قاعدہ حرکت نہیں کی۔“

”کیا حرکت کی ہے میں نے۔“

”مجھ سے گھٹکو کیوں کی تھی۔“ اس نے کہا۔ ”پُرانی ہنری کا تمباکو تمہیں کسی دوسری دوکان سے بھی مل سکتا تھا۔“

”یہ تو میں اپنے باپ کو بھی نہیں بتا سکتا۔“ حمید نے سنبھل کر کہا۔ ”اور تم پوچھنے والے ہوتے ہی کون ہو۔ چپ چاپ دروازہ کھول دو۔ ورنہ میں.... بہت بُر آدمی ہوں۔“

”ہاں مجھ سے غلطی ضرور ہوئی ہے لیکن یہ بات قطعی بھول گیا تھا کہ مجھے روپے لے کر چپ چاپ یہاں سے چلا جانا چاہئے تھا۔“

”مجھے اطمینان نہیں ہوا۔“ اُس نے کہا۔
 ”خیر پرداہ نہیں۔“ حمید نے لاپرواں سے کہا۔ ”تم مجھے شوق سے بند کر رکھو۔ لیکن تم اس کے لئے جوابدہ کرنی پڑے گی۔ کیونکہ آج رات مجھے ایک کام انجام دینا ہے۔“
 ”اچھا تھہرو....!“ وہ کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”میں اپنا اطمینان کئے لیتا ہوں۔“
 وہ ریوالور کا رخ حمید ہی کی طرف کے ہوئے پلٹک کے قریب آیا اور فرش تک لگتی چادر میں ہاتھ ڈال کر ایک عجیب وضع کا صندوق سا گھنچ کر باہر نکال لیا لیکن صندوق کا ڈھنکن ہی حمید کی آنکھیں کھل گئیں۔ کیونکہ اس میں ٹرانسمیٹر قسم کی کوئی چیز تھی۔ بناوٹ کے اعتبار ٹرانسمیٹر سے کچھ مختلف ضرور تھی لیکن بالکل مختلف نہیں کہی جاسکتی تھی۔

اُس آدمی نے اس کا پلٹک نکال کر دیوار سے لگے ہوئے سونچ بورڈ پر لگادیا اور پھر اُس مشین ایک ہلکی سی آواز نکلنے لگی۔ زنائے کی آواز دراصل یہ اسمیں لگی ہوئی ایک چرخی کی آواز تھی جو پھر تیزی سے گردش کر رہی تھی اتنی تیزی سے کہ چرخی کی جگہ بے رنگ سی خلاء نظر آنے لگی تھی۔ پھر اُسی صندوق سے ملی فون کے ریسیور سے ملتی جلتی ایک چیز نکالی اور اُسے ریسیور پر طرح استعمال کرنے لگا۔

”سکس تھری! اسپیلینگ سر۔“ اُس نے ماڈ تھہ پیس میں کھا اور جیسے ہی اُس کے منہ سے آنکھیں میں گردش ہوئی۔ چرخی روشن ہو گئی۔

وہ حمید کے وہاں آنے اور روپیہ وصول کرنے کی رووداد بیان کرنے لگا۔
 ”جی ہاں وہ یہاں موجود ہے۔“ اُس نے کہا۔ اس دوران میں اس کی نظر برادر حمید کی طرح تھی اور ریوالور.... اُس کا رخ تو حمید کی طرف ہوتا ہی چاہئے تھا۔

حمدی بھی اُسے بغور دیکھ رہا تھا۔ وہ اب خاموش ہو کر دوسرا طرف بولنے والے کی بات سن تھا۔ پھر اُس نے ریسیور فرش پر رکھ دیا اور مشین کے پاس سے ہٹکر حمید سے بولا۔ ”چلو بات کرو۔“

حمدید نے آگے بڑھ کر ریسیور انٹھایا۔
 ”ہیلو...!“ اُس نے ماڈ تھہ پیس میں کھل۔
 ”کیا بات ہے....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔
 ”ان حضرات کو غلط فہمی ہوئی ہے۔“ حمید نے کہا۔ ”میں نے سکھ دیا....!“

”سکھ نہیں طاقت کہو۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”تم شاکنے معلوم ہوتے ہو۔“
 ”جی ہاں.... یہی بات ہے۔ صرف ایک ہفتہ پرانا ہوں۔ اور یہی بار طاقت....!“
 ”فکر مت کرو.... اور سب نیک ہے۔ بُس اپنے کاموں میں مشغول رہو۔ اب ریسیور
 اُسے دے دو۔“
 ”بہت اچھا....!“ حمید نے کہا لیکن ریسیور اُس آدمی کو دینے کی بجائے تھوڑے توقف کے ساتھ آواز بدل کر ماڈ تھہ پیس میں بولا۔ ”لیں سر....!“
 ”تم نے ریسیور ابھی نہیں دیا اے۔“
 ”میں ہی بول رہا ہوں جناب۔“
 ”ریسیور اُسے دے دو.... تم بہت چالاک معلوم ہوتے ہو۔ مجھے خوشی ہے کہ میرے آدمی
 یوں قوف نہیں ہیں۔“
 ”ذرہ نوازی ہے جناب کی۔“ حمید نے مسکرا کر کہا اور ریسیور فرش پر ڈال کر مشین کے پاس
 سے ہٹ گیا۔

اُس آدمی نے پھر ریسیور انٹھایا لیکن اس بارہہ صرف ستارہا۔
 تھوڑی دیر بعد وہ ریوالور کا رخ حمید کی طرف کے ہوئے کہہ رہا تھا۔ ”سامنے والے دروازے کے قریب جاؤ۔ پچھے مڑ کر دیکھنے کی ضرورت نہیں۔ ورنہ خواہ مجھے ایک کارتوں خراب کرنا پڑے گا۔“
 طوعاً و کرہاً حمید نے اس کے حکم کی تعییل کی۔ اس دوران میں اُس نے کئی بار ارادہ بھی کیا کہ اُسے غافل پا کر حملہ کر دیکھنے لیکن وہ اُسے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں پاس کا تھا۔
 حمید دروازے کے قریب ایک منٹ تک اسی حالت میں کھڑا رہا تھا پھر بولا۔ ”کیوں پریشان کر رہے ہو یار۔ کب تک اس طرح کھڑا رہنا پڑے گا۔“
 کوئی جواب نہ ملے پر وہ مژا لیکن اب کمرے میں خود اس کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا رہا پھر مشین کی طرف چھپتا جو ابھی تک حرکت میں تھی۔ لیکن تیزی سے گھومنے والی چرخی کی روشنی غائب ہو چکی تھی۔ اس میں روشنی اسی وقت تک رہتی تھی جب تک کوئی بوتارہ تھا۔

”ہلول...!“ حمید نے ریسیور اٹھا کر ماؤنچ بیس میں کہا اور تیری سے گھونٹے والی چمنی پر جھوول رہا تھا جسے ہٹا کر حمید کمرے میں داخل ہوا تھا۔ روشن ہو گئی۔ حمید اسے جرت سے دیکھ رہا تھا۔

”کون... اودہ کیپشن حمید...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”پریشان ہونے کی ضرورت انے روپا لورڈ کھا کر دھمکیاں دی تھیں۔“ نہیں۔ آخر کچھ مہلت بھی دو گے یا نہیں۔ دیکھو اس چکر میں نہ پڑو۔ یہ فریدی کے بن کام۔ حمید کو دیکھ کر وہ نہایت اوب سے کھڑا ہو گیا اور اُس کی طرف پر نس ہتری کا ذہبہ بڑھاتا ہوا روگ نہیں۔ میں لیونارڈ... مسٹر کیو... اور جیرالڈ شاستری سے بہت مختلف ہوں۔ میر بولا۔“ جناب کا تمباکو۔“

معیار کے مطابق وہ معمولی چور اور اچکے تھے اور تم تو خیر کسی شمار میں نہیں ہو۔ میں فریدی کو ہم۔ حمید کے ہونٹ بچنے ہوئے تھے اور آنکھیں حلقوں سے اُبلی پڑھی تھیں۔ اس نے بائیں بچھتا ہوں۔ اسی لئے میں تم دونوں کی جان بچھی کرتا ہوں تم جیس مارٹن تمباکو فروش تھیں۔ باخھ سے ڈب لیتے ہوئے داہنے ہاتھ سے اس زور کا گھونسہ اس کے جڑے پر رسید کیا کہ وہ بچھلی خلاف کوئی ثبوت نہ مہیا کر سکو گے۔ میں تو خیر بہت دور کی چیز ہوں۔ اچھا ہب اس مشین سے کروپارے ٹکرا کر زمین پر ڈھیر ہو گیا۔

کم پائچ قدم کے فاصلے پر ضرور ہٹ جاؤ درستہ اپنی موت کے خوذ مہ دار ہو گے۔ میر امام طاقت ”دوڑو پھاؤ۔“ وہ فرش سے اٹھتا ہوا چینج۔ ”مار ڈالا... مار ڈالا۔“

حمد کا تمباکو پر دونوں ہاتھ ملک کر دوسری طرف کو دچکا تھا۔ اس نے اپنے شکار کو فرش سے ہے۔ میرے نئے پیچے فریدی کو مطلع کر دینا۔“ حمید نے بوکلا کر ریسیور فرش پر چینک دیا اور دو ہی تین جستوں میں دیوار سے جانکا۔ میں انہیں اٹھ دیا اور اس کی چینیں؟ وہ کسی طرح بھی نہ رک سکیں۔ راگبروں اور پڑو سیوں کا ایک جم غیر دوکان میں گھس آیا۔

”خندار...!“ حمید گرد جلد۔ ”اگر کوئی بھی قریب آیا تو اُسے بھی جیل کی شکل دیکھنی پڑے گی۔“

وہ ایک پولیس کا نیشبل بھی اندر گھس آئے تھے۔

”انہیں باہر نکال دو۔“ حمید نے کاٹنیبلوں کی طرف دیکھ کر مجھ کی طرف اشارہ کیا۔

شہر کی فورس کا شاکنہ ہی کوئی ایسا آدمی ہو جو حمید کو نہ پہچانتا رہا ہو۔

”بाहر جائیے... باہر جائیے۔“ کاٹنیبلوں نے مجھ کی طرف دیکھتے ہوئے کہا۔

ادھر حمید اپنے شکار کو گریبان سے پکڑ کر دوبارہ اٹھا چکا تھا۔

”آپ... آپ... میرا... میرا... تو... بتائیے۔“ وہ بُری طرح ہانپ رہا تھا۔

حمد نے اُسے کرسی میں دھکا دے دیا۔

پھر اس نے کاٹنیبل سے کہا۔ ”تم میں سے ایک باہر ٹھہرے گا اور تم اندر دروازہ بند کر دو۔“

لوگوں کو باہر نکلوادیئے کے بعد حمید نے دروازہ اندر سے بند کر دیا۔ ایک کاٹنیبل اندر ہی رہ گیا۔

”آپ کیا کر رہے ہیں۔“ اُس آدمی نے خوفزدہ لمحے میں کہا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ حمید فون کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”ابھی دیکھوں گا کہ تم لوگ

بے بُسی

حمد جرت سے منہ کھولے مشین کی طرف دیکھ رہا تھا۔ جس کی چمنی کی گردش کی رفتار پہلے سے بھی زیادہ تیر ہو گئی تھی۔ اس میں سے نکلنے والی تیر قسم کی روشنی آنکھوں کے لئے ناقابل برداشت ہوتی جا رہی تھی پھر اچانک اُسی چمنی سے ایک شعلہ ساپکا اور پوری مشین جلنے لگی۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی نے اُسے پڑوں میں ڈیو کر آگ لگادی ہو۔

پھر اس کا پلگ خود بخود سونچ بورڈ سے نکل کر فرش پر آ رہا۔

پندرہ میٹ کے اندر ہی اندر مشین را کھا کاڑھ ڈھیر ہو گئی۔

نہ جانے کیوں حمید اس وقت ذاتی طور پر مفلوج سا ہو کر رہ گیا تھا۔ وہ چند لمحے را کھا کے ڈھیر کی طرف دیکھتا رہا پھر اس کی نظر اس دروازے کی طرف اٹھ گئی جس سے وہ کمرے میں داخل ہوا تھا۔ اس کے قدم غیر ارادی طور پر دروازے کی جانب اٹھنے لگے۔ دروازے میں اب صرف دی

کتنے چالاک ہو۔“

”مت بکو“

”ارے تو کیا میں جھوٹ کہہ رہا ہوں۔ یہ دیکھتے دو ہزار کے نوٹ۔“ حمید نے کہتے ہوئے اپنے کوٹ کی اندر ورنی جیب میں باٹھ ڈال دیا۔

اور وہ منظر بڑا دلچسپ تھا جب وہ بوکھلا بول کھلا کر یکے بعد دیگرے اپنی ساری حصیں ٹھوٹ رہا تھا اور اسکی پیشانی سے پسینے کی بوندیں اس طرح بہری تھیں جیسے کہیں سے بارش میں بھیگ کر آیا ہے۔ اب وہ دو ہزار کے نوٹ بھی اس کے پاس نہیں تھے۔

حمدید نے جھپٹ کر اُس آدمی کے سر پر دھکھو رسید کر دیا اور وہ بلبا اٹھا۔

”خدا کی قسم یہ ظلم ہے۔ سراسر ظلم۔ جرم بھی نہیں بتاتے اور خواہ مخواہ مارے جاتے ہیں۔“ ”حمدید....!“ فریدی نے ڈانتا۔

حمدید خون کے گھونٹ پی کر رہا گیا۔ ایسے موقع پر ٹھنڈا اپنی بھی کہیں آس پاس موجود نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ وہ خون کے گھونٹ پیتے کے بجائے اسی سے شغل کرتا۔

فریدی چند لمحے کھڑا کچھ سوچتا ہا پھر حمید کو الگ لے جا کر آہستہ سے بولا۔ ”بات تو بگری چکی ہے۔ اب کچھ کرنا چاہئے۔“

حمدید کو اُس سے اتنی نرمی کی توقع نہیں تھی اس لئے وہ خلوص دل سے ہدہ تن گوش نہیں بلکہ خرگوش ہو گیا۔

”اے اسی وقت اور اسی حالت میں گرفتار کر لینا چاہیے۔ ورنہ حالات تمہارے سامنے ہن ہیں۔ ہو سکتا ہے کہ تمہارے اس اقدام کا ہم دونوں ہی پر کوئی نہ اثر پڑے۔ باہر بھیز بڑھتی ہی جا رہی ہے۔ میں یہاں سے مسٹر شرما مجسٹریٹ کو فون کرتا ہوں۔ تم باہر ان کا انتظار کرو۔ جیسے ہی وہ آئیں ان سے دس دس کے تین نوٹوں پر ان کے دستخط لے لینا... اور میں اپنی بلکہ فورس کے تین آدمیوں کو بھی رنگ کروں گا۔ وہ بھی جلد ہی یہاں پہنچ جائیں گے۔“

”لیکن.... اسکیم کیا ہے۔“ حمید نے پوچھا۔

”اے غیر ملکی تمباکو کی بلیک مارکینگ کے الزام میں پکڑیں گے۔“

”آپ تلاشی کیوں نہیں لیتے.... وہ سکے....!“

”پھر وہی بکواس۔“ فریدی بگزگیا۔ ”اس قسم کا کوئی ثبوت تم فراہم نہ کر سکو گے۔ سمجھے!

دوسرے لمحے میں وہ فریدی کے نمبر ڈائل کر رہا تھا سب سے پہلے اس نے گھری فوار مناسب سمجھا۔ اسے توقع نہیں تھی کہ وہ پہلی ہی کوشش میں فریدی سے رابطہ قائم کرنا کامیاب ہو جائے گا۔ ویسے اگر وہ گھر پر نہ ملتا تو کسی نہ کسی دوسرے ٹھنکانے پر ضرور مل جاتا۔ لیکن یہ بھیاتفاق ہی تھا کہ فریدی گھری مل گیا۔ حمید نے اُسے یہاں بلالنے کے لئے وہ شہرے سکے کا خوالہ دینا کافی سمجھا۔

پھر وہ وہیں ٹھہر کر فریدی کا انتظار کرتا رہا۔ یہ سب کچھ ہوا لیکن حقیقت تو یہ تھی کہ بھی حمید کی کھوپڑی میں برف ہی جمی ہوئی تھی۔ اُس نے ایک بار بھی اس کمرے کی طرف، ہمیں دیا جس میں کچھ دیر قبل مقید رہ چکا تھا۔

فریدی ٹھیک پندرہ منٹ بعد وہاں پہنچ گیا۔ اُس نے حمید سے پوری رووداد سنی اور بڑی جھلا گیا۔ وہ اس وقت صحیح معنوں میں برافروختہ نظر آ رہا تھا۔

”کیا اب تم نے مجھے یہاں جھک مارنے کے لئے بلا یا ہے۔“ ”کیوں! ارے جناب۔ میں تقریباً ایک گھنٹے تک اس کمرے میں قید رہا ہوں۔“ جب کمرے کی طرف اشارہ کیا۔

دوكاندار ارب بھی کاؤنٹر کے پیچے خاموش بیٹھا ان کی حرکتوں کو حیرت سے دیکھ رہا تھا۔ حمید کبھی کبھی سانکھیوں سے اس کی طرف دیکھتا اور دل ہی دل میں تاؤ کھا کر رہا جاتا۔ رہا تھا کہ کہیں اللئی آشیق گلے نہ پڑیں۔ اُس جیسا ایکثیر آج تک اس کی نظر وہ سے نہیں گزنا۔

فریدی نے پردہ ہٹا کر دوسرے کمرے میں جھاناک۔ اتفاقاً حمید کی نظر بھی اور ہر ہی انہیں کی راکھ۔ ان کی بجائے اب وہاں لکڑی کے صندوقوں کے ڈھیر نظر آ رہے تھے بال معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ کمرہ سالہا سال سے بھیت گودام استعمال کیا جاتا رہا۔ ”کیا تم اسی کمرے کی بات کر رہے ہے۔“ فریدی قہر آکو دانداز میں حمید کی طرف پڑا۔ ”اب میں کیا تباہیں۔ میں بالکل گدھا ہوں۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔ ”میں یہاں تھا اور اس سب کچھ ہوتا رہا۔“

قطعی... نا ممکن ہے.... وقت نہ بر باد کرو۔
حیدر دوازہ کھول کر باہر نکل گیا۔

”میا... اُس کے پاس کوئی سکھے تھا۔“ ذریلانے پوچھا۔
”ہاں! اُس نے اُسے جیس مارٹن کے بیہاں کیش کرانے کی کوشش کی تھی۔“
”بے تو پھر وہ میر ایک گشیدہ سکھے ہو گا۔ میر ایک سکھ گم ہو گیا تھا۔“ میں نے اس کی روپورث
بیٹے کو اڑ کو بھی دے دی تھی۔ کیپشن حیدر میر ادوسٹ ہے لیکن یہ مجھے اسی وقت معلوم ہوا ہے کہ
”میری نادانشگی میں بھی مجھ پر نظر رکھتا ہے۔“

”اس کی پرواہ نہ کرو۔ سکے مجھے دے دو اور وہ رقم بھی جو تمہیں جیس مارٹن سے ملی ہے۔“
ذریلانے مطلوبہ چیزیں اپنے وینچی بیک سے نکال کر میز پر ڈال دیں۔
”فی الحال اسے اپنے پاس رکھو۔“ فیجر نے پانچ بڑے نوٹ میز ہی پر پڑے رہنے دیے اور نیتہ
نوٹ سکوں سمیت دراز میں ڈال دیے۔

”اور تم...!“ وہ تھوڑی دری بعد بولا۔ ”کیپشن حیدر سے برابر ملتی رہو گی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ
اب تم سے کترنا شروع کر دے لیکن تم اس سے زبردستی ملوگی اس کی رہائش گاہ پر جاؤ گی۔ فریدی
سے بھی تعلقات پیدا کرو۔ اس پر یہ بات ظاہر کرو کہ تم اپنے متعلق اس کے شہے سے واقع
ہوتے ہوئے بھی اس سے ذرا برابر خاکہ نہیں ہو۔“

ذریلانے حیرت سے دیکھتی رہی۔ اُسے ابکی آنکھیں حد درجہ خوفناک معلوم ہو رہی تھیں۔



نصرت خان باہر سے آیا تھا۔ نوکرنے اُسے اور کوٹ اتار نے میں مدد دی اور پھر اور کوٹ
اور قلعتہ ہیٹ لے کر دوسرے کمرے میں چلا گیا۔

نصرت خان نے ایک طویل انگوٹی لے کر گھری کی طرف دیکھا۔ رات کے سارے گیارہ
بجے تھے۔

وہ خواب گاہ کی طرف چل پڑا۔ بیہاں شاہد فون کی گھنٹی پہلے ہی سے بج رہی تھی۔ نصرت
خان کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ اب صرف سوتا چاہتا تھا۔

”یہلو...!“ وہ ریسیور انٹھا کر غرایا۔

”غمزام...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔

”اوو... تم ہو دوست...!“ نصرت مسکریا۔

کیسے پہنچا۔

ذریلا مورگن لبے لبے قدم رکھتی ہوئی گلی پار کر رہی تھی۔ گلی کے سرے پر پہنچ کر وہ چڑھنے کے لئے رکی اور پھر آگے بڑھ گئی۔

جب وہ ان گلیوں سے گذر رہی تھی تو کوئی اس کے ہاتھ میں کاغذ کا ایک پر زدہ دے کر ایک
دوسری گلی میں عائب ہو گیا تھا۔ یہ اُس کے لئے کوئی نئی بات نہیں تھی اس قسم کے پر زدے از
طرح اسے سینکڑوں باریل چکے تھے اور وہ اس کے مقصد سے اچھی طرح واقع تھی۔ اس نے
ایک جگہ رک کر پر زدے پر نظر ڈالی۔ اس پر صرف ”کیفے نہ را کا“ تحریر تھا۔

کیفے نہ را کا پہنچنے میں تین منٹ صرف ہوئے۔
وہ سید علی فیجر کے کیمین میں چل گئی۔

”طاقت...!“ اُس نے فیجر کی طرف دیکھ کر کہا۔

نیجہ اُس پر ایک اچھتی سی نظر ڈال کر مسکریا اور آہستہ سے بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

ذریلانے بیٹھنے والے وقت اپناوٹی بیک فیجر کی میز پر رکھ دیا۔

”آئندہ سے تمہیں بیک سے کیش ملے گا۔ تمہارے پاس گل کنتے سکے ہیں۔“

”صرف دو...!“

”مگر پر ہیں۔“

”نہیں میں انہیں بیٹھ اپنے ساتھ ہی رکھتی ہوں۔“

”لااؤ! مجھے دو! اور فی الحال رقم اتنی ہی اپنے پاس رکھو جتنی ضروری ہو۔“

”میں نہیں کہتا۔“

”بیہاں سے ابھی تم نے کیش لیا تھا۔ وہاں تمہاری ہی وجہ سے پولیس پہنچ گئی ہے۔“

”میری وجہ سے۔“ ذریلانے ساختہ چونک پڑی۔

”ہاں... آں... کیپشن حیدر تمہارا تعاقب کر رہا تھا۔ کیا تم بتا سکتی ہو کہ سکھ اُس کے باتا

کیسے پہنچا۔“

”ہاں میں ہی ہوں۔ دیکھو! سکس تھری کو پولیس لے گئی ہے۔“

”کیوں.... کس طرح۔“

”تمباکو کی بلکہ مارکینگ کا الزام ہے۔“

”اوہ.... تب پھر فکر کی کیا بات ہے۔“ نصرت نے لاپرداں سے کہا۔

”الزام فرضی ہے۔ حقیقت کچھ اور ہے۔“

”تو بتاؤنا.... دوست....!“ نصرت جھنجلا گیا۔

”فریدی کو کہیں سے طاقت کا سکہ مل گیا ہے اور وہ اس کے پیچے ہے۔“

”سکس تھری...!“ نصرت اپنی یادداشت پر زور دیتا ہوا بولا۔ ”وہ تو شانکہ ہمارا ایک بینک ہے۔“

”ٹھیک ہے۔ کیچھیں حمید آج ایک ایسی لڑکی کا تعاقب کر رہا تھا جسے سکے کیش کرانا تھا۔“

”میں سمجھا۔ کیا تم اس کے لئے پریشان ہو۔“

”نہیں! قطعی نہیں۔ ہمارے گرد فولاد کی دیواریں ہیں۔ تم طاقت کو کیا سمجھتے ہو۔ اس ملک اصلی حکمران وہی ہے۔“

”میں ابھی تھیں اچھی طرح نہیں سمجھ سکا۔“

”مجھے سمجھنے کی کوشش کا دوسرا نام وقت کی بربادی ہے۔ سمجھے ضر غام۔“

”ہاں اتنا تو سمجھتا ہوں۔“ نصرت تھلا ہونت چبا کر بولا۔ ”پہلے تم میرے دوست تھے۔ یا۔ بددوسرا کام۔“

وقت کی بات ہے جب میں غیر مہذب تھا اس وقت تم مجھ پر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے آپ ”ضر غام.... تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔“ تم نے فریدی کا صرف نام نہیں۔ اسے آہستہ سمجھے مہذب بنایا اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ تمہارا غلام ہمارا ہنا پڑے گا۔“

”دیکھا نہیں ہے۔ دیکھنے کے بعد بھی تم اس کی صلاحیتوں کا صحیح اندازہ نہیں کر پا گے۔“

”غلام....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب بھی بہر۔“ دوست بس خاموش رہو۔ ”نصرت خان غریبا۔“ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی وقت اسے دوست ہو۔ حکمران تو حکومت نہیں کرتا۔ درحقیقت عمان حکومت اس کے دوستوں ہی۔ تلاش کر کے قتل کر دوں۔“

ہاتھ میں ہوتی ہے۔ نہیں دوست! تم میرے متعلق ایسا نہیں سوچ سکتے۔“ ”تجہاری غصیلی آواز مجھے خیر چھوڑو۔... کام کی بات کرو۔“ نصرت بولا۔

مہت پیاری لگتی ہے۔ اس لئے چھیڑ چھیڑ کر غصہ دلاتا ہوں۔ فریدی تمہارا ایک گھونسہ بھی ”دعاشت نہ کر سکے گا۔“ میں جانتا ہوں کہ اس کی موت ہی تھیں بہاں لائی ہے، لیکن دوست بہت ”زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔“ نہیں فریدی سے ہوشیار ہی چاہئے۔ اسے خان جلال کے لڑکے کی تلاش ہے۔“

”فریدی کا تند کرہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ لیکن میں نے اسے آج تک ”لڑکے“ لیا۔“ زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔ سمجھے! اگر تم نے پہلے اسے قتل کر دیا تو پھر کام میں خاک دیکھا۔ بس ایک بار مجھے معلوم ہو جائے کہ فریدی کون ہے۔“

کیا تم نے اسے ابھی تک نہیں دیکھا۔“

”نہیں۔ میں نے نہیں دیکھا۔“

”حالانکہ وہ تم سے کئی بار مل چکا ہے۔ اُسے شبہ ہے کہ تم نصرت خان ہی ہو۔“

”مجھے کسی نے یہ نہیں بتایا کہ میں فریدی سے مل چکا ہوں۔“

”کل تمہیں معلوم ہو جائے گا۔ کل نیا گراہو میں وہ بھی ہو گا۔“

”مجھے کون بتائے گا۔ کیا تم بھی وہاں موجود ہو گے۔“

”نہیں.... میں وہاں نہیں جاؤں گا۔“

”پھر مجھے کون بتائے گا....!“

”طااقت کا کوئی دوست....!“

”اچھا تو میں کل ہی اُسے بھی دیکھ لوں گا۔“

”نہیں! قطعی نہیں۔ ہمارے گرد فولاد کی دیواریں ہیں۔ تم طاقت کو کیا سمجھتے ہو۔ اس ملک اصلی حکمران وہی ہے۔“

”اوہ.... تو اس کا یہ مطلب ہوا کہ مجھے یہ ضرور سوچنا پڑے گا کہ میں یہاں کم از کم ایک ایسا سے ضرور خائن ہوں۔ نہیں دوست! میں یہ ذلت نہیں گوارا کر سکتا۔ پہلے فریدی اس کے

”ہاں اتنا تو سمجھتا ہوں۔“ نصرت تھلا ہونت چبا کر بولا۔ ”پہلے تم میرے دوست تھے۔ یا۔ بددوسرا کام۔“

وقت کی بات ہے جب میں غیر مہذب تھا اس وقت تم مجھ پر حکومت نہیں کر سکتے تھے۔ تم نے آپ ”ضر غام.... تم وہی کرو گے جو میں کہہ رہا ہوں۔“

”آہستہ سمجھے مہذب بنایا اور اب میں محسوس کرتا ہوں کہ مجھے ہمیشہ تمہارا غلام ہمارا ہنا پڑے گا۔“

”غلام....!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”یہ تم کیا کہہ رہے ہو۔ تم اب بھی بہر۔“ دوست بس خاموش رہو۔ ”نصرت خان غریبا۔“ کیا تم چاہتے ہو کہ میں اسی وقت اسے دوست ہو۔ حکمران تو حکومت نہیں کرتا۔ درحقیقت عمان حکومت اس کے دوستوں ہی۔ تلاش کر کے قتل کر دوں۔“

”اوہ! تم پھر غلط سمجھے۔“ دوسری طرف سے ہنسنے کی آواز آئی۔ ”تجہاری غصیلی آواز مجھے

”بہت بیماری لگتی ہے۔ اس لئے چھیڑ چھیڑ کر غصہ دلاتا ہوں۔“ فریدی تمہارا ایک گھونسہ بھی

”خیر چھوڑو۔... کام کی بات کرو۔“ نصرت بولا۔

”میں جانتا ہوں کہ اس کی موت ہی تھیں بہاں لائی ہے، لیکن دوست بہت

”زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔“ نہیں فریدی سے ہوشیار ہی چاہئے۔ اسے خان جلال کے لڑکے کی تلاش ہے۔“

”فریدی کا تند کرہ سنتے سنتے میرے کان پک گئے ہیں۔ لیکن میں نے اسے آج تک ”لڑکے“ لیا۔“ زیادہ ضروری کام پہلے ہونے چاہئیں۔ سمجھے! اگر تم نے پہلے اسے قتل کر دیا تو پھر کام میں خاک دیکھا۔ بس ایک بار مجھے معلوم ہو جائے کہ فریدی کون ہے۔“

اپنی ہی بونیاں نوچتا پھرے... کیا سمجھے۔

”ہوں.... میں سمجھ گیا۔“

”اچھا تو پھر یہی ہو گانا...!“

”بالکل یہی ہو گا۔“

”وہاں تمہارے مدگار بھی ہوں گے۔“

”مجھے کسی مدگار کی ضرورت نہیں۔ اچھا بس اب ختم کرو مجھے نیند آرہی ہے۔“ نصردار نے کہا اور جواب کا انتظار کئے بغیر سلسلہ منقطع کر دیا۔

حملہ اور تدارک

فریدی کمرے میں ٹہل رہا تھا۔ اس کے چہرے پر نہ تو غور و غفر کے آہا تھے جنگلہاہت ہی کے۔ قریب ہی حمید آرام کر سی میں پڑا ہوا پاپک پی رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد کر بولا۔ ”ہو سکتا ہے کہ وہ میں فون کا کوئی نیا سشم ہو۔ ایسا جس کے ایک پیچھے یا مرکزی اڑ بولنے والوں کی تصویریں بھی دکھائی دیتی ہوں۔ یہی بات ہو سکتی ہے ورنہ وہ مشین جر متعلق تم بتاتے ہو کم از کم میری معلومات کے ذخیرے کے لئے تو ایک نئی ہی چیز ہے۔“ بھی اس کا اندازہ ہو جاتا ہے کہ دوسرا طرف سے بولنے والے نہ صرف تمہارا نام۔ مقاطب کیا بلکہ میرا حوالہ بھی دیا تھا۔

”کچھ بھی ہو، مجھ سے بڑی غلطی ہوئی۔“ حمید بڑا یا۔

”پرواہ مت کرو۔“ فریدی مسکرا یا۔ ”بھی کبھی تمہاری غلطیاں بھی میرے لئے بہت ثابت ہوتی ہیں۔ لیکن اب تم اس لڑکی ڈریلا سے ہوشیار رہنا۔“

”اگر وہ کبھی نظر آئی تبا۔“

”ضرور نظر آئے گی۔ اس گروہ کا طریق کار نیا اور چونکا دینے والا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ سر برہ حقیقتاً لوٹری ہو۔ ہو سکتا ہے شیر سے بھی زیادہ ثابت ہو۔ جیس مارشن والے آدمی بھی کہتا ہے کہ ڈریلا اپنی جگہ پر بدستور رہے گی۔“

”اگر ایسا ہوا تو پھر آپ دیکھنے گا۔“

”جلد بازی کی ضرورت نہیں۔ ابھی تو ہمیں یہ دیکھنا پڑے گا کہ یہ گروہ چاہتا کیا ہے۔“

”بہر حال یہ ماننا پڑے گا کہ اس کی تنظیم بڑی زبردست ہے۔“

”ہاں.... آں....!“

کچھ دیر کے لئے پھر خاموشی ہو گئی۔

اب فریدی میز کے گوشے سے نکل کر گار سلگا رہا تھا۔

”لیکن آپ نے اُس آدمی کو کچلنے کے لئے بیک مارکینگ کا کیس کیوں بنایا تھا۔“ حمید نے پوچھا۔ ”ویسے آپ اپنے مخصوص اجازت نامہ کو بھی کام میں لاسکتے تھے۔ اس کے تحت آپ کسی کو بھی گرفتاری کی وجہ بتائے بغیر حرast میں لے سکتے ہیں۔“

”میں فی الحال اس معاملے کو اتنا ہم نہیں سمجھتا کہ مخصوص اختیارات سے کام لوں۔“

”آج.... چھا....!“ حمید نے جلے ہوئے پاپک کی راکھ ایش مرے میں الٹ کر ایک طویل اگڑا آئی لی اور بولا۔ ”اُس نامعلوم آدمی کا چیلنج....!“

”چھوڑو....!“ فریدی بُر اسامنہ بن کر بولا۔ ”اُس نے شاید جاؤسی ناول بہت زیادہ پڑھے ہیں۔“

”خیر.... آپ اسے اس طرح ناال رہے ہیں.... لیکن.... میں....!“

”تم بھی صبر کرو۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔

”حمد نے کچھ کہنے کے لئے ٹھنڈی سانس بھری لیکن اس کا دوار خالی گیا کیونکہ ٹھیک اسی وقت ایک نوکرنے کرنے میں داخل ہو کر کسی کا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھا دیا۔“

”ہائیں....!“ حمید کی آنکھیں حیرت سے کچھی رہ گئیں اور اُس نے وہ کارڈ فریدی کے ہاتھ پر کھکھ دیا۔

”ڈریلا مور گن....!“ فریدی اپنے مخصوص انداز میں سکرا یا۔ تو کر جا چکا تھا۔ فریدی نے کچھ دیر بعد کہا۔ ”تھی تھی یہ لوگ کوئی جاؤسی ناول اٹھ کر رہے ہیں۔ اچھا تم یہیں مہبہ رو۔ کم از کم پندرہ منٹ بعد تم ڈرائیگ روم میں آئا۔“

”ہائیں پندرہ منٹ بعد۔“ حمید اپنی کھوپڑی سہلاتا ہوا بولا۔ ”پندرہ منٹ بعد وہاں باقی کیا پہنچ گا۔“

”شٹ اپ....!“ فریدی اُسے کر سی میں دھکا دیتا ہوا بولا اور کمرے سے نکل آیا۔

ڈریلا ڈرائیگ روم میں حمید کی منتظر تھی۔ لیکن دروازے میں سے ایک ایسا آدمی نظر آیا۔

جس سے آنکھیں ملاتا کم از کم اُس کے بس کاروگ تو نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ اُس نے اس سے پہلے فریدی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

”شاید وہ منٹ اور بیٹھنا پڑے آپ کو۔“ فریدی بولا۔

”اوہ.... تب تو میں معافی چاہتی ہوں۔“ ڈریلا اٹھتی ہوئی بولی۔ ”آپ ان سے کہے گا کہ تج شام چھ بجے میرے گھر ضرور آئیں۔“

”بہتر ہے۔“ فریدی طویل سانس لے کر بولا۔ ”ویسے اگر آپ بیٹھتیں تو مجھے خوشی ہوتی۔“

”پھر بھی.... ضرور.... ملاقات ہو گی۔“

فریدی اُس کے ساتھ برآمدے تک آیا۔ پھر وہ پورچ میں اتر گئی۔ فریدی اسے جاتے دیکھتا رہا۔ حمید کہیں قریب ہی موجود تھا جیسے ہی وہ نظر وہی سے او جھل ہوئی وہ فریدی کے قریب آگیا۔

”بہت خوبصورت....!“ فریدی بڑا ہاتھ ہوا حمید کی طرف مڑا۔

”میں... کیا آپ نے کچھ کہا ہے.... یا میرا وہی ہے۔“ حمید بوکھلا کر بولا۔

”نہیں واقعی وہ بہت ولکش ہے۔“

”خدا میرے بال بچوں کی مغفرت کرے۔“ حمید اپناسر سہلانے لگا۔

”مگر وہ چلی گئی۔“ فریدی نے مایوسانہ انداز میں کہا۔

حمدی چند لمحے نیچے سے اپر تک اسکا جائزہ لیتا رہا پھر بولا۔ ”کیا آپ بمقام کے موذ میں ہیں۔“

”نہیں میں شنیدہ ہوں۔“

”خدابس کے دن پھیرے۔“ حمید نے ٹھنڈی سانس لے کر کہا۔

”خیر.... ہاں آج شام نیا گرامیں ڈزر ہے۔ مقامی تاجر وہی نے وزیر تجارت کو دعوت دی

ہے۔ ہم دونوں بھی معززین شہر کی حیثیت سے مدعو کئے گئے ہیں۔“

”لیکن میں تو آج چھ بجے شام کو ڈریلا کے گھر جاؤں گا۔“ حمید نے کہا۔

”یکو اس مت کرو یہ غیر ضروری کام کل بھی ہو سکتا ہے۔“

”اوہ! تو آپ بھی دعوتوں کو ضروری قرار دینے لگے ہیں۔ آج بڑی انخوبی باقاعدے

”چار ہوڑا پڑ رہا ہے۔“

ڈریلا ڈرائیگ روم میں حمید کی منتظر تھی۔ لیکن دروازے میں سے ایک ایسا آدمی نظر آیا۔ ”لیکن آپ پہلی بار یہاں آئی ہیں۔ شاید آپ کی دستی زیادہ پرانی نہیں ہے۔“

”لیکن اسیں ملاتا کم از کم اُس کے بس کاروگ تو نہیں تھا۔ وہ بوکھلا کر بغلیں جھانکنے لگی۔ اُس نے اس سے پہلے فریدی کو بھی نہیں دیکھا تھا۔

”کچھ حمید ابھی آتے ہیں۔“ فریدی ڈرائیگ روم میں داخل ہوتا ہوا آہستہ سے بولا اور

ڈریلا بیساختہ کھڑی ہو گئی اُس کی یہ حرکت قطعی اضطراری تھی۔

”تشریف رکھئے۔“ فریدی نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

ڈریلا بیٹھ گئی۔

”میں فریدی ہوں۔ شائد آپ نے میرا نام سنا ہو۔“ فریدی نے مصافیہ کے لئے اُس کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے کہا۔

”جی ہاں۔ میں نے نہیں۔ بڑی خوشی ہوئی۔“ فریدی کے ہاتھ میں ڈریلا کا ہاتھ کانپ رہا

تھا۔ اس نے بڑی نرمی سے چھوڑ دیا۔

فریدی اس کے سامنے ہی بیٹھ گیا۔

”حمدی بہت دلچسپ آدمی ہے۔ وہ اکثر مجھ سے آپ کا تذکرہ کرتا رہا ہے۔ تذکرہ نہیں بلکہ

شاعری کہئے۔ لیکن وہ غلط نہیں کہتا تھا۔“

”ہاں وہ اکثر میرا مٹھکلے بھی اڑاتا ہے۔“ ڈریلا نے زبردستی مسکانے کی کوشش کی۔

”آپ کا مٹھکلے....!“ فریدی نے جیرت ظاہر کی۔

”میں آج تک سمجھتی تھی کہ وہ کس قسم کا آدمی ہے۔“

”شاوی کی دو خواست تو نہیں کی اُس نے بھی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”نہیں کبھی نہیں.... وہ عجیب آدمی ہے۔“ ڈریلا نے کہا۔ اُس کی آواز کانپ رہی تھی اور

اُس نے ایک بار بھی فریدی کے چہرے پر نظر ڈالنے کی بہت نہیں کی تھی۔

”کیا آپ کو میرا یہاں بیٹھنا گوارتھا ہے۔“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”ہرگز نہیں.... نہیں جتاب۔“

”حمدی میرا ایک محبوب ترین سا تھی ہے۔ اسی لئے مجھے اسکے دوستوں سے بھی محبت ہے۔“

ڈریلا نے اچھتی نظر فریدی کے چہرے پر ڈالی اور پھر دسری طرف دیکھنے لگی۔ فریدی کہہ رہا

”ہاں یہ دعوت کم از کم میرے لئے ضروری ہے۔ اگر میرا بس چلتا تو میں وزیر تجارت پر ملک مقامات پر جانے ہی سے روک دیتا۔“
”کیا مصیبت ہے۔ بات ڈریلا سے وزیر تجارت پر بھی گئی۔“
”سبحیدگی سے.... ورنہ چاننا ماروں گا۔“
”حمدی خلاف تو قبضہ بخیدہ نظر آنے لگا۔“

اس وقت نے وزیر تجارت کے خلاف بے تحاشہ ساز شیش ہو رہی ہیں اور سابق وزیری کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیر تجارت کی تقرری مصحتی ہونے کے ساتھ میز پر۔
تجارت کے مصحتی ہونے کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیر تجارت کے سامنے رہے۔ اسی میز پر۔
امکانات پر وہ شنی ڈالی تھی تو اس کے ٹھیک دوسرے ہی دن ان پر قاتلانہ حملہ بھی ہوا تھا۔ تقریباً اسی جوڑ تو زرع ہو گئے۔“
”آخراً آپ خدائی فوجدار کیوں بنتے جا رہے ہیں۔“
”مودودت ہو یاں ہو.... اپنی ناگُ ضرور اڑائیں گے۔“

”تو آپ یہ کہنا چاہتے ہیں کہ وزیر تجارت پر دوبارہ حملہ ہو سکتا ہے۔“
”ہاں اس کے امکانات ہیں۔“

”میں آپ کے شے کی وجہ بھی معلوم کرنا چاہوں گا۔“ حید نے کہا۔
”یہ بات تمہاری سمجھ میں مشکل ہی سے آئے گی اور نہ میرے پاس اتنا وقت ہے کہ میں کے اقتصادی مسائل پر بحث کر سکوں۔ بس اتنا سمجھ لو... مگر.... نہیں.... اسے بھی جانے ایک موٹی سی بات! اسی تجارتی پالیسی کا ابھی سرکاری طور پر اعلان نہیں ہوا۔ لیکن کیا تم نے جو پالیسی سے واقف نہیں ہو۔ آخر اعلان سے پہلے یہ بات پیک میں کیسے آئی۔ اس کے قبل از اکشاف کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔ پالیسی بدلتے سے رئی دنوں بعد اس پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر بھی ہو جائے گا۔ اس پالیسی کی بناء پر کابینہ میں ہم بھی پڑ گئی ہیں لیکن وزیر تجارت کی پشت پناہ ایک بہت ہی معمبوط پارٹی کر رہی ہے اور یہ پالیسی کے اشارے پر مرتب کی گئی ہے۔ پالیسی چونکہ ممتاز نہ ہے اس لئے اگر وزیر تجارت کا وجود درد سے ہٹ جائے تو وہ پالیسی سرکاری حیثیت بھی نہ حاصل کر سکے گی۔ ملک کے چند بڑے داروں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی ان کا کافن ثابت ہو گی۔ ویسے وزیر تجارت نے اپنے ایک بیان میں تھا کہ وہ پالیسی ہر ایک کیلئے مفید ثابت ہو گی اور اس سے ملک کا اقتصادی نظام سدھ رہ جائے گا۔“

”میا حقیقتاً اس پالیسی سے سرمایہ داروں کو نقصان پہنچے گا۔“ حید نے پوچھا۔

”مجھے اس سے سروکار نہیں۔“
”کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر حید نے کہلہ کیا وزیر تجارت اس خطرے سے آگاہ نہ ہوں گے۔“
”مجھے اس سے بھی بحث نہیں۔“ فریدی نے آہستہ سے کہا۔ ”میں خطرہ محسوس کر رہا ہوں ہے میں دیکھوں گا کہ میں اس کے لئے کیا کر سکتا ہوں۔“
”کیا ملکے کی طرف سے بھی آپ کو اس کے لئے کوئی ہدایت ملی ہے۔“

”نہیں.... نیا گراہوٹل میں ڈیوٹی پر نہیں ہوں گا۔ ویسے میں نے اس بات کا انتظام کیا ہے تجارت کے مصحتی ہونے کے بعد جب سرکاری حلقوں نے موجودہ وزیر تجارت کی تقرری کی تقرری۔“
”میز پر۔“
”معاف کیجئے گا۔“ حید منہ بنا کر بولا۔ ”آخر آپ خدائی فوجدار کیوں بنتے جا رہے ہیں۔“
”فرورت ہو یاں ہو.... اپنی ناگُ ضرور اڑائیں گے۔“
”برخوردار.... آخر اس مخصوص اجازت نامے کا مقصد کیا ہے۔ کیا وہ مجھے اس لئے ملا ہے اسے فرمی کر کر ڈرائیگِ روم کی کسی دیوار کی زیست بڑھاؤ۔“
”اپنی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔“
”آپ نے اپنی زندگی خود ہی تلخ کر لی ہے۔“

”آپ نے اپنی زندگی کے بارے میں کیا خیال ہے۔“ فریدی مسکرا کر بولا۔
”حید کچھ نہ بولا۔ حقیقت تو یہ ہے کہ وہ بہت شدت سے یور ہو رہا تھا لیکن فریدی کا پروگرام ایک موٹی سی بات! اسی تجارتی پالیسی کا ابھی سرکاری طور پر اعلان نہیں ہوا۔ لیکن کیا تم نے جو پالیسی سے واقف نہیں ہو۔ آخر اعلان سے پہلے یہ بات پیک میں کیسے آئی۔ اس کے قبل از اکشاف کی وجہ سے سرکاری حلقوں میں خاصی بے چینی پائی جاتی ہے۔ پالیسی بدلتے سے رئی دنوں بعد اس پالیسی کا اعلان سرکاری طور پر بھی ہو جائے گا۔ اس پالیسی کی بناء پر کابینہ میں ہم بھی پڑ گئی ہیں لیکن وزیر تجارت کی پشت پناہ ایک بہت ہی معمبوط پارٹی کر رہی ہے اور یہ پالیسی کے اشارے پر مرتب کی گئی ہے۔ پالیسی چونکہ ممتاز نہ ہے اس لئے اگر وزیر تجارت کا وجود درد سے ہٹ جائے تو وہ پالیسی سرکاری حیثیت بھی نہ حاصل کر سکے گی۔ ملک کے چند بڑے داروں کا خیال ہے کہ یہ پالیسی ان کا کافن ثابت ہو گی۔ ویسے وزیر تجارت نے اپنے ایک بیان میں تھا کہ وہ پالیسی ہر ایک کیلئے مفید ثابت ہو گی اور اس سے ملک کا اقتصادی نظام سدھ رہ جائے گا۔“

”شاگردی سے موقع پر یہ مساوات کے گیت گاتا ہے اور رہنمائے قوم پر مساوات کا دورہ پڑتا ہے۔“ عام آدمیوں پر یہ ظاہر کرنے کی کوشش کرتا ہے کہ وہ بھی انہیں میں سے ایک ہے۔

اُس کی نیند آنکھوں میں کسی قسم کی تکلیف کی وجہ سے اچٹ گئی۔ کھڑکی سے آنے والی دھوپ اس کے چہرے پر پھیلی ہوئی تھی اور سورج آنکھوں کے سامنے چمک رہا تھا۔ یادداشت واپس آنے میں دیر نہیں لگی۔ وہ ایک جھیٹکے کے ساتھ اٹھ بیٹھا۔

سب سے پہلے اس کی نظر نیا گرا کے فیجر پر پڑی۔ جو قریب ہی ایک آرام کرنی میں پڑا ہوا اخبار دیکھ رہا تھا۔

حمدی کو اٹھتے دیکھ کر وہ اخبار بھیک کر کھڑا ہو گیا۔

”پتیان صاحب! آپ آرام کیجھ ڈاکٹر کا یہی مشورہ ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”تو کیا میں ابھی نیا گرا ہی میں ہوں۔“

”مجی ہاں! اب آپ کی طبیعت کیسی ہے۔“

”میں ٹھیک ہوں۔ مجھے حادثے کے متعلق بتائیے۔“ حمدی نے مفطر بانہ انداز میں کہا۔ ”حدادش.... میرے خدا.... اب تک میراریش ریشر کا نپ رہا ہے۔ آپ اوپری گیلری میں بیوشاں پائے گئے تھے۔ کرتل صاحب نہ ہوتے تو وہ فیجر آزمیں مفتر ہی کے سینے میں پیوست ہوتا۔ پھر بھی.... آپ خود سوچنے کے اس سے ہوٹل کا رپوٹیشن کتنا خراب ہوا۔“

”وزیر تجارت قئے گے۔“

”مگر محکمہ صنعت و تجارت کے ڈیپلائیٹری..... وہ فیجر ان کی گردن میں لگا اور وہ بیچارے اسی وقت ختم ہو گئے۔ فیجر غالباً از ہریا تھا۔ فریدی صاحب اس سے زیادہ کر بھی کیا سکتے تھے۔ پھر بھی ان کی پھر تی کی داد دنی ہی پڑے گی۔ آزمیں مفتر کے سر میں کافی چوٹ آئی ہے لیکن پھر بھی وہ کرتل کے بہت زیادہ شکر گزار ہیں۔ ظاہر ہے زندگی کے مقابلے میں سر کی چوٹ کیا اہمیت رکھتی ہے۔ لیکن یہ تو بتائیے کہ آپ....!“

انتہے میں فون کی گھنٹی بجی اور فیجر یہ کہتا ہوا میز کی طرف پکا۔ ”غالباً کرتل ہی ہوں گے۔ ہر دل منٹ پر آپ کے لئے فون کر رہے ہیں۔“

”دریسیور اٹھا کر“ ہاں... ہاں ”کرتا رہا پھر مزکر حمدی سے بولا۔ ”کرتل صاحب۔“

حمدی نے اٹھ کر دریسیور اس سے لے لیا۔

”ہیلو....!“

نیا گرا ہوٹل میں بھی دعوت کے بعد مرابت و درجات کی تمیز اڑ گئی۔ ”عوامی“ بڑی کوشش میں وزیر تجارت ”گھریلو“ بن گئے۔ کسی نے انہیں ایک بڑی میز پر چڑھا دیا اور حاضر کریاں چھوڑ کر اُس میز کے گرد اکٹھا ہو گئے۔

وزیر تجارت تقریر کرتے رہے۔ نیا گرا کا ڈائیکٹر ہال شور حسین سے گونجھا رہا۔

پھر اچانک ایک عجیب بات ہوئی۔ کسی نے وزیر تجارت کو میز سے دھکیل دیا۔

وہ نیچے فرش پر گرے اور ساتھ ہی دو چینیں ہال میں گونج کر رہ گئیں۔ ان میں سے ایک بڑی کربناک تھی۔

”زینے....!“ کسی نے چیخ کر کہا۔ اوپری گیلریوں کے زینے۔ حمید.... رمیش.... ساجد۔

وزیر تجارت کو کئی آدمیوں نے مل کر اٹھایا لیکن اُس کی کسی نے خبر نہیں جو قریب ہی فڑھا ترپ رہا تھا۔ ایک آدمی جس کی گردن میں برا سا خیز پوسٹ تھا۔ وہ تو اُس کی دوسری

آخری چیخ تھی جس نے لوگوں کو اس کی طرف متوجہ کیا۔

وزیر تجارت بخیریت تھے۔



حمدی نے بھی نضامیں تیرتے ہوئے فیجر کی چک دیکھی تھی پھر اس نے چیزوں کے ہی فریدی کی آواز بھی سنی اور بے تحاشا زینوں کی طرف لپکا۔ یہ اوپری گیلری کے زینے تھے۔ وہ تیزی سے اوپر چڑھتا چلا گیا اور اوپر پہنچ کر اُس نے محسوس کیا کہ گیلری کی روشنی ابھی کسی نے بجا ہوئی ہے۔

وہ بہت اختیاط سے پھر زینوں کی طرف ہٹنے لگا۔ آگے بڑھنے میں دھوکا کھانے کا بھی نہ تھا کیونکہ پوری گیلری تاریک پڑی تھی۔

نیچے سے اکھر نے والا شور بڑھتا جا رہا تھا۔ اُس نے زینوں پر بہت سے قدموں کی آدھیں۔ غالباً لوگ اوپر آرہے تھے۔ اچانک کوئی حمدی سے تکریا۔ ساتھ ہی اسے ایسا محسوس ہوا۔ اس کی داہمی کپٹی پر قیامت ٹوٹ پڑی ہوا۔ اس کے کانوں میں سیٹیاں سی بجھنے لگیں۔ سر اس پر چکر لایا کہ وہ توازن برقرار رکھ سکا۔

پھر اسے نہیں معلوم کہ اس کے بعد کیا ہوا۔

"حمدی...!" دوسری طرف سے آواز آئی۔ "تم بالکل ٹھیک ہوتا۔"
"میں بالکل ٹھیک ہوں۔"

"اچھا تو فوراً آجائو۔ اپنے متعلق کسی سے گفتگو کرنے کی ضرورت نہیں۔ کیڈی وہیں
ہوں کے گیراج میں ہے۔ جتنی جلد ممکن ہو پہنچ جاؤ۔"

"میں ابھی آیا۔" حمید نے کہا اور رسیور کھو دیا۔

"ہاں تو میں یہ عرض کر رہا تھا۔" فیجیر بولا۔ "آپ بیہوں تھے۔ یہ معہ سمجھ میں نہ آیا۔"

"میں کہاں بیہوں تھا۔"

"اوپر۔ گلری میں۔ اسی حصے میں جہاں سے خبر پہنچیکا گیا تھا۔"

"آج۔ چھا۔ خیر یہ واقع بھی کل کے اخبار میں آجائے گا۔ اچھا۔ شکریہ۔ میران
سے گاڑی نکلوادیجھے۔"

نیا سیکریٹری

فریدی گھر ہی پر موجود تھا اور اس کے چہرے سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ چھپلی رات بل
بھر کے لئے بھی نہیں سویا۔

قبل اس کے کہ وہ حمید سے کچھ پوچھتا حمید ایک ہی سانس میں سب کچھ کہ گیا۔

"تو وہ اس وقت بھی گلری ہی میں موجود تھا۔" فریدی نے ختم ہونے ہوئے سگار کو اپن
ٹرے میں مسلنے ہوئے کہا۔ "درالص غلطی مجھ ہی سے ہوئی تھی۔ میں بھیڑ کو کنٹرول نہ کر سکا۔
لوگ بے تھانٹا گلری میں پہنچ گئے اور مجرم کو اس بھیڑ میں گم ہو جانے کا موقع مل گیا۔"

"کیا آپ نے اسے خبر پہنچنے دیکھ لیا تھا۔"

"ظاہر ہے۔ ورنہ ڈپنی سیکریٹری کی بجائے وزیر تجارت ہی رخصت ہو گئے ہوتے۔"
حمدی کچھ دیر تک خاموش رہا پھر سر ہلا کر بولا۔ "آپ سراغ رسائیں نہیں بلکہ کوئی پہنچ ہوئے
بزرگ معلوم ہوتے ہیں یا پھر اب ہم لوگ کسی جاسوسی ناول ہی کے کدار ہو کر رہ گئے ہیں۔"

"کیوں؟"

"اڑے جتاب آپ کو پہلے ہی سے الہام ہو گیا تھا کہ وزیر تجارت پر حملہ ضرور ہو گا اور آپ
کچھ اس طرح سے انتظام میں منہک تھے جیسے اگر حملہ ہوا بھی تو آپ اسے ناکام بنا دیں گے اور
وہی ہوا بھی۔"

"ہاں معلوم تو کچھ ایسا ہی ہوتا ہے اگر واقعات کا تجربہ نہ کیا جائے تو دنیا کا ہر واقعہ مجھہ ہی
معلوم ہوتا ہے۔ حملے کے امکانات پر پہلے ہی روشنی ڈال چکا ہوں۔ اسباب بھی بتائے تھے۔ مجھے
یقین نہیں تھا کہ حملہ ہو ہی جائے گا اور پھر مجھے خبر کی توقع تو تھی ہی نہیں۔ ایسے موقع پر
عموماً ہر ہی استعمال کیا جاتا ہے اس کیلئے میں نے یقیناً کافی انتظامات کے تھے اور کوئی بھی چیز طی
معاہنے کے بغیر وزیر تجارت کے سامنے نہیں گئی۔ دوسرے امکان ریوالور کا ہو سکتا تھا۔ اس کیلئے بھی
میں سب کچھ کر گز راتلاشی لئے خبر کسی کو بھی اندر نہیں جانے دیا تھا۔ بہترے تو اس پر گزر کر
وہیں ہی چلے گئے تھے۔ حمید صاحب اگر واقعی حملہ نہ ہوا ہوتا تو آج صبح کے اخبارات ملکہ سراغ سانی
پر اس بھری طرح برستے کہ مزاہی آجاتا۔ کل میں نے بڑے بڑے آدمیوں کی جھیں ٹھوٹی ہیں لیکن
پھر بھی خبر کسی نہ کسی طرح اندر پہنچ ہی گیا۔ ہو سکتا ہے وہ پہلے ہی سے کہیں چھپا دیا گیا ہو۔

"ہاں ٹھیک ہے۔" حمید بولا۔ "مگر سوال تو یہ ہے کہ ہر طرح مطمئن ہو جانیکے بعد بھی آپ
نے کطر حملہ آور کو کامیاب نہ ہونے دیا۔ مطمئن ہو جانے کے بعد نفیاتی کہتے نظر سے...!"

"میں سمجھ گیا کہ تم کیا کہنا چاہتے ہو۔" فریدی نے اس کی بات کاٹ دی۔ "نفیاتی ہی کہتے
نظر سے ایسے موقع پر مطمئن ہو جانے کے بعد بھی اطمینان نہیں ہوتا۔ تم یہی کہنا چاہتے ہو ناکہ
پہنچ کر ہوئے خبر کی زد سے انہیں کیسے بچالیا گیا۔"

"جی ہاں۔ میں بھی پوچھنا چاہتا ہوں۔"

"ایک معمولی سی مuttle خیز بات ہے۔ آتر بیبل مشر شروع میں بہت زیادہ سمجھیدہ رہے۔ پھر
آہستہ آہستہ ان کا رو یہ کچھ عوای سا ہوتا گیا اور پھر ان کی سپورٹسمین اپرٹ بالکل ہی بیدار
ہو گئی اور وہ تقریر کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ میز پر چڑھنے کی ترغیب دینی والی ایک عورت
تھی میں نے شروع ہی سے اسے مشر صاحب کے گرد منڈلاتے دیکھا تھا۔ میں نے یہ بھی محض
کیا تھا کہ وہ کچھ مضطرب سی ہے کسی نے گفتگو کرتے وقت بھی اس کے چہرے سے ذہنی پر اگندگی
صف اظہر ہوتی تھی۔ آنکھوں سے صاف پتہ چلتا تھا کہ وہ مخاطب کی طرف متوجہ ہونے کے

باد جود بھی کوئی غیر متعلق بات سوچ رہی ہے جیسے ہی وزیر موصوف نے تقریر کرنے پر آموگہ ظاہر کی وہ پہلے سے زیادہ بے چین نظر آنے لگی لیکن پھر بھی وہ کافی گھل مل کر آز-بل منٹر سے گفتگو کر رہی تھی..... اور پھر اس نے انہیں میز پر کھڑے ہو کر تقریر کرنے کا مشورہ دیا۔ وزیر موصوف کے عوامی جذبات اچھی طرح بیدار ہو گئے تھے اور غالباً وہ حق یہ محسوس کرنے لگا تھے کہ وہ اپنے خاندان کے افراد کے درمیان موجود ہیں اس لئے بے تکلف انہاں ماحول بیدار کرنے کے لئے میز پر جا چڑھے۔ عورت ان کے قریب ہی قریب رہی۔ حالانکہ وہ میز کے نیچے تھی لیکن میز ہی پر ہاتھ رکھ کر کھڑی تھی اور اس کی نظریں بار بار اپری گلری کی طرف اٹھ جاتی تھیں۔ چرس سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ اسے کسی بات کا انتظار ہے۔ کبھی کبھی وہ سکھیوں سے وزیر موصوف کو بھی دیکھ لیتی تھی۔ وہ تقریر کر رہے تھے لیکن اس عورت کی بے چین آنکھوں سے صاف ظاہر ہو رہا تھا کہ وہ ایک لفظ بھی نہیں سن رہی ہے۔ ظاہر ہے کہ میری دلچسپی کافی بڑھ گئی ہو گی۔ پھر نہ صرف وہ عورت بلکہ اپری گلری بھی میری توجہ کا مرکز بن گئی۔ کچھ دیر بعد میں نے دیز پر دے کے پیچھے کسی چیز کی چمک دیکھی پر دے کے پیچھے سے ایک ہاتھ نکلا۔ اور میں نے آز-بل منٹر کو میز سے دھکیل دیا۔

”وہ عورت کون تھی؟“ حمید نے پوچھا۔

”زوبلی....!“

”زوبلی....!“ حمید نے تحریر انداز میں کہا۔ ”سر جمیش کی بہن.... وہ تو ایک بہت مشہور رات بھر مجھے بور کرتے رہتے۔“

”وہی.... اور ایک بڑے پا گل کی بیوی بھی۔“

”پا گل کی بیوی.... کیا مطلب....!“

”مطلوب بہت جلد واضح ہو جائے گا۔ تمہیں زوبلی سے بہت قریب رہنا ہے۔“

”ہے تو اچھی خاصی! مگر نہیں! بیاست سے دلچسپی لینے والی عورت تین عموماً بوری ثابت ہوتی ہیں۔“

”اور تم بعض اوقات ان پر بھی سبقت لے جاتے ہو۔“ فریدی نے خنک لبجھ میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہی پھر فریدی بولا۔ ”جہاں تم بیوشاں پائے گئے تھے وہاں ایک جوڑا اس نے دستاں نے بھی ملے ہیں اور سب سے زیادہ دلچسپ چیز ایک پرس جس میں سو سو کے تین نوٹوں کے

علاء پانچ سوہرے سکے بھی موجود ہیں۔“

”سوہرے سکے۔“ حمید نے مضطربانہ انداز میں دہرا�ا۔

”سوہرے سکے۔ غالباً حملہ آور بہت ہی بدحواسی کے عالم میں وہاں سے فرار ہوا ہے اور یہ

سوہرے سکے..... یہ کسی انتہائی خطرناک تنظیم سے تعلق رکھتے ہیں۔“

”اور جس کا سر برآہ آپ کو کھلے ہوئے الفاظ میں چیلنج کر چکا ہے۔“ حمید بولا۔

”میری حقیقت ہی کیا ہے۔ پچھلی رات کے واقعات سے ثابت ہوتا ہے کہ اسکا چیلنج حکومت

لیتے ہے۔ پہلے تو میں یہ سمجھا تھا کہ وہ کوئی ایسا مجرم ہے جو اپنی حرکات میں ڈرامائی انداز پیدا کر کے

پلیس کو یوں توف بنانا چاہتا ہے مگر اب.... مجھے اس مسئلے پر سنجیدگی سے غور کرنا پڑے گا۔“

”خیبر کے دستے پر نشانات بھی نہیں ملے۔“

”قطعنی اعتمانہ سوال ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”اس قسم کے مجھے میں کسی پر حملہ کرنے والے

لازی نہیں ہوا کرتے اور تمہاری معلومات میں اضافہ کے لئے یہ بھی کہتا چلوں کہ خیبر دستے سے

پکڑ کر نہیں پھیکھے جاتے۔“

”خیر.... لیکن اب آپ کیا کریں گے۔“

”نی الحال تمہارے دماغ کا علاج کرتا ہے میں نے پچھلی رات محض زینوں کی گمراہی کے لئے

کہا تھا۔ تم آخر ادا پر کیوں دوڑے گئے تھے۔“

”صرف اس لئے کہ صبح تک بیوشاں رہنا چاہتا تھا۔“ حمید نے بہت اسامنہ بنا کر کہا۔ ”ورنہ آپ

رات بھر مجھے بور کرتے رہتے۔“

فریدی نے ہلاکا سا تقدیمہ لگایا اور پھر بولا۔ ”تم.... تمہاری سزا یہ ہے کہ تم اپنی زندگی سے

بیزار ہو جاؤ اور میں آج ہی تمہیں یہ سزا دینے والا ہوں۔ تم کچھ دنوں تک سرفیروز کے پرائیویٹ

مکر بیڑی کے فرائض انجام دو گے۔“

”کیا مطلب! کون سرفیروز.... وہی زوبلی کا شوہر تھا۔“

”ہاں وہی....!“

”لیکن آپ نے ابھی اسے ایک پا گل کی بیوی کہا تھا۔“

”مگر نہ کرو۔ وہ ایسا پا گل نہیں ہے کہ تمہارا منہ نوچنے کی کوشش کرے۔“

نمی کوہا ہے ہواور وہاں.... میک اپ ضروری ہے حالانکہ میں خود بھی اس عطاٹی پن کو بیسویں مدی کے شایان شان نہیں سمجھتا مگر کیا کیا جائے۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اسکے بغیر کام نہیں چلے گی ہم لوگ اب یہاں والوں کیلئے اجنبی نہیں رہے۔ مجھے سرکاری تقریبات نے بر باد کیا اور تمہیں شائع ہو رہا ہے۔“

ور توں نے.... ورنہ ہمارے پیشے کے لئے گمنام ہی قسم کی زندگی زیادہ مناسب ہوتی ہے۔“
”میک اپ کی فکر نہیں۔“ حمید سر ہلا کر بولا۔ ”مگر وہی پلاسٹک میک اپ ہونا چاہئے تاکہ مجھے ”یقیناً یہ تمہارے لئے حیرت کی بات ہو گی۔ لیکن اُس کے پاس کوئی بھی تین دن سے زیادہ روز روز محنت نہ کرنی پڑے اور ہاں... ایک استدعا اور ہے میک اپ میں کشش ضرور ہونا چاہئے۔“
”کیوں.... نہیں یہ ضروری نہیں۔“

”ضروری ہے جناب۔ میں لعنت بھیجا ہوں اُس ساعت پر جب کوئی لڑکی مجھے ایک بار دیکھے

”وہ خوبی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے لوگ اس طرح نہیں رہتے اور بس اس کے علاوہ لردو سری بارند دیکھے۔ خدار امتحان سے میری یہ مسرت نہ چھیننے گا۔“
کوئی بات نہیں۔ اس کے پاس ابھی تک ڈاکٹر زیوٹس جیسی شخصیت کا کوئی آدمی نہیں پہنچا۔“ دیکھا جائے گا۔ تم ایک گھنٹے بعد تجربہ گاہ میں آجائنا۔“ فریدی نے کہتے ہوئے اسے پڑھانے کا شارة کیا۔
”ایسی بات.... آج چھا... زوبی بھی ہے۔ خیر میں تیار ہوں۔“

”مگر ایک بات سوچ لو۔ میں یہ نہ سنوں کہ اس نے تمہیں تین دن ہی بعد نکال دیا تھا ہر حال میں وہاں اس وقت تک نہ ہرنا پڑے گا جب تک میں چاہوں۔ مقصود زوبی کی گرفتاری اور اس کے ملنے والوں کے متعلق معلومات بھم پہنچانا ہے۔“

”مگر اتنا تو آپ مجھے بتاہی دیں گے کہ لوگ کس بناء پر وہاں نہیں ٹھہرتے۔“
”سرفیروز کا خط۔ تم نے محض اس کا نام ہی سنائے یا کہمی دیکھا بھی ہے۔“
”نہیں دیکھا تو نہیں ہے۔“

”ندیکھا ہو گا۔ بہر حال میں صرف اتنا تا سکتا ہوں کہ وہ نہم دیوانہ ہے۔ لیکن بے ضر صرف دماغ چاٹا ہے۔“
”درستہ....!“ تیری ببرداں۔ ”ٹھیک تین بجے سے چھ بجے تک میرے خدا میں بور ہو کر رجاوں گی۔ ارے خدا کے لئے تم دونوں میں سے کوئی آج میرے بدے چلی جائے میں آج یونہی بور ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ متواتر دو دن تک اس کے عوض جاتی رہوں گی۔“

”نہیں.... یہ ناممکن ہے۔“ دونوں نے کہا۔
”اچھا...!“ تیری نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گئی۔
”آپ مطمئن رہئے۔“
”مگر اصل مقصد سے لاپرواہ نہیں ہو گے۔“

”اچھا.... اشتہار میں ملنے کا دقت تین سے چھ بجے تک دیا گیا ہے۔ تم آج ہی جاؤ گے۔“

”اور پرانیویٹ سیکریٹری.... میں کچھ بھی نہیں سمجھا۔“
”تقریباً ایک ہفتے سے اس کی طرف سے اخبارات میں پرانیویٹ سیکریٹری کے لئے اشاعت ہو رہا ہے۔“

”ابھی تک اسے کوئی آدمی نہیں ملا۔“ حمید نے پوچھا۔
”یقیناً یہ تمہارے لئے حیرت کی بات ہو گی۔ لیکن اُس کے پاس کوئی بھی تین دن سے زیادہ روز رو زحمت نہ کرنی پڑے اور ہاں... ایک استدعا اور ہے میک اپ میں کشش ضرور ہونا چاہئے۔“
”نہیں تکلت۔“

”کیوں....؟“ حمید کی دلچسپی بڑھ رہی تھی۔

”وہ خوبی ہے جس طرح وہ چاہتا ہے لوگ اس طرح نہیں رہتے اور بس اس کے علاوہ لردو سری بارند دیکھے۔ خدار امتحان سے میری یہ مسرت نہ چھیننے گا۔“
کوئی بات نہیں۔ اس کے پاس ابھی تک ڈاکٹر زیوٹس جیسی شخصیت کا کوئی آدمی نہیں پہنچا۔“
”وقوع ہے کہ وہ تمہارے لئے بہترین قسم کی تفریق ہمیا کرے گا۔“

”ایسی بات.... آج چھا... زوبی بھی ہے۔ خیر میں تیار ہوں۔“
”مگر ایک بات سوچ لو۔ میں یہ نہ سنوں کہ اس نے تمہیں تین دن ہی بعد نکال دیا تھا ہر حال میں وہاں اس وقت تک نہ ہرنا پڑے گا جب تک میں چاہوں۔ مقصود زوبی کی گرفتاری اور اس کے ملنے والوں کے متعلق معلومات بھم پہنچانا ہے۔“

”سرفیروز کا خط۔ تم نے محض اس کا نام ہی سنائے یا کہمی دیکھا بھی ہے۔“
”نہیں دیکھا تو نہیں ہے۔“

”ندیکھا ہو گا۔ بہر حال میں صرف اتنا تا سکتا ہوں کہ وہ نہم دیوانہ ہے۔ لیکن بے ضر صرف دماغ چاٹا ہے۔“
”درستہ....!“ تیری ببرداں۔ ”ٹھیک تین بجے سے چھ بجے تک میرے خدا میں بور ہو کر رجاوں گی۔ ارے خدا کے لئے تم دونوں میں سے کوئی آج میرے بدے چلی جائے میں آج یونہی بور ہوں۔ میں وعدہ کرتی ہوں کہ متواتر دو دن تک اس کے عوض جاتی رہوں گی۔“

”آپ مطمئن رہئے۔“
”اچھا.... اشتہار میں ملنے کا دقت تین سے چھ بجے تک دیا گیا ہے۔ تم آج ہی جاؤ گے۔“

”آپ نے میری بات کا جواب نہیں دیا۔“ اجنبی نے تیری لڑکی کو لے کارا۔
 ”تشریف رکھنے کا مطلب یہ ہے کہ بیٹھ جائے۔“ اُس نے جواب دیا۔
 ”ایسی بات کس کام کی جس کا مطلب سمجھنا پڑے۔ لا حول ولا قوۃ... تشریف رکھئے۔ گویا
 آدمی نہ ہوا... آٹے کا بورا ہوا۔“

”سبھی بولتے ہیں۔“

”کتنے بھی تو بھوکتے ہیں۔ آپ بھی بھوکتے۔“ اجنبی جھنجلا گیا۔ ”کیا سرفیروز بھی اسی قسم
 کی بے تحکیمگو کے عادی ہیں۔“

”نہیں وہ آپ سے زیادہ فلسفی ہیں۔“ ایک لڑکی نے قہقہہ لگایا۔

”سب تو ٹھیک ہے۔ ورنہ مجھے اخزو یو کے دوران ہی میں واک آؤٹ کر جانا پڑتا۔“

”ارے تم کیا دیکھتے ہو۔“ ایک لڑکی نے نوکر سے کہا۔ ”چاۓ لاو۔“

”نہیں شکر کیا۔“ اجنبی بولا۔ ”میں ابھی پرسوں علی چائے پی پکا ہوں۔“

”لیا بات ہوئی۔“ بڑی اپنی ساتھیوں کی طرف دیکھ کر سوالیہ انداز میں بولی۔

”مجھ سے پوچھئے۔“ اجنبی گرج کر بولا۔ ”کیا آپ میرا مذاق اڑا رہی ہیں۔“

”نہیں جناب قطعی نہیں۔ ہم لوگ بھی یہتے میں صرف ایک بار چائے پیتے ہیں۔ ویسے ہم
 نے سمجھا شاید آپ روزانہ پیتے ہوں۔“

”جب مجھے غصہ آتا ہے تو دن میں کئی بار چائے پیتا ہوں۔“

”لیا بات ہوئی۔“ اس لڑکی نے پھر اسی انداز میں کہا۔

”بات یہ ہوئی کہ جب مجھے غصہ آئے گا تو وہ باور بھی ہی پر اترے گا۔ سمجھیں آپ۔ مطلب
 یہ ہے کہ میں اس طرح باور بھی کو سزا دیتا ہوں۔“

”شادی ہو گئی ہے آپ کی۔“ ایک نے پوچھا۔

”میں کیوں بتاؤں کہ نہیں ہوئی۔ ہرگز نہیں بتاؤں گا۔ آپ کو ذاتیات سے کوئی سر و کار نہ
 ہونا چاہئے۔“

”لڑکیاں ہنسنے لگیں۔“

”واہوا... اس میں ہنسنے کی کیا بات ہے۔ آگیا مجھے غصہ۔“ اجنبی نوکر کی طرف جھلا کر پلا۔

”اک آیا ہے۔“ اس نے ہانپتے ہوئے کہا۔ شاندوہہ دوڑ کر بیہاں تک آیا تھا۔
 ”کون...!“ ایک نے پوچھا۔
 ”سیکریٹری...!“

”ویری گذ...!“ تیری اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

”لاو... اسے میں لاو۔“ ایک بولی۔ ”سب کچھ سمجھادیں۔ کاش یہ تین ہی دن رک جائے
 نوکر چلا گیا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نوجوان کے ساتھ پھر واپس آیا۔ لڑکیوں نے اجنبی
 تقیدی نظریں ڈالیں۔ یہ پچھس سال سے زیادہ نہ ہو گا۔ چہرہ دلکش لیکن آنکھیں کچھ ہوئی کھوئی
 تھیں بالکل ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خواب دیکھ رہا ہو۔ آنکھوں پر موٹے فریم اور دیزیز شیشوں
 عینک تھی۔ کمرے میں داخل ہو کر سب سے پہلے اس نے عینک اتار کر شیشے صاف کئے پھر
 دوبارہ تاک پر جما کر لڑکیوں کو باری باری سے گھومنے لگا۔

”آپ حضرات میں سے سرفیروز کون صاحب ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”سر فیروز...!“ ایک لڑکی مسکرائی۔ ”ہم میں سے... کیا آپ کو نظر نہیں آتا کہ
 لڑکیاں ہیں۔“

”میں لڑکیوں کا پرانیویث سیکریٹری بننا پسند نہیں کروں گا۔ سمجھے۔“ وہ نوکر کو گھونسہ دکھا کر با
 ”چلے گا...!“ ایک لڑکی گہری سانس لے کر آہستہ سے بولی۔

”تشریف رکھے۔ سرفیروز سے پندرہ منٹ بعد ملاقات ہو سکے گی۔“

”تشریف...!“ اجنبی نے حیرت سے دہرایا۔

”جی ہا۔“

”مگر اشتہار میں تشریف کے متعلق کچھ نہیں تھا اور میں یہ بھی نہیں جانتا کہ تشریف
 کہتے ہیں۔“

”مطلوب یہ ہے کہ بیٹھ جائے۔ کیا آپ کوارڈ نہیں آتی۔“

”میاں فرائیسی میں گنگتوکر رہا ہوں۔“ اجنبی جھلا گیا۔

”چلے گا۔ سو فیصدی چلے گا۔“ ایک نے جھک کر دوسری کے کان میں کہا۔ ”خدا کی قم
 آجائے گا۔ اس گھر میں ہر وقت قہقہے گو نہیں گے۔“

”ابے کیا دیکھتا ہے چائے لا۔“
نوکر بھی نہ پڑا۔

”چائے....!“ اجنبی پھر دھاڑا۔ نوکر بدستور ہنستا رہا۔ اور اجنبی نے ”چائے لا، چائے لا“ کی گردان کرتے ہوئے اپنا سر پیندا شروع کر دیا۔

خطبی بوڑھا

لڑکوں کے تھبی، اجنبی کی چیخ مہاڑ۔ خدا کی پناہ۔ ذرا سی دیر میں ایسا معلوم ہونے لگا ہے
وہاں چوبایوں کے رویوں کے رویوں آئے ہوں۔

”سر فیروز.... سرفیروز....!“ اجنبی حلق پھاڑ کر چینا اور لڑکیاں یک بیک خاموش ہو گئیں
اور نوکر توکھ کہی گیا۔

”ہبھاں ہیں سرفیروز.... میں ان سے تم لوگوں کی شکایت کروں گا۔“ اجنبی نے گرج کر کہا
”میں یہاں ہوں۔“ کسی نے پشت سے کہا اور اجنبی یکنہت آواز کی طرف مڑا۔

دروازے میں ایک پست قدم اور گھٹھیلے جسم والا بوڑھا کھڑا تھا اور وہ اس طرح اپنی پلکیں جھوکارہ
تھا جیسے کافی دیر تک اندر ہرے میں رہنے کے بعد بیک روشنی میں آگیا ہو۔
اس کی پیشانی کافی کشادہ تھی اور موچھوں کے سفید بال کمانوں کی طرح نچلے ہونٹ پر بجھے
ہوئے تھے۔

”آپ سرفیروز ہیں۔“ اجنبی نے پوچھا۔
”ہاں... ہاں.... میں سرفیروز ہوں۔ اگر سرفیروز نہ ہوتا تو اس عمارت میں کیسے ہوتا یہ
سر فیروز کی کوٹھی ہے۔“

”آج... چھا! تو گویا یہاں ہونے کا یہ مطلب ہے کہ آپ سرفیروز ہیں۔ یہاں جو بھی لیا
جائے وہ سرفیروز ہو گا۔ یہ لڑکیاں سرفیروز ہیں۔ میں سرفیروز ہوں، آپ سرفیروز ہیں اور
وہ کہاں گیا۔... نوکر... وہ بھی.... یعنی کہ....!“

”آپ کون ہیں۔“ سرفیروز نے پوچھا۔

”آپ کے بیان کے مطابق میں سرفیروز ہوں۔ ورنہ یہاں کیوں پایا جاتا۔“ اجنبی نے
ایسے کہا۔

”آپ کی تعریف....!“ سرفیروز نے لڑکیوں کی طرف دیکھ کر پوچھا۔
”اوہ... چچا جان۔“ ایک لڑکی بولی۔ ”یہ سیکرٹری ہیں۔ نے سیکرٹری ہم نے انہیں منتخب
اے۔“

”سیکرٹری۔“ سرفیروز سرت آمیز لمحے میں چینا اور اجنبی کی طرف اس طرح جھوٹا جھیٹے
وہ نوں بعد کوئی بچھڑا ہوا دوست ملا ہو۔ وہ اجنبی سے بغل کیر ہو گیا، اور پھر اچانک کمرے میں
عیب فرم کی آواز گوئی۔ اجنبی سرفیروز کے شانے پر سر رکھے بلک بلک کر رورہا تھا۔

”ہمیں... ارے.... ارے.... بھتی۔ سرفیروز بوكھلا کر اس کی پیٹھ تھکنے لگا۔ لڑکیاں ہکا
ہوں کو گھور رہی تھیں۔“

”بیس کرو... بھائی... بھائی! ارے... ارے... ارے...“ تھمیں کیا تکلیف ہے۔“

”حلق میں کل سے تکلیف ہے... ہینہ... ہینہ...“ اجنبی بھکیاں لیتا ہوا بولا۔ ”کوئی دوا
نہ نہیں کرتی۔“

”ہاں... یہ بات ہے۔“ سرفیروز زور سے بولا۔ ”زوہی... زوہی...“ تم کہاں ہو۔“

”چچی موجود نہیں ہیں۔“ ایک لڑکی نے کہا۔
”ارے تم تو موجود ہو۔ فون کرو ناڈا اکٹر کو۔ سیکرٹری کے حلق میں درد ہے۔ فور آئیے۔“

”لڑکیاں جیڑت سے ایک دوسرا کو گھورتی ہوئی کمرے سے چلی گئیں۔“

”بیٹھ جاؤ... بیٹھ جاؤ۔“ سرفیروز اجنبی کو چکارتا ہوا ایک صوفے کی طرف لے گیا اور پھر
سے بھاکر خود صوفے کے ہمچے پر اس طرح بیٹھ گیا جیسے حلق کے درد کا مریض نقاہت کا بھی

ہڑا اور اسے کسی کے بازوؤں کے سہارے کی ضرورت ہو۔“

”سر فیروز اسے داہنے بازو کا سہارا دیتے ہوئے بائیں باتھ سے اس کا سر سہلا رہا تھا۔
لڑکیاں بھروں اپس آگئیں۔“

”کر دیا فون...!“ سرفیروز نے پوچھا۔
”کیا ہاں...!“ جواب ملا۔

”حق میں درد...!“ وہ لڑکی سیکریٹری کی طرف دیکھ کر بولی جس سے کچھ دیر قبل اس کی
”دیکھو...!“ سرفیروز صوفے کے ہتھ سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر کے آنے تک سیکریٹری
جہز پہنچی تھی۔
”جی ہاں۔ ان کے حق میں درد ہے۔“ سیکریٹری نے لڑکی کی طرف اشارہ کیا۔

”اوہ... ہاں... ڈاکٹر۔“ سرفیروز سر ہلا کر بولا۔ ”اف فوہ... بیٹی۔ مجھے افسوس ہے کہ
ڈاکٹر کے آنے میں دیر ہوئی۔ ڈاکٹر ذرا اسے دیکھو تو... پچھلی رات یہ روتوی اور چینی رہی تھی۔“

”ہاں... اچھا...!“ ڈاکٹر نے مصنوعی حیرت کا اظہار کیا۔ پھر لڑکی سے بولا۔

”میں صرف تھوک نگئے میں تکلیف محسوس ہوتی ہے یادیے بھی درد معلوم ہوتا ہے۔“

”ویسے بھی معلوم ہوتا ہے۔“ سیکریٹری نے تشویش آمیز لمحے میں کہا۔

ڈاکٹر لڑکی کے قریب پہنچ چکا تھا۔ لڑکی کھڑی ہو گئی۔

”بیٹھ جاؤ... بیٹھ جاؤ۔“ سرفیروز بولا۔

”ارے ان کے حق میں درد ہے۔“ لڑکی نے جھنجھلا کر کہا۔

”شرارت نہیں لڑکی۔“ سرفیروز آنکھیں نکال کر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“

”میں اچھی بھلی ہوں پچاہاں۔“

”پھر وہی بکواس۔ بیٹھ جاؤ۔“ سرفیروز نے جھنجھلا کر کہا۔

”بیٹھ جائیے نا۔“ سیکریٹری نے ٹکڑا لگایا۔ ”بزرگوں کی بات نالا بند نصیبی کی علامت ہے۔“

لڑکی اُسے قہر آکوڈ نظر وہن سے گھورتی ہوئی بیٹھ گئی۔ دوسری لڑکیاں منہ دبائے ہنس رہی تھیں۔

”منہ کھولئے۔“ ڈاکٹر نے لڑکی کی ٹھوڑی پکڑ کر کہا۔ ”اُس کے دابنے ہاتھ میں ایک چھوٹی

کی نارچ تھی جسے وہ اُس کے چہرے کے برابر اٹھائے ہوئے تھا۔“

”چلومنہ کھولو جلدی...!“ سرفیروز گر جا۔

لڑکی نے منہ کھول دیا۔ ڈاکٹر نارچ روشن کر کے کچھ دیکھا رہا۔ پھر تشویش آمیز انداز میں سر
بلکر اللگ ہو گیا۔

”کیا رات بھر روتوی چینی رہی ہیں۔“ اُس نے سرفیروز سے پوچھا۔

”ہاں... ڈاکٹر...!“

”تب تو میرا خیال ہے کہ حق میں پھوڑا بن رہا ہے۔“

اجنبی نے روتا بند کر دیا تھا۔ مگر اُسکی ناک سے اب بھی عجیب قسم کی آوازیں نکل رہی تھیں
”دیکھو...!“ سرفیروز صوفے کے ہتھ سے اٹھتا ہوا بولا۔ ”ڈاکٹر کے آنے تک سیکریٹری
خیال رکھنا۔ میں ابھی آتا ہوں۔“

”ضرور... ضرور... ہم خیال رکھیں گے۔“ ایک لڑکی نے کہا۔

سرفیروز کمرے سے چلا گیا۔

لڑکیاں چند لمحے آپس میں اشارے کرتی رہیں پھر ایک سیکریٹری کی طرف بڑھی۔

”سیکریٹری صاحب! آپ کی تعلیم کہاں تک ہے۔“ اُس نے پوچھا۔

”یہاں سے ہمالیہ پہاڑ تک۔“

”یعنی...!“

”کیا آپ مجھے جاہل سمجھتی ہیں۔ میں آؤں کریم کا اسی شہنشہ ہوں۔ سمجھیں محترم۔“

”سمجھ گئی۔“ لڑکی سر ہلا کر بولی۔ ”پھر آپ یہاں کیوں آئے ہیں... اوہ نہیک! کبھی
سرد یوں میں آؤں کریم نہیں چلتی۔“

”کن لوگوں سے سابقہ پڑا ہے۔“ سیکریٹری اتنا ہے ہوئے انداز میں بولا۔ ”بھلا آؤں کر
کیسے چلے گی کیا وہ کوئی جاندار چیز ہے۔“

”آپ رونے کیوں لگے تھے۔“ دوسری لڑکی نے پوچھا۔

”کون میں۔“ سیکریٹری بگز کر بولا۔ ”کہیں آپ گھاس تو نہیں کھا گئی ہیں۔“

”سیکریٹری! تم بے تکلف ہونے کی کوشش کر رہے ہو۔“ تیسری کو غصہ آگیا۔

”میں سرفیروز کا سیکریٹری ہوں تمہارا نہیں۔“

”اگر میں چاہوں تو تم یہاں سیکریٹری نہیں ہو سکتے۔“

”ضرور چاہو۔ ہمیشہ چاہتی رہو۔ مجھے پرواہ نہیں۔“

اتھے میں فوکرنے ڈاکٹر کی آمد کی اطلاع دی۔

ڈاکٹر اور سرفیروز کمرے میں داخل ہوئے۔

سرفیروز ڈاکٹر سے کہہ رہا تھا۔ ”ہاں... آں... بلایا تو تھا گریا نہیں آرہا ہے کہ کس

لے بلایا تھا۔“

”میں کہتی ہوں.... کیا بے تکی....!“

”تم چپ رہو۔“ سرفیروز گر جا۔ ”یقیناً پھوڑا بن رہا ہے۔ انتہائی خطرناک ڈاکٹر فوراؤ کوئی تیری ہونی چاہئے۔“

”فی الحال تھروٹ پینٹ لگا کر دیکھتا ہوں۔“ ڈاکٹر اپنے بیگ سے کسی دھات کی سلامی نکال کر اس کے سر پر روئی لپیٹا ہوا بولا۔

”میں کہتی ہوں۔“

”پھر وہی بکواس.... خاموش رہو۔“ سرفیروز نے پھر اسے ڈاٹ دیا۔ ڈاکٹر روئی کی بھریری میں ڈب کر لڑکی کی طرف بڑھا۔

”منہ کھولنے۔“

لڑکی نے منہ کھول دیا اور تھروٹ پینٹ کی بھریری اس کے حلق میں اترنی چلی گئی۔ اسے اور کائی آگئی اور ڈاکٹر اچھل کر پیچھے ہٹ گیا۔ لڑکی اسے دھکا دیتی ہوئی اٹھ کر بھاگی۔

”میں عاجز آگئی ہوں ان لڑکیوں سے۔“ سرفیروز نے پیشانی پر ہاتھ مار کر کہا۔

”یہ دونوں بھی کچھ بیماری نظر آہی ہیں۔“ سیکریٹری نے لقمہ دیا۔

”جہنم میں جائیں۔“ سرفیروز نے اسامنہ بناؤ کر بولا۔ ”لیکن تم کون ہو۔“

”اوہو.... میں تو آپ کا سیکریٹری ہوں۔“

”تو یہاں بیٹھے کیوں جھک مار رہے ہو۔ میرے ساتھ آؤ.... اور ڈاکٹر اس کے لئے تم؟ مناسب سمجھو کرو۔ یہ لڑکیاں میرے بیس سے باہر ہو گئی ہیں۔“

وہ سیکریٹری کو اپنے ساتھ آنے کا اشارہ کرتا ہوا آگے بڑھ گیا۔

دونوں آگے پیچھے ایک کمرے میں داخل ہوئے۔ اس کمرے کی وضع بھی انوکھی تھی۔ بالکل ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے یہ کسی کمہار کی دوکان ہو۔ ہر طرف مٹی کے کھلونوں کے ڈھیر لگے ہو۔ تھے۔ میز پر کھلونے۔ صوفوں پر کھلونے۔ فرش پر کھلونے۔ الماریوں میں کھلونے اور یہ سب مٹ کے تھے۔

”بیٹھ جاؤ۔“ سرفیروز نے ایک صوف کی طرف اشارہ کیا۔

سیکریٹری نے مٹی کے کھلونے ایک طرف کھکھا دیئے اور بیٹھتا ہوا بولا۔ ”آج موں ن آواز آئی۔“

ٹھہر اور مینڈھ

رات کھراؤ دھتی۔ سردی سے درود پوار تک ٹھہرے ہوئے تھے۔ ابھی زیادہ وقت نہیں گذراتا ہائیکن پھر بھی شہر کی روشنی پر اضمال اور پر سردگی کا جملہ ہو چکا تھا۔ شاہراہوں پر کہر میں پٹا ہوئی روشنی اور لمحتی سی معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن شراب خانے، ہوٹل اور نائب کلب اب بھی آباد تھے ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے شاہراہوں کی رو رکھتے کر ان عمارتوں میں اتر آئی ہو۔

فتپاٹھ قریب قریب دیران ہو چکے تھے۔ فرینکلن بار کے سامنے والے فٹپاٹھ پر ایک دراز تدر آدمی دیرے سے کھڑا شامنڈ کسی کا منتظر تھا۔ اس کے جسم پر سیاہ رنگ کا لمبا کوت تھا اور سر پر غالوی وضع کا گہرائیلا قلت ہیت۔

ٹھوڑی دیر بعد ایک کار آکر اسی کے قریب رک گئی۔

”تمہت انتظار کر لایا یہی ذوبی۔“ وہ آدمی کار کی اگلی نشست کا دروازہ کھو لتا ہوا بولا۔

”ہاں مجھے پدرہ منٹ تک ایک ضروری کام میں الجھا رہتا پڑا۔“ کار کے اندر سے ایک مترجم نے آواز آئی۔

وہ آدمی زوبی کے برابر بیٹھ گیا اور کار پھر جل پڑی۔ زوبی ہی کار ڈرائیور کو رہی تھی اس کی، پچیس اور تیس کے درمیان رہی ہوگی۔ خاصی پُرکشش عورت تھی تھوڑے سے بال ہیشہ اس (پیشانی پر بکھرے رہتے تھے۔ رہن سہن کے طریقے سے خود کو اعلیٰ کام ظاہر کرنے کی عادی تھی) ہمیشہ اعلیٰ قسم کا لباس بے ڈھنگے پن سے استعمال کرتی تھی۔ زیورات کی بھی شائق تھی۔ لیکن پیشہ اعلیٰ قسم کے سنتے چل ہوا کرتے تھے۔

”آج کہاں چلتا ہو گا۔“ مرد نے پوچھا۔

”ابھی مجھے نہیں معلوم۔“ زوبی نے جواب دیا۔

”میں اکثر سوچتا ہوں لیڈی زوبی...!“

”کیا سوچتے ہیں۔“

”طااقت کے متعلق....!“

”فضول ہے۔ طاقت ایک تنظیم کا نام ہے۔“ زوبی نے کہا۔ ”جو لوگ اسے کسی ایک فرد ممنوب کرتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔“

”لیڈی زوبی! احکامات تو کسی فرد واحد ہی سے ملتے ہیں۔“

”ہر تنظیم کا ایک سربراہ ہوا کرتا ہے۔“

”وہ کون ہے۔“

”ہو گا کوئی۔ اس سے غرض ہی کیا ہے۔“

”میرا تو خیال ہے کہ ہم گیارہ آدمیوں میں سے ایک یقیناً سربراہ ہے۔“ مرد نے کہا۔

”مجھے یقین ہے.... کہ آپ غلطی پر ہیں۔“

”کیوں.... میں غلطی پر کیوں ہوں۔“

”ہم گیارہ کی موجودگی میں بھی اس کی آوازِ انسمیر میں سنائی دیتی ہے۔“ زوبی نے کہا۔

”مرد نے کوئی جواب نہیں دیا۔ کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر اس نے کہا۔“ لیڈی زوبی نے

”تو ہو سکتا ہے کہ ہم اس کے پیغامات کے ریکارڈِ انسمیر وں پر سنتے ہیں۔“

”ہو گا.... ہمیں اس سے بحث ہی کیوں ہو۔“ زوبی نے لاپرواٹی سے کہا۔

”لیڈی زوبی۔ میں اکثر سوچتا ہوں اگر وہ ہمیں پھنسا کر خود کبھی الگ ہو گیا تو۔“

”آپ کے خیالات.... مجھے افسوس ہے۔ افسوس کی بات ہے اگر گیارہ بڑوں میں سے کوئی

تم کے خیالات کا انہصار کرے۔“

”ہاں واقعی افسوس کی بات ہے۔“ مرد نے کہا۔ ”لیکن.... کیا یہ ممکن نہیں کہ مجھے گیارہ

وں کی فہرست سے نکال دیا جائے۔“

”یہ آپکی مرخصی پر مخصر ہے۔ اگر کہجے تو آج ہی کی مینگ میں اس معاملے کو پیش کروں۔“

”مگر اس کا رد عمل کیا ہو گا۔“

”آپ کی علیحدگی۔“

”مجھے اس میں شہمہ ہے۔“ مرد بولا۔

”کیوں؟ کیا شہمہ۔“

”ممکن ہے آپ لوگوں کو خیال ہو کہ میں علیحدگی اختیار کرنیکے بعد طاقت کا راز فاش کر دوں۔“

”زوبی بہنے لگی۔“

”یہ تنظیم اتنی کچی نہیں ہے۔ آپ بہوت کہاں سے فراہم کریں گے۔ کیا لیڈی زوبی کے

دارپر کوئی شہمہ کر سکے گا۔ کیا نو بڑے آدمیوں کے متعلق کوئی ایسا سوچ سکے گا۔ ہرگز نہیں۔ اگر

پنے ہمارے متعلق کچھ کہنا بھی چاہتا تو لوگ آپ کو پاگل سمجھیں گے۔“

مرد بھی کسی سوچ میں پڑ گیا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”اچھا

لیزو بی میں شکر گزار ہوں گا اگر آپ گیارہ بڑوں کی فہرست سے میرا نام خارج کر سکیں۔“

”ہو جائے گا۔ مطمئن رہئے۔ لیکن میں تنظیم سے اس بیزاری کی وجہ ضرور پوچھوں گی۔“

”بیزاری نہیں ہے۔ اگر مجھے سربراہ کی شخصیت کا علم ہو جائے تو میں تنظیم کے لئے جان

مارے سکتا ہوں۔“

”سربراہ کی شخصیت تنظیم کے بغیر کوئی اہمیت نہیں رکھتی۔ ہم سربراہ کے نہیں تنظیم کے

”اوار میں سربراہ کوئی بھی ہو۔“

”یہ بات نہیں.... آخر وہ کھل کر سامنے کیوں نہیں آتا۔“

”یہ بھی تنظیم ہی کا ایک جزو ہے۔“

”اک کایا مطلب ہوا کہ سربراہ کو ہم پر اعتماد نہیں ہے۔“ مرد بولا۔

”میں ضرور ملوں گا لیڈی زوبی۔“

”آپ واقعی اس قابل نہیں ہیں کہ آپ کا شمار تنظیم کے بڑوں میں کیا جائے۔“

”اوہ.... ہم غالباً دوسری منزل پر پہنچ گئے۔“ زوبی نے کہا۔ کار ایک گلی میں داخل ہو رہی تھی۔ تھوڑی دور چل کر زوبی نے کار روک دی پھر اُس نے سامنے والے مکان کے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ ”اس دروازے پر تین بار دستک دیجئے۔ ہمیں سے ہمیں مینٹگ کے مقام کا پتہ معلوم ہو گا۔ ذرا جلدی سمجھئے۔“

”میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔“

”تنظیم کے سربراہ کی شخصیت ہمیشہ پر دہ راز میں رہے گی وہ بھی عام آدمیوں کے ابھی وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ ایک چین بلند ہوئی اور نہیں آئے گا کیونکہ عمومیت آدمی کو بے وقت کر دیتی ہے۔ لوگوں پر نہ انسانیت حکومت زوبی کی کار فرائی بھرتی ہوئی گلی پار کر گئی۔“

”تھہار انام گیراہ بڑوں کی فہرست سے خارج کر دیا گیا۔“ زوبی نے پر سکون لجھ میں بڑا بائی جھکائے رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے اس لئے ہماری تنظیم کا سربراہ محل کر کبھی سامنے نہ آئے؟ اور اس کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔“

”تو وہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔“ مرد نے پوچھا۔

”کر رہا ہے۔ ملک پر اس کے علاوہ اور کس کی حکومت ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔“ ”غرام“ کے نام کی تختی گلی ہوئی تھی۔

”وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آئی۔ بیہاں ایک ملازم نے اسے اور کوٹ اتارنے میں مدد ہی اور دوسرا نوکر اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے نو آدمی موجود تھے۔ نصرت خان اعلان کبھی نہ ہو سکے گا۔“

”مگر.... وزیر تجارت تو بہر حال پہنچ گیا۔“

”پرواد نہیں.... کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ نئی تجارتی پالیسی فائلوں ہی رہ جائے گی۔“

”میرا خیال ہے کہ اب کار وائی شروع کر دی جائے۔“ ایک آدمی بولا۔ ”وقت ہو گیا ہے اب گیارہ ہوں کا انتظار کب تک کیا جائے گا۔“

”ٹھیک ہے۔“ نصرت خان بولا۔ وہ زوبی کی طرف دیکھ کر عجیب انداز میں مسکرا یا تھا۔

”مینٹگ کا مقصد....!“ نصرت خان نے آہستہ سے کہا۔ ”اس کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ نئی تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کے لئے کوئی موثر قدم اٹھایا جائے۔“

”سب سے پہلے ہم پچھلی رات والے جملے کی ناکامی کے اسباب معلوم کرنا چاہیں گے۔“

”ایک آدمی نے کھڑے ہو کر کہا اور پھر بیٹھ گیا۔“

”اُس دو اتفاق کو نہ چھیڑا جائے تو بہتر ہے۔“ نصرت خان کی پیشانی پر بل پڑ گئے۔

”کیوں....؟“ مرد کے لجھے میں تحریر تھا۔

”آپ تنظیم کے بنیادی فلسفے ہی سے واقف نہیں ہیں۔“

”میا تنظیم کا کوئی فلسفہ بھی ہے۔“ مرد کے لجھے میں طنز تھا۔

”قطیعی ہے اور اس کا تعلق برادر است تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے ہے۔“

”میں ضرور معلوم کرنا چاہوں گا۔“

”تنظیم کے سربراہ کی شخصیت ہمیشہ پر دہ راز میں رہے گی وہ بھی عام آدمیوں کے ابھی وہ دروازے کے قریب بھی نہیں پہنچا تھا کہ پے در پے دو فائر ہوئے۔ ایک چین بلند ہوئی اور نہیں آئے گا کیونکہ عمومیت آدمی کو بے وقت کر دیتی ہے۔ لوگوں پر نہ انسانیت حکومت زوبی کی کار فرائی بھرتی ہوئی گلی پار کر گئی۔“

”ہے نہ شرافت بلکہ خوف حکومت کرتا ہے۔ اندیشی شخصیتوں کا خوف ہی لوگوں کو اُسے خارج کر دیا گیا۔“ زوبی نے پر سکون لجھ میں بڑا بائی جھکائے رکھنے پر مجبور کر سکتا ہے اس لئے ہماری تنظیم کا سربراہ محل کر کبھی سامنے نہ آئے؟ اور اس کی کار سنسان سڑک پر دوڑتی رہی۔“

”تو وہ حکومت کرنا چاہتا ہے۔“ مرد نے پوچھا۔

”کر رہا ہے۔ ملک پر اس کے علاوہ اور کس کی حکومت ہے جو وہ چاہتا ہے وہی ہوتا ہے۔“ ”غرام“ کے نام کی تختی گلی ہوئی تھی۔

”وہ کار سے اتر کر برآمدے میں آئی۔ بیہاں ایک ملازم نے اسے اور کوٹ اتارنے میں مدد ہی اور دوسرا نوکر اسے اس کمرے میں لے گیا جہاں پہلے ہی سے نو آدمی موجود تھے۔ نصرت خان اعلان کبھی نہ ہو سکے گا۔“

”مگر.... وزیر تجارت تو بہر حال پہنچ گیا۔“

”پرواد نہیں.... کوئی دوسرا طریقہ اختیار کیا جائے گا۔ نئی تجارتی پالیسی فائلوں ہی رہ جائے گی۔“

”مرد تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا رہا پھر ہنسنے لگا۔“

”لیڈی زوبی۔ میں ابھی تک مذاق کر رہا تھا۔“ تنظیم سے علیحدگی کا ارادہ نہیں رکھتا، سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔ لیکن اس کا افسوس ضرور ہے کہ ابھی تک میں تنظیم کے بنیادی سے ناواقف تھا۔“

”خیر.... کوئی بات نہیں۔ بہتیرے ناواقف ہیں بات دراصل یہ ہے کہ ہمارا دشود نہیں۔ بہر حال اگر آپ مزید معلومات چاہتے ہیں تو کبھی اطمینان سے ملے تب میں آپ گی کہ یہ تنظیم کتنی ہے گیر اور ٹھوس ہے۔“

”میں بتاتی ہوں۔“ زوبی نے کہا۔ ”یہ سب کچھ ایک نامعقول آدمی کی دھل اندازی کی بارہ ہوا تھا۔ ورنہ حملے کی کامیابی میں شبہ بھی نہ کیا جاسکتا۔“

”وہ آدمی تو آئندہ بھی روزے انکاتا رہے گا۔“ سوال کرنے والے نے کہا۔ ”آس کے لئے بھی کچھ سوچا جائے گا۔“ زوبی نے جواب دیا۔

”مگر....!“ ایک دوسرے آدمی نے کہا۔ ”کیا وہ سازش سے پہلے ہی باخبر ہو گیا تھا۔“ ”یہ ناممکن ہے۔“ نصرت خان غرایا۔

”پھر کیا وہ.... کسی غیر انسانی وقت کا مالک ہے۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ جو ملابس میں انہیں کے سامنے اسکیم رکھی جا سکتی ہے۔“

”چیخ کرنے کا منتظر ہی رہا ہو۔“

”محض اتفاق!“ زوبی نے کہا۔

نصرت خان غصے میں بھن رہا تھا لیکن زوبی بار بار اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی تھی۔ ”وہاں کامی کا تذکرہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ زوبی چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔“

”در اصل ہم سے شروع ہی میں غلطی ہوئی۔ تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کا طراز تھا۔“ اس طرح کام کرنا چاہئے کہ ملک میں ہر اس نہ پہلیے اس طرح ہم فریڈی ہی ہمیں تعریف لائیں گے اور بقیہ حضرات اگر اسے بے اعتمادی تصور کریں تو یہ ان کی زیادتی ہو گی آدمیوں کی بھی نظر سے بچ رہیں گے۔“

اس جملے پر نصرت خان نے جھلا کر کچھ کہنا چاہا لیکن زوبی نے اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیا۔ ”اب میرے ذہن میں ایک دوسری اسکیم ہے۔“ زوبی پھر بولی۔ ”میرا دعویٰ ہے کہ اگر کامیاب ہو جائے تو نی تجارتی پالیسی کا مسودہ کسی روڈی فروش کی دوکان ہی پر بکشے گا اور ہم کسی کو منظراً عام پر بھی آنے کی ضرورت نہ پیش آئے گی۔“

”پہلے ہی وہی اسکیم بنائی ہوتی۔“ کسی نے زوبی سے کہا۔

”غلطیاں آدمی ہی کرتے ہیں۔“ زوبی خشک لبھ میں بولی۔ لیکن اس کا مودہ جلد ہی ہو گیا۔ وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر اس نے کہا۔ ”اگر ہماری حکومت کے تعلقات ایک ملک

خراب ہو جائیں تو نی تجارتی پالیسی کو بے بی کی موت مرتا پڑے گا۔“

ان میں سے ایک آدمی ہٹنے لگا۔

”میں آپ کی بھی کامطلب نہیں سمجھی۔“ زوبی نے کہا۔

”چچے نہیں.... آپ بیان جاری رکھئے۔“ آس نے جواب دیا۔

”زوبی نے اپنے شاونوں کو لا پر وائی کے اٹھار میں جنش دی اور بولی۔“ سوال پیدا ہوتا ہے کہ نعلقات کیسے خراب کرائے جائیں۔ طریقہ نہایت آسان ہے لیکن طریقہ صرف ان حضرات کو بلدا جائے گا جو اس کے لئے کچھ کام کر سکیں۔“

”طریقہ معلوم کئے بغیر ہم کام کرنے کا اندازہ کیسے کر سکتے ہیں۔“ ایک آدمی بولا۔

”یہ میں جانتی ہوں کہ آپ میں سے کون اس کے لئے مناسب ہے۔ بہر حال جو لوگ

”پھر کیا وہ.... کسی غیر انسانی وقت کا مالک ہے۔ یہ تو بالکل ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے وہ جو ملابس میں انہیں کے سامنے اسکیم رکھی جا سکتی ہے۔“

”پھر ہم سب کو بلانے کی کیا ضرورت تھی۔“ ایک نے جھلانے ہوئے لبھ میں کہا۔

”فاتح کا حکم۔“ زوبی آہستہ سے بولی۔

پھر اس پر کسی کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں نکلا۔

نصرت خان غصے میں بھن رہا تھا لیکن زوبی بار بار اس کے ہاتھ پر ہاتھ رکھ دیتی تھی۔ ”وہاں

”کامی کا تذکرہ نہیں سننا چاہتا تھا۔ زوبی چند لمحے خاموش رہی پھر اس نے کہا۔“

”در اصل ہم سے شروع ہی میں غلطی ہوئی۔ تجارتی پالیسی کے اعلان کو روکنے کا طراز

ناقص تھا۔“ اس طرح کام کرنا چاہئے کہ ملک میں ہر اس نہ پہلیے اس طرح ہم فریڈی ہمیں

آدمیوں کی بھی نظر سے بچ رہیں گے۔“

”یہ کہہ دو آج تک ہمارے سامنے نہیں آیا۔“

”نہیں.... یہ بات نہیں.... ہم مطمئن ہیں۔“ سب نے یک زبان ہو کر کہا۔

”پھر دیر ملک ادھر ادھر کی باتیں ہوتی رہیں۔ پھر مجسیں برخاست ہو گئی۔“ زوبی کے علاوہ

”بڑے گئے۔“

”ضرغام خاموش بیٹھا زوبی کو گھورا تھا۔“

”تمہاری یزیر مزاجی سے میں بچ گئی ہوں۔“ زوبی اٹھلائی۔

”چپ رہو۔ پتہ نہیں کیوں میں تمہارا اتنا خیال کرتا ہوں۔“ نصرت غرایا۔

”نہیں ضرغام ڈیر اغصہ اچھی چیز نہیں۔“

”پرانی شمشاد کیوں نہیں آیا۔“ ضرغام نے پوچھا۔

”میں نے اس کا نام فہرست سے خارج کر دیا ہے۔“ زوبی نہ پڑی۔ ”احتیاڑ ایک فائز اور

”ضرغام.... اپنی زبان بند کرو۔ مجھے ذر ہے کہ کہیں میری محنت....!“
”خاموش رہو۔ کیا تم مجھے بھی پرنس شمشاد سمجھتی ہو۔“
”میں طاقت کے لئے توہین آمیز الفاظ نہیں سن سکتی۔“

دوسرے لمحے میں زوبی کے داہنے گال پر ایک زوردار تھپڑا اور وہ کرسی سے لٹک گئی۔
نصرت خان اسے بالوں سے پکڑ کر دوبارہ اٹھاتا ہوا بولا۔ ”میں بد تیز محبوباؤں سے اسی طرح
پہن آتا ہوں۔“

”ہاں.... ہاں.... مارو....!“ زوبی بائیتی ہوئی بولی۔ ”رک کیوں گے۔ اُس وقت تک مارتے
روجہب تک میں مرنا جاؤں لیکن طاقت....!“
”طاقت....!“ اس کے گال پر دوسرا تھپڑا۔



گیارہ بجے زوبی اپنی کو سمجھی میں واپس آئی۔ اُس کا موڈ بہت زیادہ خراب تھا۔ اُسے اپنے گالوں
پر اتنا پوڑا اور روڑ تھوپنا پڑا تھا کہ اپنی ٹھکل سے خود ہی گھن آنے لگی۔ لیکن یہ نہ کرتی تو نصرت
فال کی انگلوں کے نشانات کس طرح چھپتے۔

جیسے ہی اُس نے رہا دری میں قدم رکھا ابے عجیب قسم کا شور سنائی دیا۔ یہ اس کے لئے ایک
نانی بات تھی۔ اُس کے قدم آواز کی طرف اٹھنے لگے۔

اور پھر ہاں میں اُس نے ایک عجیب منظر دیکھا۔ وسط میں دو مینڈھے ایک دوسرے کو ٹکرمار
رہے تھے۔ ایک سرے پر سر فیروز کھڑا تھا اور دوسرے سرے پر ایک نوجوان جسے زوبی نے اس سے
پہلے کہی نہیں دیکھا تھا۔ سر فیروز کی تینوں سمجھیاں، عالیہ، شہزاد اور نوشابہ بھی وہاں موجود تھیں۔

”پکڑیے۔“ دھنعتا نوجوان نے لکار کر کہا۔ ”پکڑیے... جناب آپ کا مینڈھا فاؤں کر رہا ہے۔“

”اُسے جاؤ جاؤ۔“ سر فیروز زہا تھہ ہلا کر بولا۔ ”تمہارا خود فاؤں کرتا ہو گا۔“

لڑکیاں زوبی کے نزدیک آگئیں۔

”ہے کیا ہو رہا ہے۔“ زوبی نے پوچھا۔

”مینڈھے لڑ رہے ہیں۔“ نوشابہ بولی۔

”یہ تو میں بھی دیکھ رہی ہوں۔ گریہ بالکل نی ہر کت ہے۔ یہ آدمی کون ہے۔“

کر دیا تھا۔ مجھے یقین ہے کہ صبح اس کی اکڑی ہوئی لاش ملے گی۔“

”اسی لئے بڑھ بڑھ کر باتیں کر رہی ہو۔“ نصرت خان نے ناخوش گوار لجھ میں کہا۔

”نہیں ڈیزیر! مجھے طاقت سے جو حکم ملتا ہاں کے مطابق....!“

”طاقت....!“ ضرغام تسلیخ آمیز انداز میں ہنسا۔ ”میرے سامنے یہ مصلحہ خیز نام نہ دہرایا کرو۔“

”ضرغام میں تمہیں بہت چاہتی ہوں۔ لیکن طاقت کے خلاف ایک لفظ بھی نہیں سن سکتا۔“

”تم کیا کرو گی میرا....!“ ضرغام غرایا۔

”میں تم سے درخواست کروں گی کہ طاقت کا احترام کرنا سیکھو۔“

”جب میں کتنے کے پلے کا بھی احترام کروں گا کیونکہ اب میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو گیا ہوں۔“

”کیوں....؟“

”میرا انشاہ خطا کرنے لگا ہے۔“

”فضول بک رہے ہو۔ اگر فریدی اسے دھکیل نہ دیتا تو تمہارا خیز ٹھیک سینے ہی پر اترنا۔“

”فریدی....!“ نصرت خان دانت پیس کر رہ گیا۔

”پرنس جپاں کا کہنا کسی حد تک صحیح معلوم ہوتا ہے۔ شاہد فریدی ہماری راہ پر ہے۔“

”کسی طرح ہماری اسکیم کا علم ہو گیا تھا۔“

”اب میری راہ....! تم لوگوں سے الگ ہو گئی ہے۔“ نصرت خان بولا۔ ”تم تجارتی پا

کے چکر میں ہو.... اور میرا اشکار.... میں اُسے ہر حال میں مارڈا لوں گا۔“

”کے.... فریدی کو۔“

”ہاں.... میں اسے....!“

”ٹھہرہ! ضرغام میری بات سنو۔ اگر اس سے بھڑے بغیر ہی ہمارا کام چل جائے تو ہمیں

سے بھڑنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔ اس طرح ہو سکتا ہے کہ ہمارے کام میں رکاوٹ پڑے۔“

فریدی کے ایک نہیں ہزاروں دشمن ہیں لیکن آج تک اسے کوئی بھی ٹھکانے نہیں لگا سکا۔ جو

سے بھڑا خود فتا ہو گیا۔ شہر کے بُرے آدمی اُسے ”ہزار آنکھوں“ والے کے نام سے یاد کرے۔

ہیں۔ تم اس سلسلے میں طاقت سے مشورہ کئے بغیر کوئی قدم نہ اٹھانا۔“

”میں تمہارے طاقت کی طرح چوہا نہیں ہوں۔“

آنکھوں میں کوئی ایسی بات نہیں دکھائی دی تھی جو اس کے دامنی خل کی طرف اشارہ کرتی۔ وہ
بونچنے لگی۔ ممکن ہے عالیہ ہی کا خیال درست ہو۔

وہ بڑی دیر تک اپنی خواب گاہ میں ٹھہر رہی۔ کوئی نہیں پر سکوت مسلط ہو چکا تھا۔ مینڈھوں کی
لڑائی شاید ختم ہو چکی تھی۔

تھوڑی دیر بعد وہ زبردستی آنکھیں چھاڑ پھاڑ کر نیند سے چیچا چھڑانے کی کوشش کر رہی
تھی۔ ساتھ ہی پار بار گھری کی طرف بھی دیکھتی جا رہی تھی۔

پھر ٹھیک ڈیڑھ بجے اٹھ کر ایک بڑا ساصندوق کھولا۔ اس میں سے ایک عجیب وضع کی مشین
خالی اور اس کا پلگ سونچ بورڈ پر نصب کر دیا۔ مشین سے ایک ریسیور بھی مسلک تھا۔ پلگ لگاتے
ہی مشین چل پڑی تھی۔

”پہلو....!“ زوبی نے ماڈھ تھیں میں کہا اور مشین میں تیزی سے گردش کرنے والی ایک
چمنی روشن ہو گئی۔

”زوبی....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”کیا خبر ہے۔“

”سب ٹھیک ہے جناب۔ کل میں نے ان تین آدمیوں کو برکلے ہاؤز میں طلب کیا ہے جن
کے متعلق آپ نے ہدایت دی تھی۔“

”ٹھیک ہے.... اور کوئی خاص بات۔“

”گیارہ بڑوں میں سے ایک کم ہو گیا ہے۔ وہ آپ کے متعلق شہبات میں بتلا تھا اس لئے
میں نے اس ختم کر دیا۔“

” غالباً تم پر نہ شمشاد کی بات کر رہی ہو۔“

”مگر ہاں.... وہی تھا۔“

”لیکن وہ زندہ ہے۔ بہت چالاک آؤ ہے۔ خیر میں اسے دیکھوں گا۔ تمہاری ایک بھی گولی
اک کے نہیں گی۔ تم پر وہ مت کرو۔ اس کا خیال ہی ترک کرو۔ وہ تنظیم کا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔“

ٹھوٹ کھال سے مہیا کرے گا اور یہ اچھا ہی ہوا کہ وہ فتح گیا۔ میں فی الحال کشت خون نہیں چاہتا۔
تمہاری پالیسی سے پہنچنے کے بعد دیکھا جائے گا۔ لیکن ضر غام پر کڑی نظر رکھنا۔.... سمجھیں.... اچھا
ہے۔.... شب بختیر....!“

”چچا کا نیا سیکریٹری....!“ شہرزاد نے کہا۔ ”پہلے سیکریٹری بھاگتے تھے مگر اب شاید
سیکریٹری کی وجہ سے ہم سب کو گھر چھوڑ کر جانا پڑے گا۔“

”ویکھئے آپ کا مینڈھازیاری کر رہا ہے۔“ سیکریٹری جلا کر بولا۔
”کون سا....؟“ سرفیروز نے پوچھا۔

”وہ.... چنکبرا....!“ سیکریٹری نے جواب دیا۔
”اے.... کبو نہیں.... وہ تمہارا ہے۔“

”ہرگز نہیں آپ کا ہے۔“
”پھر وہی بکواس۔ میں کہتا ہوں وہ تمہارا ہے۔“

”اچھا تابت سمجھنے کے وہ میرا ہے۔“
”تابت ہو گیا.... چلو ٹھیک ہے۔“

”آپ ٹھیک سمجھتے ہیں تو ٹھیک ہی ہو گا۔“ سیکریٹری نے بے بسی سے کہا۔
اس دوران میں شہرزادوں کو عالیہ کے حلق میں تحریث پینٹ لگنے کا لطفیہ سناتی رہی۔
نے یہ بھی بتایا کہ نے سیکریٹری نے سرفیروز کو مشورہ دیا ہے کہ کوئی کاکی گوشہ نہیں۔
مکھلوں سے خالی نہ رہے۔ چنانچہ کل سے اس پر عملدر آمد شروع ہو جائے گا۔

”یہ آخر ہے کون.... کہاں سے آیا ہے؟“ زوبی بڑا بڑا۔
”مجھے تو کوئی کاچھ اسٹوڈنٹ معلوم ہوتا ہے، جو تفریق اور وقت گذاری کے لئے یہاں آئے
ہے۔“ عالیہ نے کہا۔

زوبی تشویش آمیز نظروں سے سیکریٹری کو دیکھتی رہی۔

”زوبی....!“ دھنکا سرفیروز نے اسے آواز دی۔

”فرمائیے۔“ زوبی کا بچہ تغیر آمیز تھا۔

”میں نے تمہارے لئے بھی ایک مینڈھا نگویا ہے۔“
زوبی کچھ کہے بتیر ہال سے چلی گئی۔ وہ سیکریٹری کی وجہ سے الجھن میں پڑ گئی تھی۔ وہ
ری تھی کہ خلے طبقے کے لوگ بڑے آدمیوں کے کتوں سے بھی بے تکلف ہونے کی ہمت
رکھتے۔ آخر یہ ہے کون۔ دیسے سرفیروز کی طرح وہ بھی اسے دیوانہ ہی معلوم ہوا تھا مگر اس

دوسرا طرف سے سلسلہ مقطوع ہو گیا۔

سکلمہ ساز

”لیکن کیوں ہوا... کس طرح ہوا۔“
”آپ کے اختلافات....!“
”تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وزیر تجارت کی مخالفت کرنے والے مضبوط نہیں ہیں ورنہ
”تجارتی پالیسی مرتب ہی نہ ہو پاتی۔“

کرمل فریدی نے کافندات ایک طرف رکھ دیئے اور پھر اٹھنے کا ارادہ کر ہی رہا تھا کہ میر رکھے ہوئے فون کا بزر بول اٹھا۔ اس نے رسیور اٹھایا۔ آئی جی کے آفس سے طبی ہوئی تھی ”اب یہ بات ماننی پڑے گی کہ کچھ لوگ اس پالیسی کے حق میں نہیں ہیں ورنہ قبل از وقت وہ فریدی نے رسیور رکھ کر سگار کو ایش ٹرے میں مسلسل ہوئے جماعتی اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہو مظہر عالم پر کیوں آجائی۔“ ”یہ بھی مانتا ہوں لیکن وزیر تجارت کی موت کی بنا پر تجارتی پالیسی کا اعلان کیسے رک جاتا کرے سے نکل گیا۔“ ”یہ بھی درست ہے۔“ ”یہ بھی درست ہے۔“

آئی جی کے اردی نے اس کے لئے دروازے کی چنِ اٹھائی اور وہ اندر چلا گیا۔ ”آئی جی تھا تھا اور اچھے موڑ میں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے مکرا اپنے سر کو خفیض سی جنبش دی تھی۔“

”وزیر تجارت کی پارٹی بہت مضبوط ہے اور اس استحکام کی وجہ خود وزیر تجارت کا ذاتی اثر ہے۔ اگر وہ ختم ہو جائیں تو پارٹی میں پھوٹ پڑ جائے گی اور پھوٹ پڑ جانے کے بعد تجارتی پالیسی کا کیا تم مجھے نہیں بتاؤ گے کہ تمہیں سازش کا علم کیوں نکر ہوا تھا۔“ آئی جی نے مسکرا کر پچھا جو شر ہو گا.... ظاہر ہے۔“ ”آپ یقین کیجیے کہ مجھے صرف شبہ تھا۔“ ”شبے کی آخر کوئی وجہ ہوتی ہے۔“

فریدی نے شبے کی وجہ دہرا دی جس کا تذکرہ وہ حمید سے بھی کرچکا تھا۔ ”ڈی۔ آئی۔ جی تھوڑی دریکھ کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔“ ”اگر شبے کی وجہ صرف اتنی کی ہے مجھے کہنے دو کہ کوئی غیبی قوت تھا میری مدد کرتی ہے۔“ ”غیبی قوت تو سب کی مدد کرتی ہے لیکن.... کیا شبے کی وجہ جاندار نہیں ہے۔“ ”نہیں! میرا خیال ہے کہ نہیں۔ بھلا دوزیر تجارت کی موت سے تجارتی پالیسی پر کیا اثر پڑے۔“ ”اس کا اعلان تو بہر حال ہو جائے گا۔“

”اس کا اعلان غیر سرکاری طور پر تو ہو ہی چکا ہے۔ آخر سرکاری اعلان سے پہلے وہ مظہر پر کیوں اور کس طرح آگئی۔“ ”ہاں یہ تو ہوا ہے اور اس کے سلسلے میں تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔“

”لیکن کیوں ہوا... کس طرح ہوا۔“

”آپ کے اختلافات....!“

”تو آپ کو یہ بھی ماننا پڑے گا کہ وزیر تجارت کی مخالفت کرنے والے مضبوط نہیں ہیں ورنہ
”تجارتی پالیسی مرتب ہی نہ ہو پاتی۔“

”یہ بھی درست ہے۔“ ”یہ بھی درست ہے۔“ ”اب یہ بات ماننی پڑے گی کہ کچھ لوگ اس پالیسی کے حق میں نہیں ہیں ورنہ قبل از وقت وہ فریدی نے رسیور رکھ کر سگار کو ایش ٹرے میں مسلسل ہوئے جماعتی اور سر پر ہاتھ پھیرتا ہو مظہر عالم پر کیوں آجائی۔“ ”یہ بھی مانتا ہوں لیکن وزیر تجارت کی موت کی بنا پر تجارتی پالیسی کا اعلان کیسے رک جاتا کرے سے نکل گیا۔“ ”اس پر روشنی ڈالو۔“ ”آئی جی تھا تھا اور اچھے موڑ میں معلوم ہوتا تھا۔ کیونکہ فریدی کو دیکھتے ہی اس نے مکرا اپنے سر کو خفیض سی جنبش دی تھی۔“

فریدی اس کا اشارہ پا کر بیٹھ گیا۔ ”آئی جی تھا تھا کہ تمہیں سازش کا علم کیوں نکر ہوا تھا۔“ ”آئی جی نے مسکرا کر پچھا جو شر ہو گا.... ظاہر ہے۔“ ”آپ یقین کیجیے کہ مجھے صرف شبہ تھا۔“ ”شبے کی آخر کوئی وجہ ہوتی ہے۔“ ”آئی جی تھوڑی دریکھ کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔“ ”اگر شبے کی وجہ صرف اتنی کی ہے مجھے کہنے دو کہ کوئی غیبی قوت تھا میرا مدد کرتی ہے۔“ ”غیبی قوت تو سب کی مدد کرتی ہے لیکن.... کیا شبے کی وجہ جاندار نہیں ہے۔“ ”نہیں! میرا خیال ہے کہ نہیں۔ بھلا دوزیر تجارت کی موت سے تجارتی پالیسی پر کیا اثر پڑے۔“ ”اس کا اعلان تو بہر حال ہو جائے گا۔“ ”اس کا اعلان غیر سرکاری طور پر تو ہو ہی چکا ہے۔ آخر سرکاری اعلان سے پہلے وہ مظہر پر کیوں اور کس طرح آگئی۔“ ”ہاں یہ تو ہوا ہے اور اس کے سلسلے میں تحقیقات بھی ہو رہی ہیں۔“

”بات اب سمجھ میں آگئی۔ اصلیت یہ ہے کہ مجھے سیاست سے کوئی دلچسپی نہیں۔ اسی لئے میں ان معاملات پر غور بھی نہیں کرتا۔“ ”ڈی۔ آئی۔ جی نے کہا۔۔۔ پھر ہنس کر بولا۔“ ”جہاں تم جیسا کام کرنے والے موجود ہو ہاں لا مخالف لیکیے لوگ ذہنی طور پر مقلوچ ہو کر رہ جائیں گے۔“ ”قطیعی نہیں جتاب اماتحنوں کو آفیروں ہی سے روشنی ملتی ہے۔“

”کچھ دریکھ فریدی خاموش رہا۔۔۔ پھر بولا۔“ ”اور یہ بھری عرض کر دوں کہ یہ ایک خفیہ تنظیم کی حرکت معلوم ہوتی ہے۔“ ”خفہ خفیہ خفیہ....!“ آئی جی نے خیرت سے دہرا دا اور سید حافظ کی مارکیٹ کے سلسلہ میں گرفتار کیا تھا۔“

”ہاں میں نے سنا تھا اور مجھے اس پر حیرت بھی ہوئی تھی کہ تم....!“

”وہ کیس بالکل فرضی تھا۔“

”میا مطلب...!“ آئی جی اُسے تیکھی نظروں سے گھورنے لگا۔

”جی ہاں! ضرور تایا کیا گیا تھا۔“ فریدی نے کہا اور پھر اسے پوری روشنی دہرانی پڑی۔

نے ان طلاقی سکون کا بھی تذکرہ کیا اور یہ بھی بتایا کہ نیا گراہوٹ کی بالائی گیلری میں بھی ایک پرس طلاقہ اور اُس سے ویسے ہی طلاقی سکے برآمد ہوئے تھے۔

”میا کسے تمہارے پاس ہیں۔“ آئی جی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔

”جی ہاں....!“ فریدی نے کہا اور تین چار سکے جیب سے نکال کر آئی جی کے سامنے ڈال ٹاش کے لئے جمع رہے ہیں۔ فی الحال مقدم چیز ہے بھی بھی.... سب سے پہلے تمہیں حملہ اور ہوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔“

”کوشش آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی دیتی اخلاقی نہیں رکھتا۔ میکن اس مقصد کو سامنے رکھ کر دوہزار روپے۔“

”جی ہاں! اب تک کام مشاہدہ تو ہی ہے۔ اُس لڑکی کو بھی دوہزار طے تھے اور حمید نے بھی ہی ہزار پائے۔“

”جلدی کر گیا۔“ آئی جی نے متساقانہ لمحے میں کہا۔

”اس وقت میں نے بھی یہی سوچا تھا کہ حمید نے جلدی میں کام بگاڑ دیا مگر اب سوچتا ہوں کہ“

”تجددی پالیسی کے خلاف سازش کو ناکام بنا لائے ہو سکتا ہے اس کوشش میں مجرم بھی ہاتھ آجائیں۔“

”کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔ ”یوں تو.... سارا ملکہ ہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں۔“

”یہ آپ کی عنایت ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کے اعتماد کو بھیں نہیں لگے گی۔“

”مجھے براور است حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔“

”ایسا یعنی ہو گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں اس کی تمام ترمذہ داری غفرنیب کی بڑی بھجن میں جتنا ہونے والے ہیں۔“

”حالات ایسے ہی ہیں.... اور.... میں اب ایک دوسرے خطرے کے امکانات پر بھی غور پر نہیں لے سکتا۔“

”کیا مطلب....!“

”لہذا کہ میں ہر معاملے میں آپ کے مشورے کا پابند رہوں گا۔“

”تمیک.... میں بھی چاہتا ہوں۔“

”جنگلی پالیسی کو تسلیم کر لیں تو کسی نئے خطرے کا امکان بدستور قائم رہتا ہے۔ کچھ نامعلوم افراد چاہئے ہیں کہ پالیسی کا اعلان نہ ہو سکے اب اس کیلئے وہ کوئی دوسرا طریقہ بھی استعمال کر سکتے ہیں۔“

”ہاں ہو سکتا ہے۔“

”میں اُسی دوسرے طریقے کے متعلق غور کر رہا ہوں۔“

”لیکن طریقے کے متعلق غور کرنے سے تو کام نہیں چلے گا۔ یہ بات بھی تم سے پوچھ دیں ہے کہ وزیر تجارت پر حملہ کی وجہ سے ملک میں ہر اس پھیل گیا ہے۔ اخبارات حملہ آور کی نہیں ہے کہ لئے جمع رہے ہیں۔ فی الحال مقدم چیز ہے بھی بھی.... سب سے پہلے تمہیں حملہ اور ہوں کو بے نقاب کرنے کی کوشش کرنی چاہئے۔“

”کوشش آپ جانتے ہیں کہ میں کوئی دیتی اخلاقی نہیں رکھتا۔ میکن اس مقصد کو سامنے رکھ کر دوہزار روپے۔“

”کیوں....؟“

”حملہ آور کو کچھ بھی لیات بھی سازشی اپنے مقصد میں کامیاب ہو جائیں گے اور اس سے ملک کو جو نقصان پہنچ گا اس کی تلافی ناممکن ہو گی۔“

”پھر تم کیا کرنا چاہئے ہو۔“

”تجددی پالیسی کے خلاف سازش کو ناکام بنا لائے ہو سکتا ہے اس کوشش میں مجرم بھی ہاتھ آجائیں۔“

”کچھ دیر تک خاموشی رہی پھر آئی۔ جی نے کہا۔ ”یوں تو.... سارا ملکہ ہی اس سلسلے میں کام کر رہا ہے۔ لیکن مجھے تمہارے علاوہ اور کسی پر اعتماد نہیں۔“

”یہ آپ کی عنایت ہے۔ خدا نے چاہا تو آپ کے اعتماد کو بھیں نہیں لگے گی۔“

”مجھے براور است حالات سے آگاہ کرتے رہنا۔“

”ایسا یعنی ہو گا۔ آپ مطمئن رہیں۔ یہ معاملہ ہی ایسا ہے کہ اس میں اس کی تمام ترمذہ داری

”خوب نہیں لے سکتا۔“

”کیا مطلب....!“

”لہذا کہ میں ہر معاملے میں آپ کے مشورے کا پابند رہوں گا۔“

”تمیک.... میں بھی چاہتا ہوں۔“

فریدی وہاں سے پھر اپنے آفس میں واپس آگیا۔ چند لمحے سگار سے شغل کرتا رہا پھر فور سے رسیور اٹھا کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا۔

”ہیلو... اوہ.... میں کرام رپورٹر انور سے ملتا چاہتا ہوں۔ شکریہ.... ہیلو... انور میر

فریدی بول رہا ہوں۔ کیا تم نے حالات پر اچھی طرح غور کر لیا.... ہوں.... ہوں.... اچھا۔ آج سات بجے ہائی سر کل نائنٹ کلب میں ملو... ہاں... ہاں... ٹھیک ہے۔“

رسیور کھڑک کر اس نے بچا ہوا سگار سلاگیا اور سر جنت رمیش کی طرف دیکھنے لگا جو اپنی ذمکر پر بیٹھا کچھ لکھ رہا تھا۔ انداز سے ایسا معلوم ہوا ہیسے وہ اُس سے کچھ کہنا چاہتا ہو۔ لیکن اُس نے اُس مقاطب نہیں کیا۔

کلاؤ نے چار بجائے اور فریدی نے میز پر چھلیے ہوئے کاغذات کو سمیٹ کر دراز میں رکھ دیا۔

”کیا تم ابھی یہ تو گے رمیش....؟“ اُس نے رمیش سے پوچھا۔

”جی ہاں.... مجھے کچھ کاغذات مکمل کرنے ہیں۔“

”اچھا.... اگر اس دوران میں میرا کوئی فون آئے تو پیغام نوٹ کر لیتا۔“

ٹھوڑی دیر بعد وہ کیڈی یلاک میں بیٹھا ہوا بندر گاہ کی طرف جا رہا تھا۔ اُس کے ذہن میں۔

شمار الجھادے تھے جن کی جھلک اُس کے چہرے پر بھی نظر آرہی تھی۔ لیکن بندر گاہ کے علا میں داخل ہوتے ہی اسکا چہرہ اس طرح بے سکون نظر آنے لگا جیسے یک بیک پانی سے بھرے ہو۔ بادلوں کے پھٹ جانے کے بعد آسمان پہلے سے بھی زیادہ نکھر، ستر اور نیلا نظر آنے لگتا ہے۔ اس نے ایک ایسی سڑک پر کیڈی روک دی جہاں کئی چھوٹے چھوٹے شراب خانے ہوئے۔

کار جس شراب خانے کے سامنے رکی تھی اس پر ”ایور گرین بار“ کا بورڈ لگا ہوا فریدی کیڈی سے اتر کر سیدھا بار میں گستاخلا گیا۔ کاؤنٹر کے پیچے ایک مریل سائیکل افٹر بار نذر موجود تھا۔

”میں ہارڈی سے ملتا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے اس سے کہا۔

”آپ کہاں سے آئے ہیں۔“

”جہنم سے۔“ فریدی غریب۔ ”تمہیں اس سے کیا غرض۔“

”وہ آج کل کسی سے نہیں مل۔“

”تم بتاتے ہو یا میں تمہاری گردان مروڑ دوں۔“

”دیکھ جتاب! شاید آپ اس علاقے سے واقع نہیں ہیں۔“ بار نذر اپنے سرخ سرخ نتھے

چلا کر بولا۔

کہیں جانتا ہوں کہ یہ علاقے لفگوں اور بد معاشوں سے بھرا ہا ہے لو یہ رہا میرا کارڈ.... اب

بڑا۔“ فریدی نے اپنا تعارفی کارڈ اس کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا۔

بار نذر نے کارڈ پر نظر ڈالی اور اس کے نتھے بھون لے اور پچھنے لے۔

”کر قل صاحب.... بات دراصل یہ ہے۔“ وہ ہانپاٹا ہوا بولا۔ ”ہارڈی.... اگر میں آپ کو

اس کا پتہ تباہوں تو وہ مجھے مارتے مارتے ادھ مر اکر دے گا۔ آج کل اس کا ہاتھ بہت کھلا ہوا ہے۔

بب ادھار لیتا تھا تو کچھ مردود بھی کر جاتا تھا۔“

”اچھا.... تو کیا آج کل وہ ادھار نہیں لیتا۔“

”نہیں جتاب.... آج کل تو وہ بات بات پر بڑے نوٹ نکالتا ہے۔“

”غیر..... ہو گا.... ہاں تو وہ اس وقت کہاں ہے۔“

”دیکھ کر قل صاحب.... حضور والا.... میر امام نہ بتائیے گا۔“

”تم میرا وقت بر باد کر رہے ہو۔“

بڑھا کھانس کر کرہا اور پھر اپنے نتھے مسل کر کہنے لگا۔ ”وہ کئی جگہ مل سکتا ہے۔ جتاب....

لامن کے تدارخانے میں.... سگ سگ بار میں.... کیفے مار کوئی میں۔“

”میں اُس کے گھر کا پتہ پوچھ رہا ہوں.... ڈفر....!“

”گھر.... آہ....!“ وہ پھر کرہا اور اس طرح کر منٹو لے گا جیسے چیج کسی نے اُس پر

گھونوں کی بارش کر دی ہو۔

”کیا تم نہیں بتاؤ گے۔“ فریدی نے اس کا گریبان پکڑنے کے لئے ہاتھ بڑھایا اور وہ گھبر اک

بچھ جاتا ہوا بولا۔ ”باتا ہوں.... وہ سگ سگ بار کے اوپر والے فلیٹ میں رہتا ہے۔“

فریدی بار سے نکل کر سڑک پر آگیا۔ سگ سگ بارہا ہاں سے غالباً ایک فرائیگ کے فالے

ہاہا ہو گا جس عمارت میں بار تھا وہ تین منزلہ تھی۔ پہن منزل پر بار تھا اور اوپر کی دونوں منزلوں

پر ہائی ٹیکسٹ تھے اور ٹھیک بار کے اوپر والے فلیٹ میں ہارڈی رہتا تھا۔

فریدی زینے طے کر کے ہارڈی کے قلیٹ کے ساتھ بیٹھ گیا۔ دروازہ بند تھا لیکن اندر قہقہوں کی آوازیں آرہی تھیں۔

فریدی نے ٹھوکر مار کر دروازہ کھول دیا اور اس طرح اچانک کمرے میں داخل ہوا کہ جو جبار تھا وہ رہ گیا۔ کمرے میں چار آدمی تھے میز پر وہ سکنی کی دو بو تلیں اور چار گلاس موجود تھے۔ بیٹ فرش پر گر اور ادھر اس کے بقیہ ساتھی اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ ہارڈی سنھلنے نہیں پایا تھا سوڈے کی نصف درجن بو تلیں فرش پر ان کے پیروں کے پاس رکھی ہوئی تھیں۔ چاروں رفریدی کامکا اس کے ایک ساتھی کے جبڑے پر پڑا اور جھونک میں اپنے ساتھ دوسرے کو بھی آدمیوں کے منہ حرمت سے کھلے اور پھر بند ہو گئے۔

"تم میں سے کوئی.... اپنی جگہ سے حرکت نہیں کرے گا۔" فریدی غریا۔ "اپنے ہاتھ پر پڑی جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ فریدی نے بڑی میز الٹ دی۔ پر کھلو۔"

انہوں نے مشینوں کی طرح اپنے ہاتھ میز پر رکھ دیئے۔

فریدی کے دونوں ہاتھ کوٹ کی چیزوں میں تھے۔

"میں اس کا مطلب نہیں سمجھا کہ مل صاحب۔" ہارڈی نے اپنے ہونٹوں پر زبان بیہر کر "جاو....!" وہ پھر غریا اور وہ چپ چاپ کمرے میں چلے گئے۔ فریدی نے جھٹ کر اس کا کہا۔ یہ ایک خاصے تن و تو ش کا آدمی تھا۔ عمر چالیس سے اوپر تھی اور سر کادر میانی حصہ اٹھے۔ کہا۔ دروازے باہر سے بند کر دیا اور پھر وہ اگر بر ق کی سرعت سے ایک طرف نہ ہٹ گیا ہوتا تو سوڈے چھکلے کی طرح خفاف تھا۔ جسم پر سیاہ پتلون اور براؤن چپڑے کی جیکٹ تھی۔

"میں تم سے علیحدگی میں گفتگو کرنا چاہتا ہوں۔" فریدی نے کہا۔

ہارڈی نے اپنے تین ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہنا ہی چاہتا تھا کہ فریدی بولا۔ "نہیں، کہا دیا اور اس میں اتنی طاقت بھی نہ رہ گئی کہ وہ اپنے پیروں پر کھڑا ہو سکتا۔ فریدی نے اسے ایک کرسی میں دھکلیتے ہوئے کہا۔ "ہاں اب بتاؤ کہ میں اس علاقے میں کیا

میرے ساتھ چلو گے۔" اور اگر میں انکار کر دوں تو....!

دفعتاً فریدی کا رویہ بالکل بدل گیا۔ اس نے مسکرا کر کہا۔ "مجھے اس بات پر افسوس ہے ہارڈی۔ اُس کے موڈ کی تبدیلی پر ہارڈی کے چہرے سے ابھن کے آثار ظاہر ہونے لگے۔

"ہم قطعی دوستانہ نضام میں گفتگو کریں گے۔"

"یہاں بھی آپ کو کافی دوستانہ ماحول ملے گا۔" ہارڈی نے اپنے ساتھیوں کی طرف دیکھ کر کہا۔ "نہیں.... میرے کہنے پر عمل کرو۔"

"میں کسی کا پابند نہیں ہوں اور پھر آپ مجھ پر کون سا الزام رکھ کر دھونس جا رہے ہیں۔" "تم نہیں سنو گے۔" فریدی کا موڈ پھر خراب ہو گیا۔

"تمہیں بتاتا پڑے گا۔"

"مگر اہل زبردستی لے جایا گیا تھا۔"

"کثا ری....!" ہارڈی کے منہ سے ہلکی سی آواز نکلی اور پھر خاموش ہو گیا۔

"تمہیں بتاتا پڑے گا۔"

"مگر اہل زبردستی لے جایا گیا تھا۔"

”وچھا تو ماریے مجھے۔ اس وقت تک مارتے رہے جب تک کہ میں مرنے جاؤ۔“

”تمہیں وہاں لے جانے والے کون تھے۔“

”میں نہیں جانتا۔۔۔ اگر جانتا بھی ہو تو کبھی نہ بتاتا۔“

”آج منج تم کیفے نہ راسکا میں کیوں گئے تھے۔“ اچانک فریدی نے پوچھا اور ہارڈی کے چہرے ”دیکھئے! میں بتاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں منہ دھو سکوں۔“

ہارڈی پھیل گئی۔

”اجازت ہے اور اپنے آدمیوں سے کہو کہ شورنہ مچائیں ورنہ میں بہت بڑی طرح پیش آؤں گا۔“

”ہارڈی نے انٹھ کر اپنے آدمیوں کو شورنہ مچانے سے منع کیا اور غسل خانے کی طرف ہے۔“

”میا آپ بھی سوال ہر اس آدمی سے کریں گے جو آج کیفے نہ راسکا گیا ہو۔“

”نہیں یہ سوال صرف تمہارے لئے مخصوص ہے۔ ہر آدمی نے آدھے تو لہ سونے کے دو لارڈھوں کے کھوں کے ہوں گے۔“

ہارڈی کے چہرے پر ہوا یاں اڑنے لگیں اور اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہیں لکھا۔

”میرا اندازہ غلط نہیں تھا کہ طاقت کے سکے ڈھالنے میں تمہارے علاوہ اور کسی کا ہاتھ نہیں زخموں میں سوزش ہونے لگی اور وہ منہ بتا کر بولا۔“

”آپ بعض اوقات اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔“

”اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو میری یہی حالت ہوتی جو تمہاری ہے یا شاید تم تو مجھے ختم ہی کر دیتے۔“

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے کہا۔ ”میں نہیں جانتا کہ وہ گئاری کا جگل کیوں تکہ میری آنکھوں پر پٹی بند ہوئی تھی۔ البتہ تاریخ ضرور یاد ہے۔ وہی تاریخ جس کا آنے والہ دیا ہے۔“

”اب میں کیا بولوں۔۔۔!“ ہارڈی نے بے بھی سے کہا۔

”اور اگر ان لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ تم ان سکوں کے مصرف سے واقف

اگے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔“

ہارڈی کچھ نہ بولا۔ فریدی چند لمحے اسے گھورتا رہا۔ پھر بولا۔ ”تمہیں ان لوگوں کے نام

تائنسے چاپیں گے۔“

ہارڈی نے ایک طویل سانس لے کر کہا۔ ”کرتی صاحب یقین سمجھے میں ان میں سے ایک کی

کل غسل نہیں دیکھ سکا تھا وہ مجھے ایک ہفتے تک روزانہ وہاں لے جاتے رہے ہیں۔“

”جب پٹی کھلتی تھی تو میں خود کو ایک تہہ خانے میں پاتا۔ طاقت کے سکے میں نے بلاشبہ

نعلے پیلے۔“

”اوپر وہاں سے یک بیک غائب کیے ہو گئے تھے۔“

”میں کچھ نہیں جانتا۔ میری آنکھوں پر پٹیاں بند ہی ہوئی تھیں۔“

”ہوں! لے کون گیا تھا۔“

”دیکھئے! میں بتاتا ہوں۔ کیا آپ مجھے اتنی اجازت دیں گے کہ میں منہ دھو سکوں۔“

”ہارڈی اس کے ساتھ تھا۔ منہ صاف کرنے کے بعد وہ ہوش بھیج بھیج کر ہو کتا ہوا پھر اگرے میں واپس آگیا۔“

”میں آپ کی یہ زبردستی یاد رکھوں گا۔ ہارڈی الماری کھول کر شراب کی بوتل نکالتا ہوا بڑے گلے میں سوزش ہونے لگی اور وہ منہ بتا کر بولا۔“

”آپ بعض اوقات اپنے اختیارات سے غلط فائدہ اٹھاتے ہیں۔“

”اگر میں اس وقت ذرا سا بھی چوکتا تو میری یہی حالت ہوتی جو تمہاری ہے یا شاید تم تو مجھے ختم ہی کر دیتے۔“

”اب میں کیا بولوں۔۔۔!“ ہارڈی نے بے بھی سے کہا۔

”اور اگر ان لوگوں کو کسی طرح یہ معلوم ہو گیا کہ تم ان سکوں کے مصرف سے واقف

اگے ہو تو وہ تمہیں زندہ نہ چھوڑیں گے۔“

”میں پوچھتا ہوں تم وہاں کیا کر رہے تھے۔“

”میں نے کوئی غیر قانونی کام نہیں کیا تھا۔ اگر کیا تھا تو بتائیے۔“ یک بیک ہارڈی جوش میں آئے گا۔

”میں ابھی تھکا نہیں ہوں سمجھ۔“ فریدی اسے گھورتا ہوا بولا۔

”اگر میں نے وہاں کوئی غیر قانونی کام کیا تھا تو میرے ہھھڑیاں لگا گا۔ سمجھ۔“

”تم وہاں جعلی سکے بنارہے تھے۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرے پاس ثبوت بھی موجود ہے۔“

”میں کہہ تو رہا ہوں کہ میرے خلاف قانونی کارروائی کیجھ۔“

”قانونی کارروائی تو میں اس وقت کرتا ہوں جب میرے ہاتھ شل ہو جاتے ہیں۔“

”اور پھر ایک دن تم اتفاقاً ان سکون کے استعمال سے واقف ہو گئے اور تم نے ویسے عیا کے لئے بھی ڈھال لئے جب ضرورت ہوتی ہے ایک سکے کے عوض دو ہزار و صول کر لیتے ہو۔“

”مجھے ان کا اعتراف ہے۔“

”کم از کم اُس آدمی کے متعلق تو یہی سکو گے جس نے تمہیں اس کام پر آمادہ کیا ہو گا۔“
”ایسا پدرہ دن قبل کی بات ہے کہ ان میں سے ایک آواز میرے کافنوں میں پڑی اور میں تحریرہ گیا
”اوہ! وہ بھی تو کبھی کھل کر سامنے نہیں آیا۔ مجھے ایک خط لکھ کر ایک جگہ بلا یا گی۔ پھر اسکے
لئے کہہ دو ایک بہت بڑا آدمی تھا۔ مجھے اپنے کافنوں پر یقین نہیں آیا۔ یہ کیفیت بر اسکا کی بات ہے۔
ایک ایسے آدمی سے ملاقات ہوئی جو اپنا چہرہ سیاہ نقاب میں چھپائے ہوئے تھا پہلے دن مجھے یہ کہا
”میں نئے میں تھا اور چونکہ مجھے اپنے ایک دشمن کی نظر سے چھتا بھی تھا جو اُس وقت کیفیت بر اسکا
لے جایا گیا کہ مجھے جعلی سکون کو پر کھنا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ میں ایک پرانا مشائق ہوں۔“ میں ایک کاراٹ کا رکھ کر اپنے اخخار کھے تھے میں دراصل اپنے اس دشمن
نے سوچا ممکن ہے کہ وہ لوگ اپنے بناۓ ہوئے سکون کے نقصان معلوم کرنا چاہتے ہوں۔ کچھ تھا لیکن دوسرا سے آدمی کی آواز سن کر مجھے اس کی طرف متوجہ ہونا پڑا۔ میں پہلے ہی سے
بہر حال صرف اتنے سے کام کے لئے انہوں نے مجھے دو ہزار کا آفر دیا۔ رقم معقول سے سمجھیا کہ ان پر اسرار آدمیوں کی طرف سے مشکوک تھا جنہوں نے مجھ سے سونا ڈھلوایا تھا اس لئے مجھے
زیادہ تھی لہذا میں ان کے ساتھ چلا گیا۔ جب انہوں نے آنکھوں پر پٹی باندھنے کی تجویز پیش کیا
”اوہ! کون تھا....!“

”پواؤ کا مشہور کھلڑی پرنس جپاں....!“

”آہا....!“ فریدی کے چہرے پر تحریر کے آثار ابھرے اور پھر فوراً ہی نائب ہو گئے۔

”مجھے ان لوگوں کی اس بات پر یقین نہیں آیا تھا کہ وہ سونے کے اسمگر ہیں اور اپنے سونے

طرح لائے جانے پر بھی تجبذبہ ہو۔ بہر حال میں ان کے سونے کو ایک مخصوص شکل میں اٹھا کیا

”کیوں! تمہیں یقین کیوں نہیں آیا تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔

”آپ نے مجھ پر بہت ظلم کیا ہے.... میں پہلے ہی....!“

”نہیں....!“ فریدی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”پہلے تم ہرگز نہ بتاتے۔ اسی لئے میں نے تمہیں الگ

لے جانا پا تھا، جو کچھ بھی ہوا ہے اس کے ذمہ دار تم خود ہو۔ اب میرا وقت بر بادہ کرو۔“

”ہارڈی خاموش ہو گیا۔“ فریدی کی نظر اس کے چہرے پر تھی۔ اس نے کچھ دیر بعد پوچھا۔

”آدمی کون تھا جس کے ذریعے تم اس سکے کے مصرف سے واقف ہوئے۔“

”آپ نے خواہ مخواہ میرے ساتھ زیادتی کی ہے۔ اگر پہلے ہی پوچھتے تو میں سب کچھ بتا دیا

”خیر پرواد نہیں۔“ فریدی مسکرا کیا۔ ”اب بھی اتنی رعایت کر سکتا ہوں کہ تمہارے غلام
باقاعدہ طور پر کوئی کاروائی نہ کرو۔“ ویسے تمہاری اطلاع کے لئے اتنا ضرور کہوں گا کہ تم اب کا

ایک خطرناک گروہ کے لئے کام کرتے رہے ہو اور اگر تم اپنی پہلی فرصت میں اس شہر سے کام
ہی نہ گئے تو مر نے کے بعد تمہیں انہوں کرنے کا موقع بھی نہ ملتے گا۔“

”میں آپ کا مطلب نہیں سمجھا۔“

”فریدی سے سماں لے کر اس نے سلاکتے ہوئے کہا۔“ ہاں آپ نے شہبے کی وجہ دریافت کی
لگد تک خود فرمائیے۔ اگر آپ نے ان سکون کو دیکھا ہے تو آپ خود ہی شہبے کی وجہ معلوم
کر سکتے ہیں۔“

”پھر بھی....؟“

”ان سکون پر سر کاری کرنی کی مہر ہے۔ آپ خود سوچنے اسمگنگ دیسے ہی ایک غیونہ نہیں حرکت ہے۔ اگر اتفاق سے وہ سکے آپ کے ہاتھ لگ جائے تو کیا ان کی مہر آپ کو اپنی طرف متوجہ کر لے گی۔ ضرور کر لے گی۔ پھر بھلا چوروں میں اتنی بہت کہاں کہ وہ کوئی اسکی چیز استعمال کر سکیں جس سے ان کی چوری کا سراغ لئے میں آسانی ہو۔ میں اسمگروں کو چوری سمجھتا ہوں۔“

”ختم کرو.... تم نے سے کامیابی کیے معلوم کیا۔“

”پُنس جہاں نے تمنے سے کیفیت نہ رکھا میں کیش کرائے تھے۔“

”بر اور استغیر سے یادہ اور کوئی تھا۔“

”میں نہیں! فیجر سے اور سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ فیجر سے کچھ کہنے کی ضرورت پیش نہیں آتی۔ آپ نے ایک سکے دیا اور دو ہزار کے نوٹ میں۔ چپ چاپ لئے واپس آگئے میں اب تک صرف دس ہزار رہا کہا ہوں۔“

”میرا مشورہ ہے کہ اب یہ سلسلہ ختم کر دو اور کچھ دنوں کے لئے یہاں سے تمہارا چالا جا بہتر ہے۔“

”آخر اب آپ اتنی ہمدردی سے کوئی پیش آرہے ہیں۔“ ہمڑوی نے نہ اس نامہ بنایا کہ کہاں دوبارہ گلاس میں شراب اٹھیلنے لگا۔

”ہاں! ہمدردی کی وجہ بھی ہے۔“ فریدی نے سنجیدگی سے کہا۔ ” بعض اوقات زبان سکھوا کے لئے مجھے اپنے ہاتھ بھی استعمال کرنے پڑتے ہیں اور اکثر مجھے اس پر افسوس بھی ہوتا ہے۔“

فریدی نے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔

تحوڑی دیر بعد کیڈی چکنی سڑک پر دوڑ رہی تھی اور فریدی کا ڈاہن اس سڑک سے ہم زیادہ سپاٹ ہو چکا تھا۔ پُنس جپاں ایک بڑا آدمی تھا پولو میں میں الاؤ کوئی شہرت کا مالک تھا اور لک کی سر بر آور دھستیوں میں شہد کیا جاتا تھا اس سازش کی ابتدا اور انتہا کم از کم اس کے فہم اور اک سے تو بالاتر تھی ہی۔ فی الحال اپنا پروگرام تبدیل کر دینے کے باوجود بھی ہائی سر کل ناٹ کلب اس طرف جا رہا تھا۔ جہاں اسے کرامہ پورٹر انور سے ملا تھا۔

جلاء طن شہزادہ

سر فیروز کی کوئی میں بھونچاں سا آگیا تھا۔ چھوٹے سے لے کر بڑے سکنے سے یکریٹری کو برا بھلا کہ رہے تھے۔ لیکن نیا یکریٹری سرفیروز کی آنکھوں کا تارا تھا۔

پہلے سرفیروز کے مٹی کے کھلونے صرف اگئے اپنے کمرے ہی تک مدد دتھے لیکن یکریٹری نے انہیں پوری کوئی مٹی میں پھیلانے کی اکسیم بنا دی۔ کوئی کے سارے تو کر مرید کھلونوں کی خرید پر لا دیئے اور سرفیروز کی بھتیجیوں کو نہ صرف ناشت بلکہ دو پھر کا کھانا بھی تیار کرنا پڑتا۔ کھلونے جمع کرنا سرفیروز کی ہوبی نہیں تھی۔ اسے خط بھی نہیں کہا جاسکتا تھا۔ کیونکہ اس کے پس مظہر میں ایک بہت ہی کلاسیک قسم کے عشق کی داستان تھی حقیقت خدا جانے لیکن کہا بھی جاتا تھا کہ سرفیروز کو جوانی میں ایک کمہار کی لڑکی سے عشق ہو گیا تھا۔ وہ سڑک کے کنارے مٹی کے کھلونے بیچا کرتی تھی۔

کلاسیک قسم کے عشق کا مطلب ہی یہی ہوتا ہے کہ اس کا اختتام شادی جیسی غیرہ دوستی رکت پڑتا ہے۔ لڑکی کا سراغ یہیں تک مل سکتا تھا کہ وہ شہر کے کسی فٹ پاٹھ پر کھلونوں کی دوکان لگایا کرتی تھی۔ البتہ سرفیروز کی شروع سے اب تک کی ہسٹری لوگوں کو اوزیر تھی۔ وہ پہلے عشق کی ہماں کے بعد شادیوں پر شادیاں کرتے رہے اور یہیوں پر یہیاں مرتبی رہیں۔ آخر بڑا حصہ میں زوبی آگرائی لیکن اس نے کم از کم سرفیروز کی زندگی میں مرنے سے صاف انکار کر دیا تھا اور تقریباً آٹھ سال سے اپنے انکار پر قائم تھی۔

بہر حال جب سرفیروز نے یہ دیکھا کہ وہ مر نے کا نام ہی نہیں لیتی تو اس کا لاشعور شعور پر مادی ہو گیا اور کمہاری کی لڑکی والا سلسلہ پھر جاری ہو گیا۔ یہ عام آدمیوں کی نہیں بلکہ ماہرین فنیات کی رائے تھی ورنہ شعور والا شعور کی بات عام آدمی کیا جائیں اور کچھ بات تو یہ ہے کہ کمہار کی لڑکی کا قصہ بھی اُسی وقت ظاہر ہوا تھا جب سرفیروز نے کھلونوں میں وچھی لئی شروع کی تھی۔ حقیقت کیا تھی.... خدا جانے۔

اس کا دماغ ہی قریب قریب الٹ گیا تھا لیکن ڈاکٹروں کی رائے کے مطابق پاگل بن خدا کا حرم کا نہیں تھا۔ بعض اوقات تو وہ پاگل بالکل نہیں معلوم ہوتا تھا۔ البتہ پاگل پہن کا دورہ

کون ہے.... کیا ہے۔ ”سفریز دبی کی جیجنی سائی دی۔
”دروازہ کھولو....!“ سرفیروز نے بھی اکھڑے ہوئے لجھ میں کہا۔

پھر شاند پاچھ منٹ بعد دروازہ کھلازدی تاریخی رنگ کے بادے میں مبوس دروازے میں زی انہیں گھور رہی تھی۔ آنکھیں خمار آلو و تھیں اور چہرے پر بڑی دلاؤز قسم کی سرخی تھی، ہرے بال پیشانی پر بکھرے ہوئے تھے۔
سیکریٹری اپنے ہونٹ مسلنے لگا۔

”کیا ہے....؟“ زوبی نے جھالائے ہوئے لجھ میں پوچھا۔
”تم ہو تو....!“ سرفیروز اسے ایک طرف ہٹاتا ہوا بولا اور کمرے میں چلا گیا۔ زوبی ایک رف ہٹ کر اسے حیرت سے دیکھنے لگی۔ اس کے انداز سے ایسا متوجہ ہو رہا تھا جیسے سرفیروز سے اپنی انہوں حرکت سرزد ہوئی ہو۔

”لاو....!“ سرفیروز نے ہاتھ ہلا کر نوکروں سے کہا۔
”میا....؟“ زوبی جلا کر نوکروں کی طرف مڑی۔ ”خبردار.... اگر اس کمرے میں کوئی اشی ہو تو کمال گرواؤں گی۔“

”کرے واہ....!“ سرفیروز ہاتھ نچا کر بولا۔ ”بڑی آئیں کمال گرانے والی۔ سیکریٹری ان لاموں کی گردن پکڑ کر اندر لاو۔“

سیکریٹری آگے بڑھا ہی تھا کہ زوبی نوکروں پر ٹوٹ پڑی۔ کھلونوں کے ٹوکرے فرش پر لے اور تو کراچل کر چیچھے ہٹ کرے۔

”زوبی“ سرفیروز چینا۔ ”کیا کر رہی ہو۔“

زوبی پھر کمرے میں سکھی لور چڑے کا ایک بڑا سا جا بک اٹھا کر شائیں شائیں دو تین ہاتھ نوکروں پر ہمالدیئے۔ پھر نوکر کہاں ٹھہرنے والے تھے۔ وہ تو بھاگ ہی لٹکے لیکن سیکریٹری وہیں کھڑا رہا۔ ”مجبوڑی ہے.... سیکریٹری....!“ سرفیروز نے چپتی ہوئی سی ٹھی کے ساتھ کہا۔

”ہست نہ ہارنی چاہئے جتاب۔“ سیکریٹری نے کہا اور اچھل کر چیچھے ہٹ گیا کیونکہ اس کے الٹے پر زوبی کا ہاتھ اس کی طرف گھوم گیا تھا۔
سیکریٹری نے وار خالی دیا لیکن وہاں سے بھاگا نہیں۔

شروع ہونے سے اب تک اس کا کوئی پرائیوریٹ سیکریٹری ایک جفتے سے زیادہ اس کی ملازمت نہیں رہ سکا تھا۔ ان کے بھاگ لٹکنے کی وجہات میں سے ایک یہ بھی تھی کہ جب سرفیروز کھلونے پیچے کا دورہ پڑتا تھا صرف وہ خود ”دو دو آنے.... چار چار آنے“ کی ہاک کھانا کی سیکریٹریوں کو بھی اس پر مجبور کرتا۔ انہیں بھی اُسی کے ساتھ ہی ساتھ ”دو دو آنے.... چار آنے“ کی گردان کرنی پڑتی تھی۔ سنجیدہ لوگ تو اسے برداشت کرنے سے رہے۔ نیچے کے طریقے میں بھاگنا ہی پڑتا تھا۔... مگر یہ نیا سیکریٹری جب سے آیا تھا نقشہ ہی بدلتا گیا تھا۔ اُس نے فیروز کو پہنچا کی کہ اسکی تینوں بھجوں کو بھی کھلونے فرداخت کرنے میں اسکی مدد کرنی چاہئے۔ لڑکیوں نے ساتا تو انہیں بہت تاؤ آیا مگر کہاں کیا سکتی تھیں۔ ویسے انہوں نے اس کے خلاف ہاتھ پاؤں تو بہت مارے مگر کامیابی نہ ہوئی۔ بچھلی رات انہیں بھی کافی دیر تک سرفیروز اور اُس کے سیکریٹری کے ساتھ چھینا پڑا تھا۔

آج صبح ہی سے سرفیروز اور اس کا سیکریٹری بہت زیادہ مشغول تھے۔ دونوں کمپنی کے کھلونے سے بھرے ہوئے ٹوکرے اٹھائے ان کے ساتھ تھے اور وہ کوئی کی خالی بھجوں کو کھلونوں سے کرتے پھر رہے تھے۔ لڑکیوں میں تو اتنی ہست نہیں تھی کہ وہ اس کی مقابلت کر تیں البتہ انہیں یقین تھا کہ جب یہ طوفان بد تیزی زوبی کی خواب گاہ کی طرف جائے گا تو دچپسی کا خاص سامان مہیا ہو جائیا۔ زوبی شاند ابھی سوچ رہی تھی۔ خواب گاہ کا دروازہ اندر سے بند تھا۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر زوبی کی خواب گاہ کے علاوہ کوئی کے ہر حصے میں مٹی۔ کھلونے نظر آنے لگے۔

”اب صرف لیڈی صاحبہ کی خواب گاہ رہ گئی ہے۔“ سیکریٹری بڑا بیال۔

”وہاں بھی رکھیں گے۔“ سرفیروز سر ہلا کر بولا اور دونوں نوکر ایک دوسرے کی طرف کر مسکرائے۔

بہر حال یہ تاقلم لیڈی زوبی کی خواب گاہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ سرفیروز نے آگے بڑھ کر دستک دی لیکن جواب نہیں ملا۔

سرفیروز پر آہستہ آہستہ جھاٹھ کا دورہ پڑتا گیا اور اب وہ پوری قوت سے دروازہ پیچھے تھا۔

زوبی نے پھر اس پر حملہ کیا لیکن اس بار پھر اسے مایوسی ہوئی کیونکہ سیکریٹری بندروں
طرح پھر تلاحتا۔

پھر زوبی پر جیسے دورہ سا پڑ گیا۔ وہ بے خاشا چاپک گھمانے لگی۔ لیکن ایک بار بھی ہمارے
سیکریٹری کے جسم پر نہیں پڑا۔ سرفیروز پہلے تو چپ چاپ پلکیں جمپکا تارہ پھر وہاں سے کمک برے¹
اوہر زوبی نے جلا کر چاپک پھینک مارا لیکن سیکریٹری..... وہ اس سے بھی فیکیا گیا۔
سے ہٹا نہیں۔

”چلے جاؤ یہاں سے..... نکلو....!“ زوبی ہاتھی ہوئی تھی۔

”میرا صور..... لیڈی صاحبہ۔“ سیکریٹری نے انہائی مسکین چیزوں پر کہدے
”میا یہودگی پھیلانی ہے تم نے۔“

”پرانجیوں سیکریٹری کا اور کیا مصرف ہو سکتا ہے لیڈی صاحبہ۔“

”لیکن تم لوگ کو نہیں کو کبڑا خانہ نہیں بناتے۔“

”میں نے کیا کیا۔ میں تو صرف ہاں میں ہاں ملاتا ہوں۔ تجویز صاحب ہی کی تھی۔ میں اس کی تائید کر دی تھی۔“

”اور تھوپی رات مینڈھے..... اس سے پہلے تو کبھی شاید انہوں نے مینڈھوں کی تھی
و دیکھی ہو۔“

”مجھے تسلیم ہے! لیکن قصور اس میں بھی میرا نہیں ہے۔ مجھے یاد نہیں کہ کس طرح من
مینڈھا لٹکا تھا کہ سر ہو گئے۔ کہنے لگ۔ مینڈھا کیا ہوتا ہے۔ میں نے بتایا تو مصرف پوچھ لیا
کہاڑا نے جاتے ہیں۔ بوئے ہم بھی لڑائیں گے بس اتنی بات تھی۔“

”تم کون ہو؟“

”تفصل حسین.....!“ سیکریٹری کا جواب تھا۔

”اس سے پہلے کیا کرتے تھے۔“

”خفر کیا کرتا تھا کہ میں نہ اس کا یوندر ٹھی کا ڈاکٹر ہوں۔“

”تمہیں بات کرنے کی بھی تیز نہیں۔ تم لیڈی زوبی سے گفتگو کر رہے ہو۔“

”لوگ مجھے عموماً معاف کر دیتے ہیں کیونکہ میں کریک ہوں۔“

”تمہیں احساس ہے کہ تم کریک ہو۔“

”نہیں لوگ کہتے ہیں اور میں انہیں گدھا سمجھتا ہوں۔ میں بالکل کریک نہیں ہوں۔ ہاں
ایک مرد مجھ پر ضرور ہے وہ یہ کہ میں بیض اوقات سب کچھ بھول جاتا ہوں۔“

”تمہیں یہاں کس نے بیجا تھا۔“

”کسی غبی قوت نے امیں بھی گھوس کر تاہوں۔ ویسے میں نے اشتہار ضرور پڑھا تھا۔“
”آچھا میرے سامنے سے دفع ہو جاؤ۔“

”سیکریٹری نے سلام کے لئے ہاتھ اٹھایا اور وہاں سے جمل پڑا۔ راہداری کے موڑ ہی پر
سرفیروز سے ملاقات ہو گئی۔ وہ شائد بہت دیر سے وہیں کھڑا ان کی گفتگو سخن کو شش کر رہا تھا۔

”کیا کہہ رہی تھیں۔“ اس نے پلکیں جمپکائے ہوئے آہستہ سے پوچھ دی۔
”کہیں کیا..... میں کوئی ڈرپوک ہوں۔ آخر آپ اتنا ذرا تھے کیوں ہیں۔“

”میں ڈرتا نہیں ہوں۔“ سرفیروز اپنے کمرے کی طرف جاتا ہوا بولا۔ سیکریٹری بھی اسی کے
سامنے چلتے لگ۔ ”جھکڑا نہیں کرنا چاہتا۔ تم نے دیکھا وہ کتنی بد مزاج ہے۔“

”میں ہاں..... مجھ سے کہنے لگیں کہ تمہیں یہاں سے جانا پڑے گا۔“

”ہرگز نہیں..... میں تمہیں کسی قیمت پر نہیں چھوڑ ملکا۔ تم نہیں جا سکتے اگر تم چلے گئے تو
میں مر جاؤں گا۔“

”تمہلا میرے رہنے سے آپ کو کیا فائدہ ہے۔“

”نہیں لو کے..... میں استدعا کرتا ہوں۔ آؤ میرے ساتھ آؤ..... میں پاکی نہیں ہوں۔“
سیکریٹری یہکہ سمجھدہ ہو گیا۔ وہ تکھیوں سے سرفیروز کے چہرے کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سر

فروز نے اپنے کمرے میں داخل ہوا کہ سیکریٹری کے بھی اندر بھی جانیکے بعد درود و فہرست متعمل کر دیا۔

اپنے سیکریٹری چونکہ کرچاروں طرف دیکھنے لگ۔

”یہ آواز کیسی تھی۔“ اس نے سرفیروز کی طرف دیکھ کر کہا۔

”کسی آواز.....!“

سیکریٹری نے ایک بار پھر ہمیں کی کھر کھراہٹ سنئ۔

”یہ..... سنا آپ بنے.....!“

”کیوں؟ تم توہین کر رہے ہو۔“ سرفیروز نے احتقانہ انداز میں سیکریٹری سے پوچھا۔
 ”چچے نہیں....!“ سیکریٹری یک بیک چوک کر بولا۔ پھر اپنی آنکھیں مل کر چاروں طرف
 بڑا نظر دیں سے دیکھنے لگا۔
 ”میں کہاں ہوں۔“ اس کے حق سے کھٹی گئی سی آواز نکلی۔
 سچ مجھ ایسا معلوم ہونے لگا تھا جیسے دا بھی سوتے سوتے جاگا ہو۔
 زوبی نے کچھ کہنا چاہا لیکن پھر رُک گئی۔ اسکے چھرے پر حرمت کے آثار نظر آنے لگے تھے۔
 ”میں کہاں ہوں۔“ سیکریٹری آہستہ آہستہ بڑا بڑا ہوا کھڑا ہو گیا۔ ”میں ابھی آر لکھوں میں
 قفل۔ شیلا کہاں گئی....شیلا....!“
 اس نے کسی شیلا کو آواز دی۔
 ”نہ جانے کہاں گئی۔ آپ لوگ کون ہیں۔“ وہ یکے بعد گیرے زوبی اور سرفیروز کو گھورنے لگا۔
 ”اب یو تو فہاؤ گے۔“ زوبی مسکرا پڑی۔
 ”میں نہیں سمجھا۔“ سیکریٹری نے حرمت کا اظہار کیا۔ پھر آہستہ سے بولا۔ ”شیلا آپ کی کون
 ہے۔ وہ مجھے یہاں کیوں لا لائی ہے۔ ابھی ہم آر لکھوں میں ناشتہ کر رہے ہیں۔“

اس نے پھر شیلا کو آواز دی۔
 ”تم نیکے سفید پڑ گیا۔ سیکریٹری بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سرفیروز انھوں کو
 دروازے کی طرف بڑھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی دروازے کی جانب
 دھکیلے لئے جا رہا ہو۔
 ”کیا کواس ہے! میں داراب ہوں۔ شہزادہ داراب.... اوہ یہ تو کھلونوں کی دوکان معلوم
 ہوتی ہے۔“
 ”تم کہاں کے شہزادے ہو۔“
 ”بخارا کا جلاوطن شہزادہ.... داراب....!“
 ”کیا اب تم ہمیں آؤ باؤ گے۔“ زوبی تھپر آمیز انداز میں مسکرانی۔
 ”زوبی.... جاؤ.... یہاں سے.... خدا کے لئے جاؤ۔“ سرفیروز نے کہا۔ وہ کچھ خوفزدہ سا
 نظر آنے لگا تھا۔
 ”خاموش رہو۔“ زوبی نے اسے ڈانت دیا۔ ”یہ کوئی بدمعاش معلوم ہوتے ہیں۔ اسے پولیس
 کے ہوالے کروں گی۔“

”نماں چھوڑو.... چوہے ہوں گے۔“ سرفیروز نے سر ہلا کر کہا۔
 لیکن سیکریٹری بدستور اس ریک کی طرف دیکھ رہا تھا جس پر مٹی کے کھلونے کے ڈھیر کے
 ڈھیر نظر آرہے تھے۔ آواز ان ڈھیروں ہی سے آئی تھی اور وہ آواز قطعی ایسی نہیں تھی جو
 چوہوں کی نقل و حرکت کا نتیجہ قرار دیا جا سکتا۔
 ”ہوگا کچھ.... ہاں تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تم بہت پھر تیلے معلوم ہوتے ہو۔ اس کا ایک
 چاکب بھی تم پر نہیں پڑا۔ کیا جھیں زوبی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔“
 ”مجھے اپنے علاوہ اور کسی سے خوف نہیں معلوم ہوتا۔“ سیکریٹری بدستور کھلونوں کے ڈھیر
 کی طرف متوجہ رہا۔
 سرفیروز کہہ رہا تھا۔ ”وہ ایک خطرناک.... آہم.... دودو آنے.... چارچو آنے.... دو“
 ”آنے.... چارچار آنے.... سیکریٹری شروع ہو جاؤ۔“
 قبل اس کے کہ سیکریٹری شروعات کرتا۔ کسی نے دروازے پر دستک دی۔
 ”کون ہے....!“ سرفیروز دہاڑ۔
 ”دروازہ کھولو....!“ آواز زوبی کی تھی۔

سر فیروز کا چہرہ سفید پڑ گیا۔ سیکریٹری بغور اس کی طرف دیکھ رہا تھا۔ سرفیروز انھوں کو
 دروازے کی طرف بڑھا۔ بالکل ایسا ہی معلوم ہو رہا تھا جیسے کوئی اسے زبردستی دروازے کی جانب
 دھکیلے لئے جا رہا ہو۔
 دروازے کے قریب پہنچ کر اس نے بڑی بے نی سے سیکریٹری کی طرف دیکھا اور پھر جب
 زوبی طوفان کی طرح کرے میں داخل ہوئی اور سید می سیکریٹری کے سر پر پہنچ کر رکی
 سے کنجی نکال کر دروازہ کھول دیا۔
 ”تم ابھی اور اسی وقت کوٹھی سے چلے جاؤ گے۔“ اس نے کہا۔
 ”کسی نے بے پر کی اڑائی ہے۔“ سیکریٹری لاپرواٹی سے بولا۔
 ”مکٹ آؤٹ....!“ زوبی حق پھاڑ کر چینی۔
 ”پھر کسی وقت غور کروں گا۔“
 ”سن رہے ہیں آپ۔“ وہ سرفیروز پر چڑھ دوڑی۔ ”یہ میری توہین کر رہا ہے۔“

”لیا کہا تم نے۔“ سکریٹری محتیاں بھیجن کر بولا۔ اس کی پلیسیں لئے نہیں جھپک رہی تھیں اور وہ زوبی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زوبی اور اُدھر دیکھنے لگی۔

”تم لوگ مجھ سے کوئی ناجائز قائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔“ سکریٹری کی چھتی ہوئی سی آواز کر کے سنائے میں گوئی۔ اسی لئے تم مجھے بیہاں لائے ہو۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایک آدمی نے مجھے شراب پلا کر مجھ سے دس ہزار کے چیک پر دستخط لئے تھے۔ لیکن اس وقت میری چیک کب میری جیب میں نہیں ہے۔“

وہ اپنی جیبین مٹولے لگا۔

”کیا خیال ہے؟“ زوبی سرفیروز کے چہرے کے قریب ہاتھ نچا کر بولی۔ ”سب مکاری ہے۔“

”خداء ڈرو...!“ سرفیروز نے کہا۔

”فضل باتیں نہ کیجئے۔ میں اسے دیکھ لوں گی۔ قبر تک جو پوچھانے چھوڑوں۔“

”میا کرو گی تم...!“ سرفیروز غصے میں کاپنے لگا۔

”میں اسے اسی حال میں کسی ڈاکٹر کے پاس لے جاؤں گی۔“

پیارے سکریٹری کی روح فنا ہو گئی۔ وہ سوچنے لگا کہ اب پول کھلنے میں زیادہ دیر نہیں گے۔

”کسی ماہر کے پاس لے جاؤں گی۔“ زوبی پھر بولی۔ ”ڈاکٹر شوکت سے بہتر کون ہو گا۔ وہ میرا ماتالی بھی ہے۔“

ڈاکٹر شوکت کا نام سن کر سکریٹری کی جان میں جان آئی۔ ورنہ وہ تو سوچ چکا تھا کہ اب اسے بڑوں کشم کر دینا چاہئے۔ ڈاکٹر شوکت کے نام پر وہ مطمئن ہو گیا۔ وہ جانتا تھا کہ ڈاکٹر شوکت شہزادہ دار اب...!“

”ذائق چھوڑو۔ تم بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“ تم نے اسے بچ ڈرایا۔ ورنہ اپنے مریضوں کا معاشرہ تھائی میں کرتا ہے اور اس وقت کوئی نہ سمجھی تخل نہیں ہو سکتی۔

”تم خواہ خواہ...!“ سرفیروز بڑی بڑی کر رہا۔

”میں کچھ نہیں سننا چاہی۔“ زوبی نے سخت لہجے میں کہا۔ پھر نوکروں کی طرف دیکھ کر اللہ آکی اسٹرپچر لاؤ۔“

دونوں کمرے سے چلے گئے۔ زوبی بڑی آتی رہی۔ ”مجھے یقین ہے کہ یہ سب مکاری ہے۔ اگر ڈاکٹر شوکت نے بھی یہی رائے ظاہر کی تو میں اسے پولیس کے حوالے کر کے ہی واپس آؤں گی۔“

سرفیروز کے احتجاج کے باوجود بھی وہ اسے اسٹرپچر پر لدوا کر لے گئی۔ اسٹرپچر ایک بڑی سی لالہ میں رکھ دیا گیا۔ دونوں کمرے سے چلے گئے اور زوبی خود ہی وین کو ڈرائیور کرتی ہوئی ڈاکٹر شوکت کے ہپتال تک لے گئی۔

یہ اتنی امر ارض کے ماہر ڈاکٹر شوکت کا ذاتی ہپتال تھا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کے حالات سننے اور ایک نہیں کے ساتھ اسے اسٹرپچر سمیت رکنا پڑا۔ اس کا جسم بڑی شدت سے کاپنے لگا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر رعنہ ٹا

”لیا کہا تم نے۔“ سکریٹری محتیاں بھیجن کر بولا۔ اس کی پلیسیں لئے نہیں جھپک رہی تھیں اور وہ زوبی کی آنکھوں میں دیکھ رہا تھا۔ زوبی اور اُدھر دیکھنے لگی۔

”تم لوگ مجھ سے کوئی ناجائز قائدہ اٹھانا چاہتے ہو۔“ سکریٹری کی چھتی ہوئی سی آواز کر کے سنائے میں گوئی۔ اسی لئے تم مجھے بیہاں لائے ہو۔ اس سے پہلے بھی ایک بار ایک آدمی نے مجھے شراب پلا کر مجھ سے دس ہزار کے چیک پر دستخط لئے تھے۔ لیکن اس وقت میری چیک کب میری جیب میں نہیں ہے۔“

”زوبی جاؤ... خدا کے لئے جاؤ۔“ سرفیروز زوبی کو شانوں سے کپڑا کر دروازے کی طرز دھکھلینے لگا۔ وہ اب خاموش ہو گئی تھی اس کے ہونٹوں سے احتیاجاً کچھ جملے ٹکلے لیکن کسی کی کوئی میں نہیں آسکا کہ اس نے کیا کہا تھا۔

سکریٹری اب بھی پتھر کے بت کی طرح وہیں کھڑا تھا۔

”کیا بات ہے! تم کون ہو۔“

”شہزادہ دار اب...!“

”ذائق چھوڑو۔“ تم بڑے عمدہ آدمی معلوم ہوتے ہو۔“

”شیطان سے بھی نہیں ڈرتی۔“

”وہ کون ہے، جو مجھ سے اتنی بد تیزی سے پیش آئی تھی۔“ میں ایک جلاوطن شہزادہ ضریب اللہ آکی اسٹرپچر لاؤ۔“

”وہ میرے پاس اتنی دولت ضرور ہے کہ میں آدھا شہر خرید سکتا ہوں۔“

”وہ... مم... میری... بیوی ہے...“ تم میرے سکریٹری ہو۔ ہاں شروع ہو جا،“

آنے... چار چار آنے... دو دو آنے چار چار آنے۔“ لیکن سکریٹری بدستور خاموش کر دیا سرفیروز جھنجلا گیا۔ ”ختم کرو یار... اب وہ نہیں آئے گی۔“

”تم بھی بد تیزی سے چلیں آرہے ہو۔“ سکریٹری نے سخت لہجے میں کہا۔ ”میں اسے ہپتال کر سکتا۔ دروازہ کھولو۔ میں باہر جاؤں گا۔ مجھے جانے دو۔“

سکریٹری آگے بڑھا۔ لیکن دھلتا اس کے قدم لوکھرا گئے۔ اس طرح لوكھڑائے کہ اس کا جسم بڑی شدت سے کاپنے لگا تھا۔ جسم کا کوئی حصہ ایسا نہیں تھا جس پر رعنہ ٹا

پدرہ منٹ بعد اس نے زوبی کو مطلع کیا کہ مریض رجیع بیہوش ہے۔
 ”مرض کی نوعیت کیا ہے۔“ زوبی نے پوچھا۔
 ”دوہری شخصیت۔“
 ”یہ کیا بلایا ہے۔“

آپ نہیں تھیں میں سمجھوادیا۔

”ڈاکٹر....!“ زوبی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ وہ بیہوش نہیں ہے۔“

”پھر....!“

”بنا ہوا ہے۔“

”اکی ذہنی مرض! آدمی سوتے سوتے بیدار ہو کر انی پچھلی شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے اور وہ اس وقت ایک بالکل ہی الگ شخصیت کا ماں لکھتا ہے۔ اکثر یہ کیفیت کئی کئی گھنٹوں تک قائم رہتی ہے اور پھر دوسرا بار کی نیند اسے پھر اسکی پرانی ذہنی حالت میں واپس لے آتی ہے اور وہ اس نیند سے بیدار ہونے پر اپنی دوسری شخصیت کے بارے میں سب کچھ بھول جاتا ہے۔“

”مگر اس نے تو جانے کی جانے خود کو شہزادہ کہنا شروع کر دیا تھا۔“

”ایسا بھی ممکن ہے کہ کسی قسم کے ذہنی انتشار کے عالم میں بھی اس قسم کا دورہ پڑ سکتا ہے۔ گرایا بہت کم ہوتا ہے اگر جانے کی میں دورہ پڑا تھا تو یہ کیس میرے لئے بہت زیادہ لچک پاہت ہو گا۔ آپ انہیں ہوش کی حالت میں بھی کسی دن میرے یہاں ضرور لا یے گا.... اور ہاں کچھ یہ بیہوشی بالکل نیند ہی کی طرح ختم ہو گی۔ ٹھیں تدابیر سے ہوش میں لانے کی کوشش نہ کچھ گاہرہ مریض کی زندگی بھی خطرے میں پڑ سکتی ہے۔“

”خیر میں ابھی معلوم کئے یاتا ہوں۔ پدرہ منٹ بعد آپ کو اسکے متعلق بہت کچھ بتا سکوں گو۔“ ڈاکٹر شوکت اسے انتظار کرنے والوں کے کرے میں چھوڑ کر آپ نہیں تھیں کی طرف گیا۔ مریض میز پر چٹ پڑا تھا اور نرنس اسے گھور رہی تھی۔ ڈاکٹر کے آتے ہی وہ باہر چل گئی دروازہ جو اس پر گل پر تھا خود بخود بند ہو گیا۔

ڈاکٹر شوکت نے مریض کی بیٹھ پر انگلیاں رکھی ہی تھیں کہ اس نے آنکھیں کھوں دیں۔ ساتھ ہی ہونوں پر انگلی رکھ کر ڈاکٹر کو خاموش رہنے کا اشارہ کیا۔ ڈاکٹر جیرت سے اسے دیکھ رہا تھا۔

”میں حمید ہوں.... کیپشن حمید۔“ مریض نے آہتہ سے کہا۔ ”ارے.... حمید.... کیوں....؟“ ڈاکٹر شوکت تھیرانہ انداز میں بولا۔

”یہ سب کچھ ایک کیس کی تحقیقات کے سلسلے میں ہے۔ تم فریدی صاحب کو فون کر کے اطمینان کر سکتے ہو۔ لیڈی زوبی کو یقین دلا دو کہ میں واقعی بیہوش ہوں۔“

”مگر میں اسے مرض کیا بتاؤں گا۔“

”ذووال پر سائلی.... دوہری شخصیت.... اس میں آسانی یہ ہو گی کہ میں خود بخود ہی میں آؤں گا۔“

”اوہو! تم اس مرض کے متعلق جانتے ہو۔“ ڈاکٹر شوکت مسکرا یا۔

”ہاں.... آں.... ہم لوگوں کو سب کچھ جانتا پڑتا ہے.... اچھا.... تو ٹھیک ہے تا۔“

”اگر تم بچ بول رہے ہو اور لیڈی زوبی پر اس طرح ڈوارے ڈالنے کا رادہ نہیں ہے تو.... یقین کرو دوست.... اگر فریدی صاحب اس سے انکار کر دیں تو تم بعد میں بھی اسے کر سکتے ہو۔ ویسے بھی شادی شدہ عورتوں سے عشق کرنا میرے اصول کے خلاف ہے۔“

”اچھا....“ ڈاکٹر شوکت اسے دوبارہ لٹاتا ہوا بولا۔

روشن دان

ہائی سرکل ہائی کلب میں کرامہ پورٹ اور کرٹن فریدی کا منتظر تھا۔ اور ایک جوان سال اور دوین آدمی تھے۔ وہ ان لوگوں میں سے تھا جن کے متعلق یہ کہنا دشوار ہوتا ہے کہ کب کیا کر گریں گے۔ بلاہر وہ ایک مقامی اخبار کا کرامہ پورٹ رکھتا تھا لیکن روزی کا انحصار محض اسی پیشے پر نہیں تھا۔ ورنہ اور یمنہ خانہ سے زندگی کیسے برس کر سکتا۔ دراصل اس کی آمدن کا ذریعہ راشی قسم کے پولیس افسروں تھے۔ اور ان کی کمزوریوں سے واقف تھا۔ یہی وجہ تھی کہ وہ اس کا بھی ”حصہ“ نکالنے پر بھروسہ تھے۔ ویسے وہ بھیش اس تک میں رہتے تھے کہ کسی طرح اور سے بد لیں۔ لیکن ابھی تک تو انہیں موقع نہیں مل سکا تھا۔ دشواری تو یہ تھی کہ وہ اسے کسی کیس میں پھانس کر عدالت میں

یہ اکٹھوت کو تھائی میں بتایا کہ وہ دو ہری شخصیت کا مظاہرہ کرتا چاہتا ہے۔“
”اس کی ضرورت تھی کیوں پیش آئی۔“

”پہ نہیں! حمید احمد نہیں ہے لیکن بے صبر اضورہ ہے۔ جلد بازی میں اکثر بنے ہناء کام
ہزدہ ہے۔“

”میری رائے ہے کہ اسے دہاں بے ہڑا دینجئے۔“
”کیوں....!“

”اب یہ بھی بتاؤ۔“ انور مسکرا یا۔ ”لیڈی زوبی عورت ہے۔ کم عمر ہے اور حسین بھی۔“
”چھوڑو....!“ فریدی نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”تم حمید کو غلط سمجھے ہو۔ وہ ان لوگوں میں سے
بے جو خواہ خواہ اپنی بے راہ روی کا پروپیگنڈہ کیا کرتے ہیں۔ حالانکہ حقیقت اس کی آدمی بھی
نہیں ہوتی۔ خیر اس کی بحث چھوڑ دو۔ میں کنور جپال کے متعلق بہت کچھ سوچ رہا ہوں۔ کیا تم بتا
کوئے کہ وہ اس وقت کہاں ملے گا۔“

”اس حد تک اس سے واقفیت نہیں رکھتی۔“ انور بولا۔

”اچھا تو آؤ۔“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”کیا موڑ سائکل پر آئے ہو۔“

”جی ہاں....!“

”اسے نہیں چھوڑ دو.... واپسی پر لے لینا۔“

”وہ دونوں کیڈی میں بیٹھ کر کلب کی کپڑا ٹس سے باہر آئے۔ پھر کچھ دری پلنے کے بعد فریدی
نے کیڈی ایک بیلک فون بو تھے کے قریب روک دی۔

”دونوں اتر کر بو تھے میں داخل ہوئے۔ فریدی نے مشین میں سکہ ڈال کر کسی کے نمبر ڈائل کرنے
”بیلو....!“ وہ ماٹھ پیس میں بولا۔ ”کیا کنور صاحب موجود ہیں.... اوہ... کیا اس وقت

”ابنڈ کریں گے.... اوہ.... اچھا.... کل کسی وقت.... خیر.... کیا وقت دیں گے.... گیارہ
”کے.... اوہ.... اچھا.... دیکھئے سیکریٹری صاحب میر انام نوٹ کر لیجئے.... کیٹھن اجیت کمار.... نہیں

”کنور صاحب.... مجھ سے واقف نہیں ہیں.... میں خود ان سے ملتا چاہتا ہوں.... اچھا شکریہ۔“

فریدی نے ریسیور بک میں لگا دیا۔ وہ باہر آگئے۔

”صرف پندرہ منٹ....!“ فریدی کیڈی کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”وہ پندرہ منٹ بعد کہیں

بھی نہیں پیش کر سکتے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ ایسا کرنے پر المادہ خود ہی نقصان اٹھا جائیں گے۔ اور
ان کے خلاف ایسے ایزوں کا انکشاف کرتا کہ انہیں جان چھڑانا مشکل ہو جاتا۔

صرف فریدی ہی ایسا تھا جس کے آگے وہ سر نہیں اٹھا سکا تھا اور صحیح معنوں میں اس کی
عزت کرتا تھا۔ لیکن اس لئے کہ فریدی ایک ذمہ دار آفیسر تھا۔ بلکہ یہاں بھی اس کی خود ری
ٹرے آتی تھی اور وہ اس طرح اپنے دل کو سمجھادیا کرتا تھا کہ فریدی ایک ذمہ دین تین آدمی اور پڑ
بردار کا مالک ہے اسی لئے وہ اس کی عزت کرتا ہے۔

فریدی انور کی صلاحیتوں سے بخوبی واقف تھا اور وہ ایک نہیں درجنوں بار اس سے بہت اہم
تم کے کام لے چکا تھا۔ بعض حالات میں اپنے ماتھوں سے زیادہ انور پر اعتماد کرتا تھا۔

فریدی نے اسے موجودہ کیس کی تفاصیل سے آگاہ رکھا تھا اور وہ اس میں بھی انور سے کام لیا
پاہتا تھا۔ فریدی دیئے ہوئے وقت سے پندرہ منٹ بعد نائنٹ کلب پہنچا۔

”تمہیں انتظار کرنا پڑتا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ انور مسکرا یا۔

”حالات سختیں ہوتے جارہے ہیں۔ میرا خیال ہے کہ بہت بڑے بڑے لوگ اس تنظیم سے
تعلق رکھتے ہیں۔ کنور جپال سے تو تم واقعی ہو گے۔“

”جی ہاں! اچھی طرح۔“

”وہ بھی ہے۔“

”بیت تو....!“

”ہاں ہاں! میں سمجھتا ہوں۔“ فریدی سگار سکا تا ہوا بولا۔ ”بھی تک صرف دو کاس را غل کا
ہے۔ لیڈی زوبی اور کنور جپال....!“

”زوبی....!“ انور بڑا بڑا۔ ”ہاں.... ہو سکتا ہے.... حید تو شائد وہیں ہے۔“

”میں نہیں جانتا کہ وہ کیا کرے گا۔ آج سے پھر کوڈاکٹھوت کا فون آیا تھا.... زوبی حید کو
بیوہ شی کی حالت میں ہپتال لے گئی تھی۔“

”بیوہ شی کی حالت میں۔“

”ہاں.... غالباً کوئی پلاٹ....!“ فریدی مسکرا یا۔ ”دو ہری شخصیت والا ڈرامہ۔ اس نے

جائے گا.... آؤ....!

کیڈی پھر چل پڑی۔ اب اس کا رخ کنور جپال کی اقامت گاہ سرگھات پیلس کی طرف تو پھر...!

کنور جپال ریاست سرگھات کا حکمران تھا لیکن آئینی تبدیلی کے بعد ریاست تو کسی خلصے میں نہ ہو گئی تھی اور وہ خود زیادہ تر شہر ہی میں رہنے لگا تھا لیکن اس کی سو شل پوزیشن میں اب بھی کوئی فرق نہیں آیا تھا۔ دولت اتنی تھی کہ پشت ہائپشنٹ اطمینان کی زندگی بسر ہو سکتی تھی۔

فریدی نے اپنی کار سرگھات پیلس سے ایک فرلاگ اور ہر ہی روک دی۔ کیڈی سڑک پر تھی اور سرگھات پیلس کا صرف چھانک نظر آتا تھا۔ کونکہ چھانک پر ایک کافی قوت والا لبر روشن تھا۔

انہیں وہاں پہنچے مخلک سے آدھامنٹ گزرا ہوا کہ چھانک سے ایک کار نکل کر داہمی باہر لیکن وہ دونوں اس بات سے بے خبر تھے کہ ایک تیر آدمی بھی ان کے پیچھے چل رہا ہے۔ پہلی سڑک دو عمارتوں کے درمیان زیادہ روشن نہیں تھی اور چلنے والا بھی اسی ڈھنگ سے برہاتا کر تھا۔

کیڈی بھی آگے بڑھی۔ سنان سڑک پر دو کاریں آگے پیچھے دوڑ رہی تھیں۔

”کیا یہ ضروری ہے کہ اس کار میں جپال ہی ہو۔“ انور بڑبڑایا۔

”اگر اس کے معوالات میں فرق نہیں آیا تو وہ جپال ہی ہو سکتا ہے گاڑی رو لس رو میں۔“

”تم میں نہ ہو۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔ ”میں اور جاؤ گا۔“

اور اس گاڑی کو ہمیشہ وہ خود ہی ڈرائیور کرتا ہے۔

انور پھر کچھ نہیں بولا۔

تقریباً یہی منٹ بعد اگلی کار ایک جگہ رک گئی۔ کیڈی بھی رکی اور اب دونوں کاروں میں اسی فاصلہ تھا جتنا کہ تھا۔

”ارے.... برکلے ہاؤز...!“ دفتار فریدی بڑبڑایا۔ ”وہ برکلے ہاؤز میں گیا ہے مگر کل کم یہ عمارت خالی تھی۔“

انور کی پشت دیوار سے لگی ہوئی تھی اور وہ سیدھا کھڑا اندھیرے میں آنکھیں چھاڑ رہا تھا۔

بہت دور کہیں کہیں روشنی کے دھبے سے نظر آرہے تھے اور جھینگروں کی مسلسل جھائیں جھائیں کان پھاڑ رہی تھی۔

”وہ آدمی جو فریدی اور انور کا تھا۔“ اس کا تھا ہوا یہاں تک پہنچا تھا اس سے تھوڑے ہی فاصلے پر

”نمیں پر سینے کے مل ریگ کرتا ہے۔“

”آپ کو کیسے علم ہے کہ یہ عمارت کل تک خالی تھی۔“ انور نے پوچھا۔

”کیا تم ڈاکٹر ہیں والا کیس بھول گئے۔“ وہ اسی عمارت میں مقیم تھا اور پھر اس کی گرفتاری کے بعد سے مدد میں کے اختتام تک یہ عمارت سرکاری تحويل میں رہی ہے اور میرا خیال ہے۔

”اس کیس کے لئے لاٹوں کا سوداگر“ جلد نمبر 15 ملاحظہ کیجئے۔

”کلے ہاؤز کے ایک کمرے میں پنس جپال، سیٹھے لگگوئی اور سر جگد لش بیٹھے ہوئے تھے اور



زوبی جو پہلے سے کہیں زیادہ حسین نظر آری تھی میز پر دونوں ہاتھ بیٹھے آگے کی طرف چلیں۔ اس کا وہ تنیم سے الگ ہی سمجھنے گا۔

”کیوں....!“ سب نے یہ دقت حیرت ظاہر کی۔

”وہ تنیم سے بد ظن ہو گیا ہے۔“

”بپھر اسے زندہ رکھنے کی ضرورت ہی کیا ہے۔“ جپاں بولا۔

”طااقت کا حکم اسکے بر عکس ہے۔ طاقت کا کہنا ہے کہ اب اس سے کوئی سردار ہی نہ رکھا جائے۔“

”یہ حکم الجھن میں ڈالنے والا ہے۔“ سر جلد لیش نے کہا۔

”کیوں! نہیں میر اخیال ہے یہ طاقت کی ایک بہترین جو یہ ہے۔ وہ اس طرح تنیم کو احکام

ٹاچا ہتا ہے۔ یہ جیز تو تنیم کے احکام کی طرف اشارہ کرتی ہے اگر ہم اس کے کسی مخالف کو اس

کے حوال پر چھوڑ دیں۔ خود آپ ہی سوچنے کیا وہ ہمارے خلاف کوئی ثبوت مہیا کر سکے گا۔“

”نہیں! ہمارا خیال ہے کہ وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔“

”پھر.... ہمیں کیا ضرورت ہے کہ ہم اس کے خون سے ہاتھ رنگیں۔ لیں اس کی بے لی کی کا

ناشدیکھتے رہئے۔ یہ تنیم کے لئے ایک قسم کا امتحان بھی ہے۔ ہمیں خوشی ہو گی اگر وہ تنیم کو

شان پہنچانے کی کوشش کرے۔ ظاہر ہے کہ اس طرح ہمیں اپنے وہ رخنے بھی بند کرنے کا

برتن ملے گا جن پر ہماری نظر بھی نہیں پڑی ہے۔“

”طااقت اس صدی کا بہترین دماغ ہے۔“ کنور جپاں نے حسین آمیز انداز میں کہا۔

”اور یہی زوبی کے متعلق کیا نہیں ہے۔“ سر جلد لیش مسکرا کر بولا۔

”یہ ایک ایسی طاقت ہیں کہ دل بے اختیار کھٹپٹے جاتے ہیں۔“ کنور جپاں نے کہا اور سیٹھ

ٹکول بے ڈھنگے پن سے ہٹنے لگا۔



فریدی نے روشن داں میں خفیف سازہ رکھا تھا اور اس دوڑاں میں اس نے ان کی گفتگو کا

ایسا یک لٹٹا تھا۔

کبھی بھی وہ مزکر کر چکے کی طرف بھی دیکھ لیتا تھا۔ لیکن اس وقت تو اس کی تمام تر توجہ کرے

گئی طرف تھی۔ جس وقت ایک طویل القامت سایہ اس پر جھپٹا تھا فریدی نے اپنے داہنے بازو

تمہارے ایک منذری سی تکلیف محسوس کی وہ بڑی پھرتی سے مرا لیکن حملہ آور اپنا کام کر چکا تھا۔ خبر

”کیا اس اسکیم میں کوئی خای ہے۔“ اس نے ٹھوڑی دیر بعد پوچھا۔

”نہیں خای تو نہیں ہے.... مگر....!“ سیٹھ گنگوہ کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

”نہیں اگر آپ کو اس سے اختلاف ہے تو بے دھڑک انہیں خیال کیجئے۔“ زوبی نے کہا۔

”اختلاف تو نہیں ہے گر میں سوچتا ہوں کہ اس کا اثر تجارتی پالیسی پر کیا پڑے گا۔“

”ٹھیک تو ہے گنگوہ صاحب۔“ کنور جپاں بولا۔ ”اگر دونوں ملکوں کے تعلقات خرا

ہو جائیں تو تجارتی پالیسی کا اعلان ہرگز نہ ہو سکے گا کیونکہ اس کا انحصار سر اسرائیل پر ہے۔“

”آہا.... اب میں سمجھ گیا۔“

”مگر لیڈی زوبی آپ نے جو کام میرے پرداز کیا ہے۔“ کنور جپاں جملہ اور ہماری پچھوڑ

کچھ سوچنے لگا پھر آہستہ سے بولا۔ ”اچھا خیر.... اسے بہر حال ہونا ہی ہے، خواہ کوئی صورت“

”میری طرف سے مطمئن رہئے۔“

”اور میں بھی یقین دلاتا ہوں۔“ سر جلد لیش بولا۔

ابتدا سیٹھ گنگوہ کے چہرے پر اب بھی تشویش کے آثار تھے۔ زوبی نے اس پر اچھتی ای

ڈال کر کہا۔ ”میا آپ کچھ ہمکاری پڑھوں کر رہے ہیں۔“

”ہاں....! میں محسوس کر رہا ہوں کہ اسے دھوکہ دینا آسان نہیں۔“

”وہو کا....!“ زوبی مسکرا کی۔ ”ارے وہا سے دھوکا ہرگز نہ سمجھے گا جس ملک کی مخالف آ

کرانا چاہیں گے، اس سے تواجروں کی یونین پہلے ہی بد ظن ہیں۔ یقین کیجئے کہ سیکریٹری آپ

اس دن سے دیوتا سمجھنے لگے گا جب آپ اس کے سامنے یہ اسکیم رکھیں گے تو کچھ تجب نہیں

وہ آپ کو پوچنے ہی لگے.... اور نیہ بھی سن لیجئے کہ اگر وہ پکڑا گیا تو کبھی یہ نہ کہے گا کہ وہ آپ

در غلبایا ہوا تھا۔“

زوبی خاموش ہو گئی۔ کنور جپاں اور سر جلد لیش بھی گنگوہ کو سمجھانے لگا۔ اور اس نے کا

دیر بعد آمدگی ظاہر کی۔

”اب ایک دوسری بات۔“ زوبی نے کہا۔ ”یہ آپ لوگوں کی اطلاع کے لئے ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ وہ روشنداں میں پھنس گیا ہے۔“ زوبی نے تشویش آمیز لمحے میں کہا۔ دیسے وہ اتنا یوں تو ف بھی نہیں ہے کہ اس روشنداں سے نیچے آنے کی کوشش کرے اور پھر انچائی سنتی زیادہ ہے۔ شائد کوئی پاگل ہی اوپر سے کوئی کوشش کرے۔ کوئی گز بروضہ رہے مر جگدیش....!“

”ہمیام اپر نہیں آؤ گے۔“ ضرغام پھر غریا۔

”ہم آرہے ہیں۔“ زوبی نے چیخ کر جواب دیا اور ساتھیوں سے بولی۔ ”اس کی ناک بھی زخم معلوم ہوتی ہے..... یہ دیکھئے..... فرش پر خون کی بوندیں۔“

وہ بڑی سر اسی مگر کے عالم میں چھٹ پر پہنچے۔ ضرغام داہنے پیر کا گھنٹا نیک نیک کروشنداں سے نکلے کی کوشش کر رہا تھا۔ لیکن بیاں پر ہلتا بھی نہیں تھا۔ دوسرے پیر کو استعمال کرتا تو بھی کا اس مصیبت سے نجات پا گیا ہوتا۔

آن لوگوں نے اُسے کسی نہ کسی طرح روشنداں سے نکالا۔

”میرا بیاں ٹھنڈے اکھڑ گیا ہے سمجھے۔ ورنہ میں تمہیں تکلیف نہ دیتا۔“ ضرغام نے جھلاتے ہوئے لمحے میں ”یہاں فریدی تھا۔“

”فریدی....!“ سب کی زبان سے بیک وقت نکلا اور پھر وہ اس طرح خاموش ہو گئے جیسے سماں پر سو گھنٹے گیا ہو.... وہ ضرغام کو نیچے لائے۔

ضرغام بُری طرح برس رہا تھا۔ ”مجھے یقین ہے کہ اس نے تمہاری گفتگو کا ایک ایک لفظ سنا ہوا گیونکہ وہ آدھے گھنٹے تک اپر رہا ہے۔“

”لیکن تم ادھر کیسے آنکھ تھے۔“ زوبی نے مصلح آواز میں پوچھا۔

”میں نے قسم کھائی ہے کہ میں اسے مارڈاں گا۔ اس وقت ہائی سرکل کلب سے اس کا تعاقب کرتا ہوا یہاں تک پہنچا تھا۔ میں اسے مارڈاں گا۔ خدا کی قسم....!“

”فریدی....!“ سیٹھ گنگوں کی پکپاتی ہوئی آواز میں بولا۔ ”یہ تو بہت نہ اہو۔“

”اب وہاں نہ کیجئے۔“ لیڈی زوبی نے سخت لمحے میں کہا۔ ”اگر وہ ہمارا کچھ کر سکتا ہو تو جھاگ کھل جاتا۔ وہ ہمارا کچھ نہیں کر سکتا۔ اس کی بکواس کون سنے گا۔ ہمارے خلاف وہ جو کچھ بھی کہے گا بکواس ہی کبھی جائے گی۔ ہاں یہ ضرور ہوا ہے کہ اب ہمیں کوئی دوسری ایکیم سوچنی پڑے گی۔

اس کے بازو سے نکل کر چھٹ پر گرا۔ حملہ آور کی گردان اس کے باسیں بازو میں بھینچی ہوئی۔ لیکن حملہ آور بھی کمزور نہیں معلوم ہوتا تھا۔ اس نے فریدی کی گرفت سے نکلنا چاہا۔ دوسرے ہی لمحے میں فریدی نے وابستے ہاتھ سے اس کی ناک پکڑ کر اٹھنے دی۔ ساتھ ہی اس کا روشن دان میں ٹھوٹنے لگا۔ وہ تو اتفاقاً اس کا ہاتھ اس کی ناک پر جا پڑا تھا۔ ورنہ حملہ آور کو بے بر کرنا اتنا آسان کام نہ ہوتا۔ فریدی نے اسے سینے تک روشنداں میں ٹھوٹ دیا اور پھر اچھل کر یہ تیزی سے چھٹ کے اُس سرے کی طرف پہنچا جدھر سے اوپر آیا تھا۔

نیچے اترتے ہی اندر ہیرے میں کسی چیز سے ٹھوکر لگی اور وہ بوکھلا کر اس پر جھک پڑا۔ کیا وہ اس کی لاش تھی؟ فریدی کے سر میں سیٹھاں سی بجھنے لگیں۔ اس نے انجام کی پرواہ کئے بغیر جیسے تاریخ نکالی۔

اور زمین پر اونڈھا پڑا گہری گہری سانسیں لے رہا تھا اور اس کے سر کی پشت پر ایک بلا رخ تھا جس سے خون نکل کر چاروں طرف جم گیا تھا۔

فریدی نے تاریخ بجا کر جیب میں ڈالی اور انور کو کاندھے پر ڈال کر دوڑنے لگا۔ وہ اپنے بڑا رخ بھول گیا تھا جانے کس طرح وہ اپنی کار تک پہنچا۔



وہ سب اچھل کر کھڑے ہو گئے۔ انہیں اوپر روشن دان میں ایک آدمی دکھائی دیا جاؤ۔ خیال کے مطابق ان پر کوڈنا چاہتا تھا کیونکہ اس کا آدھا دھڑکمرے میں داخل ہو چکا تھا اور ”ا“ طرح اپنے دو نوں ہاتھ ہلا رہا تھا جیسے بقیہ جسم کو روشن دان سے نکال کر نیچے آنا چاہتا ہو۔

”ہائی....!“ لیڈی زوبی حیرت سے بولی۔ ”یہ تو ضرغام معلوم ہوتا ہے۔“

”ہا ہے تو وہی....!“ کوئو جپاں نے آہستہ سے کہا۔ پھر اس نے اسے آواز دی۔ ”ضرغام“

اس بڑے کرے کی چھٹ عمارت کی دوسری چھتوں سے زیادہ اوچی تھی۔ ”ضرغام کے بچو! اوپر آؤ۔“ ”ضرغام چکھاڑا۔“

”اس حرکت کا کیا مطلب۔“ سرجکدیش نے نہ اسامنہ بنائے کہا۔ ”یہ آدمی بہت بد نیزی میں اسے قلعی پسند نہیں کرتا۔“

موجودہ ایکم تواب کامیاب نہیں ہو سکتی۔
کمرے میں سناٹاٹاری ہو گیا۔

اطھارِ عشق

”ویری گذ...!“ سرفیروز اچھل کر کھڑا ہو گیا۔ ”سب ٹھیک ہے۔
”میں کچھ بھی نہیں سمجھ سکتا جناب۔“

”تم بچ بیو ش ہو گئے تھے یا زبی کو انوبار ہے تھے۔“ اس نے رازدارانہ لمحہ میں پوچھا۔
”میں بیو ش ایسے آپ کیا فرمائے ہیں۔ ویسے مجھے اپنی اس حرکت پر ندامت ہے کہ آج
ہفت سو گیا۔ امید ہے کہ آپ معاف فرمادیں گے۔“

حید اپنے کمرے میں بیو ش پڑا تھا۔ اب بھی بیو ش رہنے کی وجہ یہ تھی کہ سرفیروز کی المک
بیوہ عورت کی طرح اس کے سر پر مسلط تھا جس کا کلو تالڑا کامر گیا ہو۔ حید کی باردل ہی دل میں
اچھا ب تم آرام کرو۔ آج ہم رات بھر مینڈھے لڑائیں گے۔“ اس نے کہا اور آہستہ
آہستہ پڑھا ہوا کمرے سے نکل گیا۔

تقریباً چار گھنٹے سے اس نے پاپ نہیں پیا تھا اور اب اسکی روح کو بھی جانیاں آنے لگی تھیں۔ ”رات بھر مینڈھے لڑاؤ گے۔“ حید آہستہ سے بڑبڑایا۔ ”ضرور میئے خاں۔ آج کی رات
”اب اب ہکھکو بھی اٹو کے ٹھے۔“ اس نے ایک بار پھر دل ہی دل میں کہا۔ لیکن سرفیروز بری ہے۔

اس نے پاپ میں تمباکو بھری اور اس سے سلاک کر آرام کری پر دراز ہو گیا۔ اس کا ذہن کچھ تھے
اٹ مرتب کر رہا تھا مگر دشواری یہ تھی کہ فریدی کا مشورہ لئے بغیر کوئی نیا اقدام ناممکن تھا۔...
کوئی بیو شی والی حرکت تو وہ ایک صمنی سی چیز تھی۔

رات کے کھانے کی میز پر سرفیروز سے ملاقات نہیں ہوئی اس نے کھانے سے انکار کر دیا۔
اں کی بھیجاں عالیہ، شہزاد اور نوشابہ موجود تھیں۔ کھانے کے دوران وہ سکھیوں سے حید کی
طرف دیکھتی رہی تھیں لیکن کوئی کچھ بولی نہیں تھی۔

کھانے کے بعد کافی پیتے وقت عالیہ جو خود کو سب سے زیادہ شریز ثابت کرنے کی کوشش
کرنی تھی بولی۔

”بھل لوگ واقعی بہت چالاک ہوتے ہیں۔“
”دونوں لڑکیاں چند لمحے اُسے شرات آمیز مسکراہٹ کے ساتھ دیکھتی رہیں۔ پھر بولیں۔

”جلے کی وضاحت کرو۔“
”مثلاً... آپ....!“ عالیہ نے حید کی طرف اشارہ کیا۔

”مثلاً میں....“ حید نے کافی کی پیالی میز پر رکھتے ہوئے نہ اسامنہ بٹلیا۔ ”کیا چالاکی دیکھی
ہے آپ لوگوں نے۔“

بہر حال وہ ہوش میں آگیا۔ اس انداز میں آیا جیسے وہ کمرے میں تھا ہو۔
”شکر ہے.... شکر ہے۔“ سرفیروز جلدی سے بولا اور حید اچھل پڑا۔

”اوہو.... آپ....!“ حید بوكھلانے ہوئے انداز میں بولا۔ ”آپ بیہاں....!“
”کچھ نہیں۔ سب ٹھیک ہے۔ تم میرے سیکریٹری ہی ہوئا۔“

”جناب والا....!“
”گذ... تو اس کا مطلب یہ کہ اب تم دورے کی حالت میں نہیں ہو۔“

”کیسا دردہ....!“ حید پلکیں جھپکانا ہوا بولا۔
”سب ٹھیک ہے.... گذ... تم شہزادے تو نہیں ہو۔“

”شہزادہ.... میں نہیں سمجھا۔“
”مطلوب یہ کہ.... کچھ نہیں سب ٹھیک ہے۔ شروع ہو جاؤ۔ دودو آنے چار چار آنے۔“
”دودو آنے.... چار چار آنے۔“ حید نے دہر لایا۔

نو شا به انہیں الگ کرنے کی پوری پوری کوشش کر رہی تھی لیکن ان دونوں پر توجیہے بھوت سوار ہو گیا تھا۔ وہ کسی طرح بھی ایک دوسرا کو نہیں چھوڑ رہی تھیں۔
حمدہ دور ہی کھڑا ہائیں ہائیں کرتا رہا۔

نو شانہ نے بڑی دشواری سے انہیں الگ کیا اور شہزاد کو دھکیلیت ہوئی اس کے کمرے کی طرف لے جانے لگی۔ عالیہ پھر اس کی طرف جھپٹ رہی تھی۔ حمید در میان میں آگیا۔
”تم ہٹ جاؤ۔“ عالیہ اسے دھکیلیت ہوئی بولی۔

”آپ میری لاش ہی پر سے گزر کر محترمہ شہزاد کی طرف جا سکیں گی۔“
”محترمہ.....!“ عالیہ نے دانت پیس کر سخت لبجے میں کہا۔

”چلنے..... چلنے.....!“ حمید اس کا بازو پکڑ کر کھینچتا ہوا بولا۔ ”دل تو نہیں چاہتا کہ آپ کو آپ کے کمرے تک پہنچاؤں مگر آپ خطرناک ہو گئی ہیں۔“

وہ اسے اس کے کمرے تک پہنچا کر پھر ڈرائیور کروم میں واپس آگیا کونکہ ابھی اسے کافی کا کپ اور بینا تھا۔ عالیہ اپنے کمرے کی طرف جاتے وقت واپسی کے لئے چل تو ضرور رہی تھی لیکن اس کے اس رویے میں جان نہیں معلوم ہوتی تھی۔ کیونکہ وہ جسمانی طاقت کے اعتبار سے شہزاد سے کمزور تھی۔

نو شا به بھی ڈرائیور کروم میں واپس آکر اپنے لئے کافی کا دوسرا آپ تیار کرنے لگی۔ وہ حمید کو بیب نظر دوں سے گھور رہی تھی۔

”تم آخر کرنا کیا چاہتے ہو۔“ اس نے اس سے پوچھا۔
”میں یہاں رہتا چاہتا ہوں۔“ حمید نے بڑی مخصوصیت سے جواب دیا۔ ”دوسرا بیکری شریوں کی طرح بھاگوں گا نہیں۔“

”وہ تو میں دیکھ رہی ہوں۔ تم نہیں بھاگو گے خواہ کوٹھی ہی دیران ہو جائے۔“
”بھاگاں میرا دل الگ گیا ہے۔“

”لگنا بھی چاہئے۔ لیکن تم پچا جان بے کوئی رقم نہ وصول کر سکو گے۔ حساب کتاب سب جنگ جان کے تامہ غمہ رہتا ہے۔“

”نہیں تو کیا میں بے تخواہ کام کر رہا ہوں۔“

”میاد و پہر کی بیہو شی ڈھونگ نہیں تھی۔“ عالیہ نے کہا۔
”سر فیروز بھی میری بیہو شی کا حوالہ دے چکے ہیں۔“ حمید تشویش آمیز لمحے میں بولا۔
ان کی بات کا کیا اعتبار۔ کیا میں حقیقتاً بیہو ش ہو گیا تھا۔“
لڑکیاں بھی پڑیں۔

”دیکھئے.... میں آپ لوگوں سے زیادہ بھیں سکتا ہوں۔ اگر مجھے غصہ آگیا تو آپ ہستے پر مر جائیں گی.... سمجھیں۔“
”تم خود مرو گے اور بہت جلد مرو گے۔ چچی کا چڑے کا چاک... ملک الموت سے کم نہیں۔
”چچی، چڑا، چاک!“ حمید نے قہقہہ لگایا۔ ”اور جس سے کیا ہوتا ہے۔ چچھوندر.... چھوڑ۔
چھگاڑو.... چور.... چمار.... ہلا....!“

”اچھا! تم یہ سب کچھ چچی کو کہہ رہے ہو.... اچھا چھا....!“ شہزاد بولی۔
”آپ کا نام بھی جس سے چڑا زاد ہونا چاہئے تھا۔“
”نہیں چچھوندر....!“ عالیہ نے دلبی زبان سے کہا اور شہزاد اسے دونوں ہاتھوں سے پیٹنے لگا
یہ تینوں مختلف والدین سے تھیں اور سر فیروز لاولد ہونے کی بنا پر اپنے بھائیوں اولادوں میں سے کسی نہ کسی کو ہمیشہ اپنے ساتھ رکھتا تھا۔
”ہاں.... ہاں.... ارے.... ارے۔“ حمید نجی بچاڑا کرانے کے لئے کھڑا ہو گیا۔ ”حالاً
لفظ چچھوندر بہت بُرا ہے لیکن پھر بھی آپ سے استدعا کروں گا کہ محترمہ عالیہ کو معا
کردیجھے۔“

شہزاد کو بچھی غصہ آگیا تھا۔
حمید اس کا اسکریو کسٹار ہا۔ اپنی طرف تودشمنوں کو بھی چچھوندر نہیں کہتے کیونکہ اس
ماں کی عزت پر حرف آتا ہے۔ چچھوندر ہماری طرف اس لڑکی کو کہتے ہیں جس کی ماں کو آدا
کا طعنہ دینا ہوتا ہے۔“
عالیہ برابر ہنستی رہی تھی۔ حمید کے اس جملے پر اس نے دوبارہ شہزاد کو چچھوندر کہہ۔
شہزاد کا بھرپور باتھ اس کے گال پر پڑا۔ اس پھر دونوں لپٹ پڑیں۔ عالیہ نے اس کے بال کا
چھبھجوڑا لے۔

”نہیں.... تنخواہ تو ملے ہی گی۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ تم اپر سے کچھ نہ اینٹھ سکو گے۔“
”کیا آپ مجھے کوئی فراہم بھجتی ہیں۔“
”تم نے ان دونوں کو کیوں لڑا دیا۔“
”آہ.... یہ نہ پوچھئے۔“ حمید ٹھنڈی سانس لے کر بولا۔
”کیوں....!“

”جب میں....!“ وہ رک رک کر بولا۔ ”آپ کی.... طرف دیکھتا ہوں.... تو“
”دونوں.... مجھے گھورنے لگتی ہیں۔“
”کیا مطلب....!“

”اب.... مطلب.... کچھ نہیں.... شاہزاد میں پاگل ہو گیا ہوں۔ اگر نہیں ہوا تو ہو جاؤں گا.... یقیناً مجھے بھاگنا پڑے گا۔“

”میں پوچھ رہی ہوں کہ تم نے ان دونوں میں بھگڑا کیوں کر دیا۔“

”کیا آپ مجھے کافی نہ دیں گی۔ میں دنیا کا مظلوم ترین انسان ہوں۔“

”تم.... نہ جانے کیا ہو۔ اگر اس وقت یہ یہوش نہ ہو جاتے تو چھی....!“

”ہاں کیا.... پھر وہی یہوش۔ کیا میں حقیقت کبھی یہوش ہوا تھا۔“

”پتہ نہیں.... میرے دامغ میں اتنی قوت نہیں ہے کہ تم سے گنتگو کر سکوں۔“ اس نے کافی بنا کر حمید کی طرف کپ کھکھ کا دیا۔

”شکر یہ.... لیکن.... آپ بار بار چھی کی دھمکی کیوں دیتی ہیں۔“

”اگر وہ چاہیں تو تم یہاں نہیں رہ سکتے۔“

”اور آپ کیا چاہیں گی۔“

”میں.... کیوں! میرے چاہنے سے کیا ہوتا ہے۔“

”کیا سکریٹری کی عدم موجودگی میں آپ لوگوں کو بور نہیں ہونا پڑتا۔“

نو شاہ بے نے کوئی جواب نہیں دیا۔ تھوڑی دری خاموشی سے کافی کے گھونٹ لئی رہی پھر بول۔

”عالیہ چھی کی ناک کا باال ہے۔ وہ ان سے ضرور کہے گی کہ تم نے اسے شہرزادے لڑا دیا۔“

مجھے آپ کی چھی کی ذرہ برابر پروادہ نہیں ہے۔ میں آپ کے چھاکا سکریٹری ہوں۔“

نو شاہ بے کے ہونٹوں پر ایک تنخی مسکراہٹ پھیل گئی۔
”آپ اس طرح مسکراہی ہیں جیسے میں نے کوئی حماقت آمیز بات کہہ دی ہو۔“
”تنخی حماقت آمیز۔ کیونکہ ہو گا وہی جو چچی چاہیں گی۔ کیا تم نے محوس نہیں کیا کہ چچا
بان ان سے کتنے خوفزدہ رہتے ہیں۔“
”خوفزدہ کیوں رہتے ہیں۔“
”کیا اب تم نجی معاملات میں بھی دخیل ہونا چاہتے ہو۔“
”آپ بالکل غلط سمجھیں ہیں۔ میں صرف اپنی ملازمت برقرار رکھنا چاہتا ہوں۔“
”ملازمت....!“ وہ پھر تنخ انداز میں مسکرائی۔
”کیوں! بھی آپ کی مسکراہٹ....!“

”تم ملازمت کے لئے یہاں ہو یا تفریح کے لئے۔“

”یہ کیا بات ہوئی اسے جملہ سمجھوں یا کسی منع کا اشارہ نہ بچار سو میں... دائیں سے باہیں۔“
”تمہیں ملازمت کی ضرورت تو نہیں۔“ وہ سنجیدگی سے بولی۔
”حمدی اس جملے پر بوکھلا گیا۔ لیکن چھرے سے کیا ظاہر ہوتا؟ کیونکہ چھرے پر تو پلا سنک میک اپ تھا البتہ اس نے آنکھیں ضرور بند کر لیں اور زبردستی مسکرانے کی کوشش کرنے لگا۔
”تم کوئی کاخ اسٹوڈنٹ ہو اور تفریح کے لئے یہاں آگئے ہو۔“ نو شاہ بے بولی اور حمید نے اٹھیاں کا سانس لیا۔

”نہیں آپ غلط فہمی میں بتتا ہیں۔ میں اسٹوڈنٹ ضرور تھا مگر اب نہیں ہوں۔ بعض گھور بول کی بناء پر مجھے ایک۔ اے کادوسر اسال چھوڑنا پڑا۔ یہ ملازمت میں نے اس لئے پسند کی ہے کچھ پڑھنے کا وقت بھی ملتا ہے گا.... مگر میں.... میں بالکل انو ہوں۔ جہاں آپ موجود ہیں بال شاعری کے علاوہ اور کیا ہو سکتا ہے۔ میں یہاں سے چلا جاؤں گا۔“ حمید کی آواز دردناک ہو گئی۔ ”میں صرف آپ کی وجہ سے یہاں نہیں رہ سکتا۔“

”کیوں میری وجہ سے کیوں! میں نے کیا کیا ہے۔“

”آپ نے کچھ نہیں کیا۔ قصور میراہی ہے۔“

”لیا بک رہے ہو۔ میں کچھ نہیں سمجھی۔“

”کیا ہے....!“ اندر سے جھلائی ہوئی آواز آئی۔

”میں ہوں محترمہ شہزاد....!“ حمید نے روڈینے والی آواز میں کہا۔
روازہ کھلنے میں دیر نہیں گلی۔ شہزاد بڑے چھولوں والے سلپنگ گاؤں میں تھی۔

”فرمائیے محترم....!“ اس نے اپنے چڑچڑے پین کا مظاہرہ کیا۔
”آخر آپ مجھ سے کیوں خفاہیں۔“

”شروعات تو آپ ہی نے فرمائی تھی۔“

”میرا ہرگز یہ مقصد نہیں تھا۔ میں نہیں جانتا تھا کہ محترمہ عالیہ اس طرح آپ کی توپیں
ریں گی۔ آہ مجھے بہت دکھ ہوا ہے۔ غالباً کل وہ اس معاملے کو پچھی کے سامنے پیش کریں۔“

”میں اُس سور کی پچھی زوبی سے بالکل نہیں ڈرتی۔“

”حمد نے دل میں کہا۔“ وہ مارا... کام بن گیا۔

”آپ ڈریں ہی کیوں۔“ وہ کمرے میں داخل ہوتا ہوا بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ سارا معاملہ
وسر فیروز ہی کا بگڑا ہوا ہے۔ آخر وہ ان سے اتنے خائف کیوں رہتے ہیں۔“

”اُنکی دیشیت ایک غلام سے زیادہ نہیں ہے۔“ شہزاد دروازہ بند کرتی ہوئی بولی۔ ”بیٹھ جاؤ۔“
حمد ایک کرسی پر بیٹھ گیا۔ شہزاد کہہ رہی تھی۔ ”سب کچھ زوبی کے قبضے میں ہے وہ ان
سے سادے چیزوں پر دستخط لے کر بہت بڑی بڑی رقمیں بینک سے نکلتی ہے اور ان رقموں کا کیا
نہ ہے.... خدا جانے۔“

”اوہ.... یہ تو بہت نہ اے۔“ حمید بڑا لیا۔

”تمے سے بھی بُر اور پچا جان اس سے اس طرح ڈرتے ہیں جیسے ان کا رزق اسی کے ہاتھ
میں ہو۔“

”چیچی....!“ حمید نے افسوس ظاہر کیا۔

”تم یہ نہ جان سکو گے کہ زوبی ہی کسی سیکریٹری کو نہیں لکھنے دیتی۔ نہ جانے کیوں وہ اس گھر
مل کی باہری آدمی کا وجود نہیں دیکھ سکتی۔ اس کے برخلاف پچا جان ہمیشہ ایک ایسے آدمی کے
لئے کوئی رہتے ہیں جو ہر وقت ان کے ساتھ رہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تھرات ہی کی بناء پر ان کا دماغ ماؤف ہو گیا ہے۔“ حمید نے کہا۔

”میں نے آپ کو کیوں اپنے ذہن میں گھسنے دیا۔“ حمید نے مغموم آواز میں کہا اور اس کے
گلوں پر دو آنسو ڈھلک آئے۔

”اوہ.... گدھے کہیں کے۔“ تو شاب جھینپے ہوئے لبجھ میں بولی اور ذرا لینگر دم سے چل گئی۔
حمد چند لمحے سوچتا رہا پھر اٹھ کر عالیہ کے کمرے کے دروازے پر آیا جو اندر سے بند تھا۔
اس نے آہستہ سے دستک دی۔

”میں ہوں۔“ حمید نے گھٹی گھٹی سی آواز میں کہا۔

”تم کیوں ہو۔“ اندر سے عالیہ بولی۔ پھر قدموں کی آہستہ ستائی دی اور دروازہ کھل گیا۔
”مجھے افسوس ہے۔“ حمید نے گلوگیر آواز میں کہا۔

”ہاں یہ حرکت تمہاری ہی تو تھی۔“

”بہر حال میں محترمہ شہزاد کو اتنا بد تیز اور بد اخلاق نہیں سمجھتا تھا۔“
”ارے.... وہ کپی کیمنی ہے۔ ذلیل کہیں کی۔“

”جی ہاں.... ورنہ مذاق ہی مذاق میں کیا نہیں ہو جاتا۔ ویسے شاکد... میں آج رات بھر
سو سکوں۔ مجھے دلی اذیت پہنچی ہے۔“

”اچھا ہب جاؤ مجھے بورنہ کرو۔“

”آپ نے مجھ پر جادو کر دیا ہے۔“
”کیا....؟“

”جادو.... میں مر جاؤں گا۔“

”ڈفر! تمہارا دماغ تو نہیں چل گیا۔ کیا چیج پچھی کا چاپک بھول گئے۔“
”یاد کر سکیں کوئی بات بھی ہوتی۔ ایک بھی میرے جسم پر نہیں چل گیا۔ میں آپ سے... محبت...“

”محبت.... محبت! میں سمجھی۔“ اس نے چھپت کر حمید کا کان پکڑ لیا پھر اس کے پر
دوسری طرف موڑتی ہوئی بولی۔ ”جاو.... سو جاؤ صبح محبت کا جواب دوں گی۔“

”دروازہ حمید کی کھوپڑی سے نکل رکا یا کیونکہ وہ بند ہو چکا تھا۔“

”حمد چند لمحے وہیں کھڑا اپنی کھوپڑی سہلا تارہ پھر شہزاد کے کمرے کی طرف چل چلا۔“
”نے دروازے پر دستک دی۔“

"مجھے شبہ ہے۔"

"کس بات میں۔" حمید کی لپچی بڑھ رہی تھی۔

"اسی میں کہ اُن کا داماغ خراب ہے۔"

"ارے.... وہ تو صاف ظاہر ہے۔ محترمہ شہزاد اور نہ اتنا برا آدمی اور اس طرح کھلونوں کی میں تیار ہوں۔" دوکان سجاتا پھرے۔

"خیر.... اگر تم یہاں پہنچ دو رہ گئے تو خود ہی دیکھ لو گے۔"

"کیا دیکھ لوں گا۔"

"میرا سر....! شہزاد جلا گئی۔"

"وہ تو دیکھ ہی رہا ہوں۔ آہ آپ کا سر....! آپ کی گھونگھریاں زلفیں.... یہ پیشانی چھے ہڑتے ہیں لیکن تم خود سوچو! کیا ایسے شوہر اپنے بیویوں کے سادہ چیزوں پر دستخط بھی کرتے ہیں گے۔ آخر چچا جان ایسا کیوں کرتے ہیں۔"

"آپ بہت ذہین ہیں۔" حمید نے سنجیدگی سے کہا۔ "کسی اور کسی اس پر نظر نہ پڑی ہو گی۔"

"اس معاملے میں تم مجھ سے متفق ہوں۔"

"میں متفق ہوں۔ لیکن آپ تلاشی کیوں لینا چاہتی ہیں۔"

"میرا خیال ہے کہ زوبی چچا جان کو بیک میل کر رہی ہے۔"

"آپ واقعی بہت ذہین ہیں۔ ہو سکتا ہے... مگر تلاشی۔"

"پوری بات سنو۔" شہزاد جلا گئی۔ حمید خاموش ہو گیا اور بولی۔ "ہو سکتا ہے اس کے قبے نما کچھ ایسا مواد ہو۔ میرا مطلب بیک میلگ اٹھف....!"

"میں سمجھ گیا۔ اچھا میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ آپ کی مدد کروں گا۔"

"ٹانکہ آج رات زوبی واپس نہ آئے گی۔ مگر کمرے کا قفل....!"

"آپ قفل کی پواہ نہ کیجئے۔" حمید نے کہا اور اپنے پاپت میں تمبا کو مھرنے لگا۔

"آہ! کل تو مجھے کوٹھی ہی سے نکلنا پڑے گا۔ لیڈی زوبی....!"

"کیا تم بھی اس سے ڈرنے لگے ہو۔"

"آج ویکھا آپ نے۔ اگر ایک چاپک بھی میرے جسم پر پڑ جاتا تو مجھے خود کشی ہی کرنی پڑتی۔"

"میں نے دیکھا تھا تم بہت پھر تسلی ہو۔ بہت زیادہ اور اسی لئے میں تمہیں ڈرپوک بھی نہیں

سمجھتی۔ تم اس وقت بھی اس سے بڑی بے پرواہی سے گفتگو کر رہے تھے جب وہ چاپک ہلانے

ہلاتے جھک گئی تھی۔"

"کیا آپ چاہتی ہیں کہ میں یہاں سے نہ جاؤ۔"

"ہاں میں بھی چاہتی ہوں۔"

"میں وجہ ضرور پوچھوں گا محترمہ شہزاد....!"

"میں سوچتی ہوں کہ تم پر اعتماد نہ کرنے کی کوئی وجہ نہیں۔ ہم سب کا خیال ہے کہ تم کوئی

اسٹوڈنٹ ہو اور محض ایڈوچر کی خاطر یہاں آگئے ہو۔ کیونکہ چچا جان کی جھک سارے شہر میں

خوفناک دھماکے

فریدی نے بیویوں اور کو صوفے پر ڈال دیا۔ وہ اپنی کوٹھی میں پہنچ چکا تھا۔

ڈاکٹر کے آنے میں دیر نہیں گلی۔ ڈاکٹر انور کا خم دیکھنے لگا اور فریدی نے اپنے بازو کا زر برم بکھر پہنچ سکیں گے جس نے تنظیم کی داغ بدل ڈالی ہے۔“

خود ہی دیکھنا شروع کر دیا۔ خم زیادہ گہرا نہیں تھا اس نے خود ہی اسے صاف کر کے بائیں ہاتھ پر انور کچھ کہنے ہی والا تھا کہ فون کی تھی بھی۔ فریدی نے رسیور اٹھا لیا۔

بینڈنگ کر لی۔ ڈاکٹر کی موجودگی میں انور کو ہوش آگیا تھا لیکن وہ خاموش پڑا رہا۔ ڈاکٹر کے جانے پہلو... ادھ... تم کیوں؟ واقعی... شاباش... اچھا فرزند... میں اسے ہر قیمت پر اسی عقیقی پارک میں پہنچ جاؤ۔ میں آرہا ہی بڑدا نے لگا۔

”میں بالکل گدھا ہوں۔ اچھا خاص ادیوار سے لگا کھڑا تھا۔ قریب ہی آہٹ محسوس ہوئی اور ہوں۔ تم نے ایک بہترین کار نامہ سر انجام دیا ہے۔“

میں کچھ ایسا غالی الذہن ہو رہا تھا کہ خواہ مخواہ آگے بڑھ گیا اور پھر ظاہر ہے۔ بے خبری میں کچھ فریدی نے رسیور کھ دیا۔ اس کے چہرے پر دبے ہوئے جوش کے آثار نظر آرہے تھے۔ یہی حشر ہوتا ہے۔“

”فکر مت کرو۔“ فریدی اپنی آستین الٹ کر بینڈنگ کی طرف اشارہ کرتا ہوا بولا۔ ”اوہ“ کیسی میشین... کون تھا...؟“ انور نے پوچھا۔

”جیمیڈ نے ویسی ہی ایک میشین زوبی کی خواب گاہ سے برآمد کر لی ہے جیسی اس نے جیسی ایڈٹریکیا ہوا۔“ بھی حماقت سے خالی نہیں ہیں۔“

”خیز... اتفاقاً نظر اٹھ گئی۔ ورنہ یہ زندگی کی آخری رات ہوتی۔ خیر کچھ بھی ہو۔ یا“ میں بھی چلوں۔“

”معلوم ہی ہو گیا کہ وہ بے خبر نہیں ہیں اور لست میں ایک نئے نام کا اضافہ ہوا پرنس شمشاد...!“ ”نہیں... ضرورت نہیں۔“

”پرنس شمشاد...!“ انور نے حیرت سے دھر لیا۔

”ہم پرنس جپاں کا تعاقب کرتے ہوئے وہاں پہنچ چکے۔ قریب قریب سمجھی چوٹی کے لوگوں کی لفظ وہ ہو گیا تھا اور اسٹریگ کرنے میں کافی ڈشواری محسوس ہو رہی تھی لیکن اسے شاید اپنے۔ سر جکدیش، سیٹھ گلگولی، زوبی تو موجود تھی ہی۔ وہ بھی تنظیم میں کسی بڑی حیثیت کی نہیں۔ اپنے افسی نہیں بلکہ عشق تھا۔

”علوم ہوتی ہے۔ پرنس شمشاد موجود نہیں تھا اور اس کے متعلق کہا گیا تھا کہ وہ تنظیم سے برگزانتی کی دیر بعد کیڈی منزل مقصود پر پہنچ گئی۔ سرفیروز کی کوئی عقیقی پارک سنان پڑا ہو گیا ہے۔ یہ آدمی اپنے کام کا معلوم ہوتا ہے اور سنو... اب یہ بھی معلوم ہو گیا ہے کہ تم اس کا رقمہ چار فرلاگ سے کسی طرح کم نہ رہا ہو گا اور اندر ہیری رات میں یہاں کسی کو تلاش تجواری پالیسی کو ناکام بنانے کے لئے آئندہ کون ساطریقہ اختیار کریں گے۔“

”کیا...!“

”کچھ نہیں... اب شائد ہی وہ اسے بروئے کار لائیں۔ اس لئے اس کا تذکرہ ہی فضول۔“

”اس نے اپنے زخمی بازو پر ہاتھ رکھ کر سکی سی لی اور چاروں طرف اندر ہیرے میں آنکھیں پلانے لگا۔“

”کیوں...؟ کیا دشواری ہے۔“

”بھی عجیب معاملہ ہے۔ مجرم سامنے ہیں لیکن میں انہیں گرفت میں نہیں لے سکتا۔“

”اچاک اسے تھوڑے ہی قابلے پر کئی قدموں کی آوازیں سنائی دیں۔ وہ ایک درخت کے تھے سلپٹ کر کھڑا ہو گیا۔“

”بیوت... شہوت کہاں سے مہیا کروں گا اور شہوت مہیا کئے بغیر ان میں سے کسی کو کہا دو دسری ہی ثابت ہو گا۔ نہیں ان پر ہاتھ ڈالنا دیسے بھی فضول ہی ہو گا۔ اس طرح ہم اس کو“

”آنے والے اس سے تھوڑے ہی قابلے پر رک گئے پانچ آدمیوں کے دھنے لے مجھے۔“

یہ اس علاش میں چل پڑا تھا۔ حید کو بھی پھر انو بننا پڑا۔ اُسے یہ حرکت انتہائی معنکے خیر معلوم ہو رہی تھی۔ لیکن یہ طریقہ پہلے بھی بار کار آمد ثابت ہو چکا تھا۔ اس نے اس کی افادیت سے تو اندر کیا ہی نہیں جا سکتا تھا۔ اُسے وہ واقعہ بھی یاد آگیا جب ایک بار فریدی کو اندر ہیرے میں کتوں کی طرح بھونکنا پڑا تھا اور اس حرکت کی بنا پر ایک بہت بڑی کامیابی اس کے حصے میں آئی تھی۔

جھاڑیوں میں سر سراہٹ ہوئی اور کسی نے آئندہ سے کہا۔ ”حید تم ہو۔“
”نہیں میں اس کی مادہ ہوں۔“ حید چک کر بولا۔

”ہاں.... مشین بھی ہے لیکن وہ میرے علاوہ اور کسی پرشہ نہیں کرے گی۔“

”تم اب یہاں نہیں رہو گے۔“ فریدی بولا۔ ”جلدی کرو۔ کیڈی پارک کے باہر موجود ہے۔“

”مگر میں تو نہیں رہنا چاہتا ہوں۔ بڑی مشکل سے ایک کوراہ پر لایا ہوں، امرے واہ۔“

”بکواس مت کرو.... چلو....!“

”پلتاؤ پڑے ہی گا۔“ حید نے ہندی سانس لی۔ ”گر خطرہ کیا تھا۔“

”چار آدمی تمہارے منتظر ہیں اور زوبی تمہیں یہاں سے لانے کے لئے اندر گئی ہیں۔“

”آہا.... تو کیا اتنی وہ مجھے بھیجاں گئی ہے۔“

”نہیں! لیکن تم بعد کے حالات سے واقعہ نہیں ہو.... چلو....!“

”ارے.... میں اپنے جوتے وہیں چھوڑ آیا ہوں۔“ حید نے رو دینے والی آواز میں کہا۔

”کام خراب کرو گے۔“ فریدی جھنجھلا گیا۔ ”جاو.... چلو....!“

”میں کہاں جاؤں.... اور آپ....!“

”کیڈی زیادہ دور نہیں ہے۔“ وہ اس کی گردن ایک طرف گھماتا ہوا بولا۔ ”بس سیدھے چلے

جا۔“ جھاڑیوں کا سلسہ جہاں ختم ہوتا ہے وہاں سے دس یا بارہ گزر کے فاصلے پر ایک گہری کھائی

ہے۔ کیڈی تمہیں وہیں ملے گی۔ سیدھے گھر ہی جانا۔ مشین کی حفاظت ضروری ہے۔“

حید کو وہیں چھوڑ کر فریدی پھر جھاڑیوں سے نکلن گیا۔

کھائی کے قریب پہنچ کر وہ ایک لمحے کے لئے رکا اور جھک کر کھائی کی گہرائی کا اندازہ کرنے

لگا۔ اور سے کیڈی کی علاش غضول تھی کیونکہ کھائی کے اوپر درخون کا سایہ تھا۔

”ویسچے اتنے کے لئے کوئی اچھا سارستہ علاش کرنے لگا لیکن اس نے جو طریقہ اختیار کیا تھا

”تم لوگ یہیں ٹھہرو۔“ یہ کسی عورت کی آواز تھی۔ فریدی نے صاف بھajan لیا۔ بولے
والی زوبی کے علاوہ اور کوئی نہیں تھی۔

”اب کیا راہ ہے۔ لیڈی زوبی۔“

”نیا سیکریٹری.... اب مجھے یقین آگیا ہے کہ وہ فریدی ہی کا کوئی جاسوس ہے۔ میں اسے
یہاں لااؤں گی اور تم لوگ اسے اخاکر دیں لے جاؤ گے۔“

فریدی کے ہونٹ پھینگنے۔ پانچ سالیوں میں سے ایک عمارت کی طرف بڑھ رہا تھا۔



حید کے لئے کوئی شیخی سے نکلا مشکل نہیں تھا کیونکہ کوئی میں کتے نہیں تھے۔ مشین اس نے
حاصل کر لی تھی البتہ شہزاد کو اپنی کوششوں میں ناکامی ہوئی تھی۔ وہ کوئی ایسی چیز نہ حاصل کر سکی
جو اس کے خیال کی تائید کرتی۔

کوئی میں ہر طرف سنا تھا۔ کلاک نے ڈیڑھ بجائے اور حید عقیلی پارک کی طرف روانہ
ہو گیا۔ پارک میں پہنچ کر اسے بہر حال خود کو چھپانا تھا کیونکہ زوبی باہر تھی حالانکہ عقیلی پارک کی
طرف سے اسکی واپسی کا امکان نہیں تھا پھر بھی حید احتیاط اور ختوں کے جھنڈی کی طرف بڑھ گیا۔
ہر طرف اندر ہیرے کی حکمرانی تھی۔ سناٹے میں جھیگروں کی آوازیں گونج رہی تھیں۔
اچانک کسی انکو کی تیز آواز سناٹے میں دو سک لہراتی چلی گئی۔ اسی قسم کی دوسری آواز پر حید کو پہ کر
پڑا۔ تیسری.... چو تھی.... اور پانچوں.... آوازوں نے تو اسے اچھی طرح ہوشیار کر دیا۔

اور وہ قریب کی جھاڑیوں میں گھستا چلا گیا۔

آواز ایک بار پھر سناٹے میں لہرائی اور یہی بیک حید بھی انہوں ہو گیا۔ اس کے حقن سے ہم
اسی قسم کی چند آوازیں نکل کر فضائی منتشر ہو گئیں جن کا جواب فور آئی ملا اور پھر سناٹا چھا گیا۔
اوے یعنی تھا کہ اس نے غلطی نہیں کی۔ انکو سی آوازیں نکالنے والا فریدی کے علاوہ اور
کوئی نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک مخصوص اشارہ تھا اور فریدی کی اپنی ایجاد.... وہ مختلف قسم کے پرندے
اور جانوروں کی آوازوں نکالنے پر قادر تھا اور اکثر انہیں مخفی اشاروں کے طور پر استعمال کر تھا
انکو آواز کا یہ مطلب تھا کہ ”خطرہ ہے چھپ جاؤ۔“
اس نے پھر وہی آواز سنی۔ اس بار آواز بہت قریب سے آئی تھی شاید فریدی اس کی آواز

رہے گا۔ کیونکہ تم زیادہ نیک نام نہیں ہو۔ ویسے پیارے بہت ہو۔“
حید بھنا کر رہ گیا لیکن کچھ بولا نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس وقت سب سے برا مسئلہ یہ تھا کہ اس کس طرح پنا جائے۔
کیڈی انڈھیرے میں چلتی رہی۔ حید اب بھی روپا اور کی نال اپنی گردن پر محوس کر رہا تھا
دور چلنے کے بعد وہ بڑی طبقے۔“
”کب تک انڈھیرے ہی میں چلتا پڑے گا۔ مجھے دشواری ہو رہی ہے۔ لیکن اس کا کوئی
اب نہیں ملا۔“

”ویکھو دست.... تم زیادتی کر رہے ہو۔“ حید نے پھر کہا لیکن اس بار بھی جواب نہ ملا۔
”میں نہیں جاؤں گا۔“ حید نے جلا کر کیڈی روک دی لیکن اس پر بھی نامعلوم آدمی نے
نہیں کہا البتہ ٹھنڈا لوہا اب بھی حید کی گردن سے چپا ہوا تھا۔

اس نے آہتہ سے ہاتھ بڑھا کر دروازے کا ہینڈل گھمایا اور باہر چلا گک لگادی۔ کوئی محوس
کیڈی میں گری اور ساتھ ہی ایک زبردست دھاکہ ہوا اور حید منہ کے بل زمین پر گرا۔ پھر
ے ایسا محوس ہوا جیسے اس پر شعلوں کی بارش ہو گئی ہو۔ وہ روپا کی طرح چیختے گا۔



فرید کافی دیر سے زوبی کا منتظر تھا لیکن وہ ابھی تک واپس نہیں آئی تھی۔ اس کے ساتھ
لاب تک وہیں کھڑے تھے جہاں وہ انہیں چھوڑ کر گئی تھی۔

اچاک ایک زور دار دھاکہ ہوا اور ایسا معلوم ہوا جیسے سارا پارک پل بھر کے لئے روشنی میں
ہاگا ہو۔ چاروں آدمی بڑک کر ادھر ادھر بھاگنے لگے۔ پھر فریدی نے متواتر چینیں سنیں اور
اپ کر رہ گیا کیونکہ آواز حید کی تھی۔

”وہ سرے لئے میں وہ بے تحاشہ اس طرف بھاگ رہا تھا۔ جہاں اب بھی روشنی نظر آ رہی تھی۔
وہ کھائی میں کو دیڑا۔ تھوڑے ہی فاصلے پر کیڈی دھڑادھڑ جل رہا تھا۔ حید اس سے زیادہ
لیکن تھا۔ وہ زمین پر پڑا ترپ رہا تھا اور اب چیختے چیختے اس کا گلا بیٹھنے لگا تھا۔ فریدی نے جھپٹ
کرے پڑوں میں اٹھایا اور مختلف سمت میں دوڑنے لگا۔ کیڈی کا ڈھانچہ جل رہا تھا۔ بھی منکی
لکھا ہوئی تھی۔ وہندہ اس کے بھی پر چیخ اڑ گئے ہوتے۔ فریدی کی بدحواسی کا سبب بھی خیال تھا۔

اے احتقانہ ہی کہنا چاہئے۔ وہ زمین پر بیٹھ کر ہاتھ سے ٹول ٹول کر نیچے اترنا چاہتا تھا۔ مگر اس کے
علاوہ اور کوئی چارہ بھی نہیں تھا کیونکہ درختوں کی گھنی شاخوں نے اس جگہ کوتاروں کی چھاپوں
سے بھی محروم کر دیا تھا۔ اچاک اسے نیچے ایک جگہ ایک تنفسی سی چمکدار چیز دکھائی دی جو برداشت
حرکت کر رہی تھی لیکن اس کے دائرہ عمل میں کوئی جدلی نہیں ہوئی تھی۔ پھر کافی دیر بعد یہ
بات اس کی سمجھ میں آئی کہ کوئی ایک تنفسی سی نارج روشن کر کے اسے نیچے آنے کا اشارہ کر رہا
ہے۔ ایسی ایک نارج فریدی کے جیب میں رہا کرتی تھی۔

حید نیچے اترنے لگا۔ وہ روشنی ہی کی طرف دیکھتا ہوا استطے کر رہا تھا۔ نیچے پہنچ کر اسے
کیڈی دکھائی دی جو زیادہ دور نہیں تھی۔
”کدھر گئے جتاب۔“ حید منمایا لیکن دوسرے ہی لمحے میں ایک ٹھنڈی کی چیز اس کی دائیں
کپش سے آگئی۔

”اے پچھلی سیٹ پر رکھو۔“ کسی نے آہتہ سے زم آواز میں کہا۔
”تم....!“ حید ہکلایا۔
”پروانہ کرو.... میں برا آدمی نہیں ہوں۔ ویسے تمہاری کپٹی پر فاؤنٹین بن نہیں رکھا ہے۔
حید نے داہنے ہاتھ سے پچھلی نشست کا دروازہ کھولا اور بائیں ہاتھ سے مشین اندر رکھ دی۔
”اب پیچھے ہٹ جاؤ۔ ٹھیک... ٹھکریے۔“ اس نے کہا ”اور زیادہ شگر گزار ہوں گا اگر
میرے لئے کارڈ رائیو کرو۔“

اس کی آواز ابھی تک سرگوشیوں کی حد سے آگے نہیں بڑھی تھی۔ ورنہ ممکن تھا کہ
آواز سے اسے پچانے کی کوشش کرتا۔
وہ چپ چاپ الگی سیٹ پر جا بیٹھا۔ ایسے آدمیوں کا اسے تجربہ تھا۔ جو جادی ہو جائے
باوجود بھی نری کا برہتا کرتے ہیں۔ اس نے وہ بے چوں دچا تعمیل کر رہا تھا۔ ایسے لوگ جو
سہلاتے سہلاتے تھپڑ مار دیں اسے بالکل پسند نہیں تھے اور وہ اس نامعلوم آدمی میں کسی ایسے
آدمی کی پرچھائیں دیکھ رہا تھا۔

”روشنی کے بغیر چلتے رہو۔ یہاں کی سطح بالکل ہموار ہے۔ بے کھلکے چل سکتے ہو۔ میں
اعتداد کرتا ہوں اس لئے میں نے تمہاری صیبین بھی نہیں ٹولیں۔“ لیکن روپا اور بھر حال گردن۔

”ٹھہر و....!“ آئی جی ہاتھ اٹھا کر بولا۔ ”اس کا خیال رکھنا کہ تمہارا مخصوص اجازت نامہ منوخ ہو چکا ہے۔“

”میں جانتا ہوں لیکن وجہ نہیں پوچھوں گا۔“

”وجہ میں ضرور بتاؤں گا..... ٹھہر و.... فریدی.... ٹھہر جاؤ۔.... میں تم سے عمر میں بہت بڑا ہوں۔ میری بات سنو۔ ورنہ منہ پر تھپٹ مار دوں گا۔“

فریدی دروازے کے قریب پہنچ کر رک گیا لیکن آئی جی کی طرف نہیں مرا۔ آئی جی کہتا رہ۔ ”جب وزیر تجارت خود ہی زوبی کی حمایت کر رہے ہیں تو پھر ہم کیا کر سکتے ہیں۔ زوبی نے غاص طور پر تمہاری شکایت کی ہے اسی لئے مخصوص اجازت نامہ منوخ کر دیا گیا ہے۔“

فریدی آئی جی کی طرف مرا۔ اب اس کا چہرہ پر سکون ہو چکا تھا اور آنکھوں میں پھر وہی پرانی خمار آؤد کیفیت پیدا ہو گئی تھی۔

”وزیر تجارت....!“ اس نے تم خرا آمیز لمحے میں کہا۔ ”عہدہ آدمی نہیں بنتا۔ عورت کے محلے میں وہ بھی ایک معمولی مرد ہیں۔ لیکن یہ عہدہ کل کسی دوسرے آدمی کو بھی مل سکتا ہے۔ ہم اور آپ جہاں کے تھاں رہیں گے۔ قانون بنانے والے نہیں جانتے کہ قانون کی حفاظت کے سلسلے میں کوئی دشواریاں پیش آتی ہیں۔ بعض اوقات قانون کی حفاظت کے لئے غیر قانونی طریقے بھی اختیار کرنے پڑتے ہیں۔“

”ہمیں وہیں رہنا چاہئے جہاں ہم ہیں۔ بس میں اتنا ہی کہتا چاہتا ہوں۔“

”ملک کی بنا ہی میں نہیں دیکھ سکوں گا، خواہ میں اپنی جگہ رہوں یا نہ رہوں۔ میرا نیک لوگوں آسمان بے کرانہ....!“

فریدی آئی جی کے کمرے سے نکل گیا۔



لہرٹ خان کسی زخمی درندے کی طرح جھلایا ہوا تھا۔ حالانکہ ڈاکٹر نے اسے کمل طور پر آرام کرنے کو کہا تھا لیکن وہ اس کی پروانہ کر کے چھڑی بیکتا ہوا لکھڑا پھر رہا تھا اور اس کی حالت الی زخمی کتے کی سی تھی جو جھلاہست میں کھیوں پر بھی بھوکنے لگتا ہے۔ صبح سے اب تک اس نے پوری عمارت کو کباڑا خانہ بنا کر رکھ دیا تھا جو چیز سامنے پڑ گئی اسی پر غصہ اتار کر رکھ دیا۔ سارے نوک

وہ جلد سے جلد خطرے کی حدود سے نکل جانا چاہتا تھا۔ حمید اس کے کاندھے پر پڑا جیخ رہا تھا تو اس طرح دوڑ رہا تھا جیسے ملک الموت اس کے تعاقب میں ہو۔

ایک دل بلاد میں والا دھماکہ بھر ہو اور فریدی گرتے گرتے بچا باکل ایسا معلوم ہوا ہے زور لہ آگیا ہو۔

حمدیں اس طرح جیخ رہا تھا جیسے وہ کوئی چیختنی کی مشین ہو۔ فریدی دوڑتا رہا اس کے زخمی بارہ تکلیف نہ جانے لاششور کے کس تاریک نہیں خانے میں جاسوئی تھی۔

حمدی کی جان بچانے کے لئے وہ اپنی تکلیف بھول گیا تھا۔

زخمی بھیر لیا

آئی جی کی پیشانی پر سلوٹن ابھر آئیں تھیں وہ بہت زیادہ مگر مند نظر آ رہا تھا۔ فریدی بیٹھا تھا۔ اس کے چہرے پر ڈھنی اذیت کے آثار تھے۔

”تو آپ مجھے اجازت نہیں دیں گے۔“ دفلہ اس نے کہا۔ ”دیکھو بھی.... میں تمہیں کس طرح سمجھا دوں۔“

”حمدی کی حالت تازک ہے.... اگر وہ مر گیا.... تو آپ جانتے ہیں کیا ہو گا۔“ دفلہ اس نے چہرہ سرخ ہو گیا اور آنکھیں آگ اگلنے لگیں۔ ”یہ شہر جہنم بن جائے گا۔ میں جواب تک قاذف چفاٹت کر تراہ ہوں۔ قانون شکن بن جاؤں گا۔“

”یہ تم مجھے سارے ہے ہو۔“ آئی جی کو بھی غصہ آگیا۔

”آپ ایک سینھ گنگوکو بچارہ ہیں، بچائیے... میں دیکھتا ہوں کہ آپ کس کس کو کچلتے؟“

”تم ہوش میں ہو یا نہیں کس سے بات کر رہے ہو۔“

”نہیں میں ہوش میں نہیں ہوں۔“

”تب تم جا سکتے ہو۔ پھر کسی وقت ملنا.... میں ایسا قدم اٹھانے کی اجازت ہرگز نہیں سکتا جس سے ملکے پر حرف آئے۔“

”شکریہ....!“ فریدی اٹھتا ہوا بولا۔ ”میں دیکھوں گا کہ اپنی ذمہ داری پر کتنا کچھ کر سکتا۔“

”جاو... جائے تیار کرو...!“ نصرت خان اسے دھکا دیتا ہوا بولا۔
وہ باور پی خانے کے فرش پر گری۔

”میاں تمہاری لوٹدی ہوں۔“ زوبی پاگلوں کی طرح چلتی۔

”جائے۔“ نصرت دانت پیس کر بولا۔ ”اگر تم نے جائے نہ بنائی تو مادتے کمال گرا دوں گا۔“
”نہیں بناوں گی۔“

”اچھا...!“ نصرت خان اس کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ”دیکھتا ہوں۔“

اس نے جھٹ کر بامیں ہاتھ سے اس کے بال جکڑ لئے اور ساتھ ہی دہناتا تھوڑا پڑا
لب پاگل کتیا کی طرح چینخنے لگی۔

لیکن جائے تو اسے بنائی ہی پڑی۔ صرف جائے نہیں بلکہ پورا ناشتہ تیار کرنا پڑا۔ نصرت خان
کل الموت کی طرح سر پر سوار تھا۔

اتی مارا گر کسی دوسرا عورت پر پڑی ہوتی تو کم از کم اس کی آنکھوں پر درم تو آہی گیا ہو تو
لیکن زوبی کی آنکھیں.... وہ اب بھی پر سکون تھیں ان میں بلکی سی نی بھی نہیں محوس کی

باکی تھی۔ البتہ گال سرخ ہو گئے تھے اور کہیں کہیں وہ سرخی بلکی سی نیلا ہٹ میں بھی تبدیل
اگئی تھی۔

زوبی نے ناشتہ باور پی خانے ہی کی میز پر لگادیا۔

اور پھر جب نصرت خان سلامیں کے لئے ہاتھ بڑھا رہا تھا نبی نے تنخ لجھ میں کہا۔ ”میں
سلامی طور پر تم سے بہت کمزور ہوں گی اس لئے تم مجھ پر ظلم کرتے ہو.... لیکن فریدی نے بھی
لات تھیں روشنداں میں ٹھوںس دیا تھا اور تم اس وقت لگڑاتے پھر رہے ہو۔“

نصرت خان میز سے اٹھ گیا۔ چند لمحے زوبی کو خونوار نظروں سے گورتا رہا پھر ناشتہ کی میز
کش دی۔ اگر زوبی اچھل کر پچھے نہ رہت گئی ہوتی تو اسے لگڑانے کی بجائے شائد زندگی بھر گھستنا
ہٹا کر میز بہت بڑی اور فولاد کی بنی ہوئی تھی۔ نصرت خان چپ چاپ باور پی خانے سے نکل
لے ایک اسکے اس رویے پر نہ جانے کیوں زوبی کا نپ کر رہ گئی۔ نہ جانے کیوں اسکی خاموشی اسکے
ٹھکے بھی زیادہ خوفناک معلوم ہوئی تھی۔ وہ بھی بڑی تیزی سے باور پی خانے سے نکلی....
نہ آگے جا رہا تھا۔ اس کی لگڑا ہٹ غائب ہو چکی اور وہ اچھے خاصے آدمیوں کی طرز چل رہا

اپنے اپنے کردوں میں بند ہو کر پیٹھ رہے تھے۔ کسی میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس کا کامان
کر سکتا۔ نتیجہ ظاہر ہے صبح سے نصرت خان کو ایک کپ چائے بھی نہیں نصیب ہوئی تھی۔ اس پر
اُسے اور زیادہ تاؤ آرہا تھا کہ وہ نو کردوں کے کوارٹروں پر بلہ بول دیتا کہ زوبی آگئی
نصرت خان جہاں تھا وہیں تھم گیا۔

زوبی نے متیر انداز میں کمرے کی حالت دیکھی۔ میز اور کرسیاں اللی پڑی تھیں۔ دیوار
سے گلی تصویروں کے فرمیں شیشوں سے محروم ہو چکے تھے۔ خوشما گلدنوں کے ریڑے فرش پر
بکھرے ہوئے تھے۔

”یہ کیا ہوا...!“ زوبی اسے گھورتی ہوئی بولی۔

نصرت خان نے کوئی جواب نہ دیا۔

”تم بولتے کیوں نہیں ڈیز...!“

”ڈیز کی بچی...!“ میں صبح سے بھوکا ہوں اور تمہاری تہذیب پر لعنت بھیجے کو دل چاہتا ہے۔“

”کیوں.... تم بھوکے کیوں ہو۔“

نصرت خان لگڑا ہوا اسکی طرف بڑھتا رہا لیکن اس وقت اسکے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
”او... زوبیا... تو بہت حسین ہے... زوبیا... تو میرے لئے جائے تیار کرے گی۔“

”زو کر کہاں گے۔“

”جہنم میں۔“ نصرت خان نے اس کا بازو پکڑتے ہوئے کہا۔ ”تم میرے لئے جائے تیار کرو۔“
”میں نے ایسے کام کبھی نہیں کئے۔“

”تب تم عورت ہوں گا۔ بھر تمہارا کیا مصرف ہے۔“

”میا تم کبھی تیز سے گنگو نہیں کر سکتے۔“

جواب میں نصرت خان نے اس کے بازو پر اپنی گرفت اتنی سخت کر دی کہ اس کے منہ سے
چیخن لکھن لگیں۔

نصرت خان اسے کھینچا ہوا کمرے سے باہر لے جانے لگا۔

”بچھے چھوڑو... چھوڑو... بچھے جانور...!“

نصرت خان اسے گھینٹا رہا تھا کہ وہ باور پی خانے میں پہنچ گئے۔

تھا۔ زوبی بہت ذہین تھی۔ وہ اس کا مطلب سمجھتی تھی وہ جانتی تھی کہ ذہنی ہمچنان کی بناء پر ہے۔ ”فریدی سے ہوشیار رہو۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”میں نے تمام مشینیں شہر کے بات کو بھول گیا ہے کہ اس کا بیراکھڑا گیا ہے اُسے تکلیف کا احساس ہی نہیں رہ گیا۔ پھر زوبی نے بے شیشیوں سے ہٹوالی ہیں اور اس گفتگو کے بعد تم یہ مشین بھی اس کرے سے ہٹادو گی۔ اسے اس کرے میں جاتے دیکھا جس میں چیخے جانیوالے خاص قسم کے ختموں کا اتناک رہا تھا۔ انہیں روم میں ایک تھا خانہ ہے۔ تم تو جانتی ہی ہو ہستے وہیں پہنچا دینا۔ پچھلی رات ضرغام کی زوبی بیجوں کے مل دوڑنے لگی۔ شاید وہ بھی پاگل ہو گئی تھی۔ اس نے بے تحاشہ دروازہ کھوپھوپھوپھو پھر زندہ نہ چھوڑنا چاہئے تھا۔ خیر غلطی کر بند کر دیا۔

”زوبی.... میں تجھے مارڈا لوں گا۔“ نصرت خان اندر سے دھاڑا۔ ”دروازہ کھول دے۔“ نیلی یہ ہے کہ میں نے پچھلی رات حمید سے وہ مشین حاصل کی جسے وہ تمہارے کرے سے چڑا ”نہیں.... دروازہ نہیں کھلے گا۔“ زوبی ہسریائی انداز میں چھپی۔ ”دروازہ نہیں کھلے گا۔“ رے جارہا تھا اس کے ساتھ اس کی کار میں بیٹھ کر اسے ڈرائیور کرنے پر مجبور کیا۔ رویال کی تالی گردن سے لگا کر ایک بم کے سیفٹی کچ سے نکال دیا تھا اور ظاہر ہے کہ پھر میں مشین سمیت کار پاگل ہو گئے ہو۔“

نصرت خان دروازے پر ٹکریں مارنے لگا مگر زوبی کو یقین تھا کہ دروازہ کمزور نہیں ہے۔ اتے گیا ہوں گا۔ تو قی یہ تھی کہ گردن کی خفیف سی جگہ بھی چہری کو پیچھے کھکھلا دے گی اور بم اچاک دوسرے کرے میں فون کی ٹھنٹی بھی اور متواتر ٹھنٹی ہی رہی۔ زوبی نصرت کو کر۔ ایسٹی کچ ہٹ جائے گا اسکیم کو کامیابی ہوئی لیکن حمید کے پرانے نہ اڑ کے وہ نیک گیا مجھے خود بھی میں چھٹا چھوڑ کر فون والے کرے میں چل گئی۔

”پہلو ضرغام....!“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”ضرغام سو رہے ہیں۔“ زوبی نے ماذ تھے پیس میں کہا۔ ”آپ کون ہیں۔“ ”اوہ.... کون زوبی.... تم یہاں ہو۔“

اور اب زوبی نے بھی اس کی آواز پہچان لی۔ وہ ”طاقت“ کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا قہ۔ ”پڑو لے گیا۔“ زوبی نے جیرت سے کہا۔ ”یہ کوکر ممکن ہے۔ گنگوں کی حیثیت۔“ ”آپ ہیں۔“ زوبی نے مضطربانہ انداز میں کہا۔ ”ضرغام پاگل ہو رہا ہے۔ میں نے لے گنگوں عیاش طبع آدمی ہے۔ ایک خوبصورت سی ایگلو اٹھنے لڑکی اُسے ایک غیر آباد مقام پر لے گئی۔ جہاں فریدی کے آدمی پہلے ہی سے موجود تھے انہوں نے اسے بے بُل کر کے ایک بند لالی میں ڈالا اور لے اٹے۔ جانتی ہو اب وہ کہاں ہے۔“

”یہاں ہے۔“

”اوہ....! پچھلی رات کی باتیں مجھے معلوم ہیں۔ اس وقت کیا ہوا۔ مگر نہیں ٹھہر دہم۔“ ”پاگل خانے میں۔ اُس کا سر موٹھا دیا گیا ہے اور چہرے پر کالک لگا دی گئی ہے۔ فریدی نے لکی بھنوئیں تک منڈوادی ہیں اور اب تم خود سچوپ کیا یہ واقعہ گنگوں کے لئے پاگل کر دینے والا نہیں ہے۔ فیضیاتی اعتبار سے سوچنے کی کوشش کرو۔ اتنی بڑی شخصیت کا مالک۔ اسے اس طرح پاگل کر کے پینا گیا۔ پھر علانیہ اسے پاگل خانے پہنچا دیا گیا۔ منہ پر کالک لگائی گئی۔ کھلی کار میں لگا خانے تک لے جایا گیا۔ کیا اس نے وہاں پہنچ کر پاگلوں کی طرح گلا نہ پھاڑا ہوا گا کیا وہ جھلا ہٹ جائی گئی تھی۔ تھوڑی دیر میں اُس نے اس مشین پر ”طاقت“ سے رابطہ قائم کر لیا۔

میں لوگوں کو مارنے نہ دوڑا ہو گا۔ دنیا کا ہر صاحب اختیار آدمی بے بُکی کے عالم میں یہی سب کو
کرتا ہے۔ پھر جب پاگل خانے والوں کو اس کے پاگل پن پر یقین آجائے گا تو پھر لاکھ وہ کہا کر
کہ وہ سیٹھ گنگولی ہے۔ ”

”یہ بہت بُرا ہوا..... بہت بُرا..... لیکن پاگل خانے میں رکھنے کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“ زوبی
”یہ آپ کی ہمہ ربانی ہے۔“

”مہربانی نہیں زوبی۔ میں جانتا ہوں کہ کون کتنے پانی میں ہے۔ میں تمہاری صلاحیتوں سے
نے کہا۔“

”مقصد یہی ہے کہ ایک پولیس آفسر کے غیر قانونی رویے کے خلاف احتجاج نہ کیا جائے۔“ زوبی
”بُوبی واقع ہوں۔ اچھا تو سنو میں تمہیں بتاؤ۔ ضرغام کا اصل نام نصرت خان ہے اور وہ خان
خان کا گلو تایبا ہے۔ یعنی ہونے والا خان مقلاق۔“

”اوہ...!“ زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”دوسرا طرف سے آواز آئی۔“ میں جب چاہوں موجودہ خان مقلاق مر سکتا ہے اور نصرت

خان مقلاق کا حکمران ہو سکتا ہے۔ غالباً اب تم اس کا معرف سمجھ گئی ہو گی۔ موجودہ خان ایک

”نہیں! میں فی الحال اس کا مشورہ نہیں دوں گا۔ سارا کام بگڑ جائے گا۔ اُسے اس روشنی میں
لائق حکمران ہے اور نصرت خان بھی اس سے کم نہ ہو گا۔ میں دراصل قلعہ مقلاق کو تنظیم کا
دیکھو کہ دنیا کی ہر تنظیم قربانیوں کے بعد ہی مستحکم ہوتی ہے ابھی ہمیں اسی قسم کے صدھاتر بالی
کرکے بنا لیا چاہتا ہوں۔ تم خود سوچو۔ کیا اس کے بعد گور شاہی ”طااقت“ سے مکار ہے گی۔ میں
ادوار سے گذرنا پڑے گا۔ مجھے یقین ہے کہ گنگولی نے گیارہ بڑوں کے نام ضرور بتائے ہوں گے۔ اوہ.... تم گور شاہی پر ابھی تک نہیں
اب دیکھا ہے کہ فریدی کیا کرتا ہے۔ جانتی ہو اس نے صرف گنگولی ہی کو کیوں منتخب کیا؟ دیے
رہی ہو۔ میں جہوریت کو گور شاہی کہتا ہوں کیونکہ تیور اس کے بھی شاہانہ ہوتے ہیں لیکن چونکہ
سر جگد لیش اور کورچپال بھی اس کے سامنے ہی تھے۔ آخر ان میں سے کیوں نہیں؟“

”گنگولی ڈرپوک آدمی ہے۔“ زوبی نے کہا۔

”بالکل ٹھیک! بھی بات ہے کورچپال یا سر جگد لیش جیسے آدمیوں پر وہ ہاتھ ڈالنے کی ہت
کر خان مقلاق کا لڑکا، مقلاق کے قلعے سے بھاگ کر اس طرف آگئیا ہے، ایک زمانے میں پولیس
نہیں کر سکتا۔ گنگولی بڑا آدمی سہی مگر ہے فطر نہیں۔ کیا خیال ہے۔“

”درست ہے۔“

”خیر اسے ہٹاؤ۔۔۔ تمہاری نظر میں بھی اس کی کوئی اہمیت نہ ہونی چاہئے۔ میں نے تمے
ضرغام کے بارے میں کہا تھا کہ اسے کڑی گرانی میں رکھنا۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ وہ فریدی سے
نکرانے پائے۔ میں یہ نہیں کہتا کہ ایسا کیوں ہوا۔ مقصد یہ ہے کہ آئندہ ایسا نہ ہونے پائے۔ اگر“

”ہاتھ سے گیا تو تنظیم کا داہنا بازو ٹوٹ جائے گا۔“

”ضرغام کی اہمیت آج تک میری سمجھ میں نہ آسکی۔“ زوبی نے کہا۔ ”ظاہر اس نے اگر
ختم کرنے کرو۔ اُسے اسی طرح کمرے میں بند رہنے والوں اور اب تم اس میں کو تھہ خانے میں پہنچا۔“

زین کرنے لگا لیکن وہ بہر حال فریدی کی اسکم تھی۔ فریدی... جس کے متعلق اعلیٰ آفسروں
بیان تھا کہ کسی حد تک وہ خود بھی دیوانہ ہے۔

اس نے اسے پاگل خانے بھجوائی دیا۔ دس آدمیوں کے نام اُسے معلوم ہی ہو چکے تھے۔ ان
نے کچھ ایسے تھے جو پہلے ہی روشنی میں آپکے تھے اور بقیہ کے متعلق وہ اس سے زیادہ سوچ
ہا کہ وہ عملی اعتبار سے تنظیم میں کوئی خاص مقام نہ رکھتے ہوں گے۔ زیادہ سے زیادہ مالی امداد
ریتے ہوں گے.... اور بس!

گنگولی کو ٹھکانے لگادیئے کے بعد اُسے ایک خاص بات یاد آئی ہے وہ پوچھنا بھول گیا تھا۔
اُس نے بچھلی رات والے حملہ آور کے متعلق اس سے کچھ نہیں پوچھا تھا۔ ہو سکتا ہے کہ وہ بھی
لی اہم ہی آدمی رہا ہو۔ بہر حال اب یہ بات کم از کم گنگولی سے تو نہیں معلوم کی جاسکتی تھی
ونکہ وہ پاگل خانے میں پہنچ چکا تھا اور پاگل خانہ کے منتظمین کو یہ نہیں معلوم ہوا کہ اسے
کیا نہ داخل کرایا ہے۔

فریدی بالکل خالی الذہن ہو رہا تھا۔ اس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اب اس کا دوسرا قدم کیا
ہا چاہئے۔ گنگولی کو اُس نے محض اس موقع پر پکڑ دیا تھا کہ اس سے سرغناہ کے متعلق کچھ
نہیں سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پابند تھے۔ یہ اس کی بلیک فورس کے لوگ تھے جن کا
زور معلوم ہو سکے گا لیکن وہ کچھ نہ بتا سکا۔

فریدی کافی دیر تک سوچ رہا۔ اچاک اسے پنس شمشاد کی حیثیت یاد آئی۔ وہ تنظیم سے
بیش ہو چکا ہے۔ اس کے ذہن میں زوبی کے الفاظ گوئے۔

اگر وہ تنظیم سے برگشتہ ہو چکا ہے تو کافی کار آمد ثابت ہو سکتا ہے۔ فریدی سوچنے لگا۔ ہو سکتا
ہا کہ وہ سربراہ سے واقف ہو ورنہ برگشگی کیا معنی رکھتی ہے۔ ایسے لوگوں سے برگشگی کا انجام
ڈالا۔ اسے بھی معلوم ہو گا، جو سامنے نہ آتے ہوں جن کی شخصیتیں پر وہ راز میں ہوں۔ ایسے لوگوں
سے برگشگی کے خیال سے بھی لوگ لرزتے ہیں کیونکہ معلوم نہیں وہ کب اور کہاں ہاتھ صاف
ڈالے۔ یقیناً شمشاد کے لئے سربراہ کی حیثیت پر وہ راز میں نہ ہو گی اسی لئے اُس نے یہ جرأۃ
توانہ اقدام کیا ہے۔ اس کے علاوہ دوسرے ارکان اس قسم کی حرکت نہیں کر سکتے۔ کیونکہ وہ
بیانوں کی شخصیت سے واقف نہیں ہیں۔

اب فریدی سوچ رہا تھا کہ پنس شمشاد سے کس طرح رابطہ قائم کرے۔ ویسے وہ اس کے

کریہاں سے چل جاؤ۔ نوکروں کو سمجھا دینا کہ وہ اپنے کروں سے باہر نہ ملیں۔
”لیکن مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔“ زوبی نے پوچھا۔

”آرام...!“ دوسری طرف سے آواز آئی۔ ”زوبی...!“ اب تم آرام کرو اور سارے
معاملات مجھ پر چھوڑو۔“

کنور شمشاد

حمد کی حالت اب خطرے سے باہر تھی۔ لیکن پھر بھی وہ نقل و حرکت کے قابل نہیں تھا
سارے جسم پر بڑے بڑے آبلے تھے اور پنڈلیوں کا تو قیسہ بن گیا تھا۔

دوسری طرف انور کے سر کے زخم نے بھی تشویشاً ک صورت اختیار کری تھی۔ ڈاکٹروں کے
اندیشے کے مطابق زہر پھیل جانے کا امکان تھا اور انہوں نے اسے چلنے پھرنے سے روک دیا تھا۔

بظاہر فریدی تھا رہ گیا تھا لیکن حقیقتاً ایسا نہیں تھا۔ وہ ان لوگوں سے کام لے رہا تھا جو اُس کے
مکھ سے متعلق نہ ہوتے ہوئے بھی اُس کے پابند تھے۔ یہ اس کی بلیک فورس کے لوگ تھے جن کا

تذکرہ وہ اکثر حمید سے بھی کرچکا تھا لیکن حمید ان میں سے کسی کی بھی شخصیت سے واقف نہیں
تھا۔ لیکن وہ اتنا ضرور جانتا تھا کہ فریدی کی بلیک فورس میں کچھ اینگلو انڈین لڑکیاں بھی ہیں یہ بات

فریدی ہی نے اسے بتائی تھی اور ایک بار تو خود اسے تجربہ سا بھی ہو چکا تھا۔

فریدی نے اپنی بلیک فورس کی مردم سے سینہ گنگولی پر ہاتھ ڈالا۔ کچھ پوچھنے سے قبل کافی دی
تک ہر طرح سے اُس کی مرمت کرتا رہا۔ پھر معاملے کی طرف آیا۔ گنگولی نے ان دس

شخصیتوں کے نام ظاہر کر دیئے جن سے وہ واقف تھا۔ سربراہ کے متعلق وہ کچھ نہ بتا سکا۔ البتہ
ضرور تھا کہ مینگ میں عام طور پر ہر قسم کی تجاویز زوبی ہی پیش کیا کرتی ہے۔ وزیر تجارت پر جملہ

کرنے والے کی شخصیت پر بھی وہ کوئی روشنی نہ ڈال سکا لیکن اس کا اعتراف کر لیا کہ قتل کی ایکم
زوبی ہی نے بنائی تھی۔ جب فریدی اس کا سر اور بھنوں منڈوانے لگا تو گنگولی نے بہت شدت سے

احجاج کیا اور پھر پاگل خانے والی اسکم سن کر تو اُس کی جان ہی نکل گئی اور وہ سچے پاگلوں کی کام

”آپ کے کتوں کے متعلق بھی بہت کچھ سنائے۔“

”کنور شمشاد! میں اس وقت ایک ضرورت سے آیا ہوں۔“

”ہاں ہاں... فرمائی۔ میرے لائق کوئی خدمت۔“

”میں کنور جپاں، سر جگد لیش، گنگوی یا بقیہ دوسرے سات آدمیوں میں سے بھی کسی سے متعلق سب کچھ جانتا تھا۔ پنس شمشاد بھی ریاستوں کے خاتے سے قبل ایک چھوٹی کی ریاست مالک تھا۔ لیکن کیریئر کے اعتبار سے وہ بہیش سے عجیب رہا تھا۔ اُس کا نام شہزادہ شنگھ تھا اور وہ شنگھ کھلص کرتا تھا... اور شنگھ کے بجائے پنس شمشاد ہی کہلانا زیادہ پسند کرتا تھا دھارہ شاعری اس کے محبوب ترین مشاغل تھے۔ ریاست کے خاتے کے بعد سے وہ گل و بلبل اور بر رخسار کی شاعری چھوڑ کر انقلابی شاعری کرنے لگا تھا اور اکثر مجنولوں میں فخری یہ کہا کرتا تھا اور

”دفتی کنور شمشاد کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔“

”میں نہیں سمجھا کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ اس نے آہتہ سے کہا اور اس کی آنکھیں فریدی کے چہرے پر ہیں۔

”میں جانت ہوں کہ آپ تنظیم سے الگ کر دیئے گے ہیں۔“
”کیسی تنظیم کر گئی فریدی۔“

”ماقت....!“

”میرے خدا....!“ کنور شمشاد نے ایک طویل سانس لی۔
فریدی خاموشی سے اس کے چہرے کا جائزہ لیتا رہا۔

”کر گئی فریدی!.... یہ ٹھیک ہے کہ اب میرا اس تنظیم سے کوئی تعلق نہیں۔“
”اور آپ تنظیم کے سربراہ کی شخصیت سے بھی واقف نہیں ہیں۔“

”یہ بھی درست ہے اور یہ حقیقت ہے کہ تنظیم سے میری علیحدگی بھی اسی بناء پر ہوئی ہے۔
اصولی طور پر دیکھنے فریدی صاحب! وہ تنظیم کیسی ہوگی جس کے سربراہ کی شخصیت پر وہ راز ہو۔

”لماہر ہے کہ اس کا مقصد نیک نہ ہو گا۔“
”میں آپ سے محتقول۔“

”پہلے میں یہ سمجھتا تھا کہ یہ تنظیم حقیقتاً ملک و قوم کے لئے سود مند ثابت ہو گی مگر... اور
مگر تواب نہیں آتی ہے۔ میں گیارہ بڑوں میں شامل تھا لیکن مجھے یقین ہے میں تنظیم کی اصلیت
سے واقف نہ ہوں گا۔“

”لیکن آپ ان لوگوں مک پنجے کس طرح تھے۔“

”زوہی....!“ شمشاد خندی سانس لکھ کر بولا۔ ”لیڈی زوہی! اسے تو آپ جانتے ہی ہوں گے۔“

”مغل کے دور میں بھی اس کے خیالات انقلاب کے حق میں تھے۔ ثبوت میں وہ اپنے عنوان اشعار کو کھینچتا تھا کہ انقلاب کے سرمند ہنے کی کوشش کرنے لگتا۔ بھی کہتا کہ گل سے مراد ہوا ہیں اور چین سے مراد پرانا نظام کبھی لب و رخسار کو اعلیٰ معیار حیات ثابت کر کے شاعر کو عوام نمائندہ بنا دیتا اور لب و رخسار کے لئے اس کی بے چینی کو عوام کی بے چینی اور خواہش ثابت کر جو وہ اعلیٰ معیار حیات کے حصول کے لئے رکھتے ہیں۔“

”شہر کے درجنوں ناکارہ شاعروں کے گلکوں پر پلتے تھے۔ ان سے وہ اپنی انقلاب پسندی“
شاعرانہ صلاحیتوں کا پروپیگنڈہ کرتا تھا۔ اس کی یہ حرکت عموماً شاعروں میں ضرور انقلاب کر دیتی تھی۔ اس کے گرگے دوسرا شعراء پر چوت کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ اختلت اشعارے میں روح انقلاب پر چوت کرتے۔ تقدیم و تاخیر کا مسئلہ شامیانے کی طائفیں کئے کہ
سے پرانا نظام سامنے، شعراء اور جناب صدر سمیت وہیں کا وہیں ذہیر ہو کر رہ جاتا۔ ہر حال یہ پنس شمشاد۔

”اس وقت فریدی کسی قسم کی احتیاط برتنے کے موڑ میں نہیں تھا۔ اس نے سوچا کہ اس وقت شمشاد سے برا اور است گنگوہ کرنی چاہئے۔“

”پرس شمشاد نے اسے ہاتھوں ہاتھ لیا۔ وہ ایک تدرست اور وجہہ آدمی تھا۔ عمر بیٹھا سے زیادہ نہ رہی ہو گی۔ خدو خال میکے تھے اور آنکھیں بھوری تھیں۔“

”فریدی صاحب میں نے آپ کا نام بہت سنائے مگر شاید آپ بہت حفاظت ہیں۔ میرا مطہر ہے کہ آپ کا حلقة احباب محدود ہے۔“ پنس شمشاد نے کہا۔

”اس سلسلے میں حفاظت سے زیادہ لفظ مصروف موزوں ہو گا۔“ فریدی نے مسکرا کر کہا۔
”چلنے ایک آدھ بار شکار ہی کی رہے۔ میں نے سنائے کہ آپ شکار کا شوق رکھتے ہیں۔“

”ہاں میں اُسے جانتا ہوں۔“ فریدی نے کہا۔ ”گیارہ بڑوں میں وہ بھی شامل ہے۔“
”تب تو آپ بہت کچھ جانتے ہیں۔ مگر کیا فائدہ..... سر برہا تک پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔“
”آپ ان لوگوں میں کس طرح پہنچتے۔ فی الحال میں یہ جانتا چاہتا ہوں۔“
”زوبلی....!“ شمشاد نے پھر ایک مٹھنی سانس لی۔

”زوبلی لے گئی تھی۔“ فریدی نے اس کے چہرے پر نظریں گاڑ دیں۔
”ہاں کر قتل.... یہ ایک معنکلہ خیز واقعہ ہے۔ عورت.... اور پھر خوبصورت عورت۔“
”زوبلی بڑی چالاک ہے۔ انتہائی چالاک.... ایک رات اُس نے مجھ پر بھی دو فائر کئے تھے۔ لیکن
تمول اور ذی اثر لوگوں کو پہنچاتی ہے اور آہستہ آہستہ ان کے خیالات بدلتی رہتی ہے.... پھر
ظاہر ہے کہ میں کسی عورت کے ہاتھوں مرتا تو ہر گز پند نہیں کروں گا۔“
”وہ اس تنظیم کے چکر میں پڑ جاتے ہیں۔“

”میں سمجھ گیا....!“

”اگر آپ ان لوگوں کی تاک میں ہیں تو زوبلی سے بچے رہنے گا۔“ کنور شمشاد مسکرا کر بولا۔
”مگر آپ تنظیم سے الگ کیوں ہو گئے۔“
”یہ بتا کر میں خواہ مخواہ اپنی گردن نہیں پھنساؤں گا۔“
”آپ کی گردن تو اب بھی پھنسنی ہوئی ہے۔“ فریدی نے کہا۔
”ہرگز نہیں! اگر میری گردن پھنسنی ہوئی ہوتی تو وہ لوگ مجھے کبھی کا ختم کر چکے ہوتے۔“
”ٹھیک ہے.... میں سمجھتا ہوں۔ میں نے یہ بات یونہی کہہ دی تھی۔ آپ لوگوں کیخلاف
کوئی ثبوت بھی پہنچانا آسان کام نہیں ہے۔“

”ہے نا.... تنظیم کا سر برہا شیطان کا بھی استاد معلوم ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ قتل فریدی
کے میں تنظیم سے الگ نہ ہوتا مگر ایک واقعہ جس نے میری آنکھیں کھول دیں۔ اس علیحدگی کا
سبب بنا ہے۔ میں انقلاب پسند ضرور ہوں مگر ذہنی انقلاب میرا نصب الحین ہے۔ اس انقلاب
سے مجھے نفرت ہے جو خون خرابے کا باعث بنے۔“

فریدی اُس واقعے کا منتظر رہا جو کنور شمشاد کی علیحدگی کا باعث بنا تھا۔ لیکن شمشاد خاموش ہی رہا
”کس واقعے نے آپ کی آنکھیں کھول دی تھیں۔“ آخر فریدی نے پوچھا۔

”وزیر تجارت کے قتل کی سازش۔“

”اوہ....!“

”واقعی اُس دن آپ نے کمال کیا تھا۔ وہ لوگ اپنا سامنہ لے کر رہ گئے لیکن ایک آدمی پھر
ہمیشہ کار ہو گیا تھا۔“
”خبر کس نے پھیکا تھا۔“
”اس کا مجھے علم نہیں۔ میرا خیال ہے کہ اس کا علم تین آدمیوں کے علاوہ چوتھے کو نہیں
ہوگا۔ سر برہا جانتا ہو گا۔ زوبلی یقیناً جانتی ہو گئی کیونکہ اسی نے ایکم بھائی تھی اور خود خبر چھینکنے والا
ہاں کر قتل.... یہ ایک معنکلہ خیز واقعہ ہے۔ عورت.... اور پھر خوبصورت عورت۔“
”زوبلی بڑی چالاک ہے۔ انتہائی چالاک.... ایک رات اُس نے مجھ پر بھی دو فائر کئے تھے۔ لیکن
تمول اور ذی اثر اس کی عورت کے ہاتھوں مرتا تو ہر گز پند نہیں کروں گا۔“
”اور آپ نے زوبلی کے خلاف کوئی کارروائی نہیں کی۔“

”کارروائی میں اسی وقت کرتا مگر وہ کار پر تھی اور میں بیدل....!“
”میری سر اراد قانونی کارروائی سے تھی۔“

”نہیں۔ یہ انہیں خواہ مخواہ اشتغال دلانا ہوتا۔ غالباً آپ میرا مطلب سمجھ گئے ہوں گے۔“
”نہیں میں نہیں سمجھا۔“

”میں اُب انہیں چھیرنا نہیں چاہتا۔ کیونکہ انہیں کہے سے آئے ہوئے تیر سے پچنا بہت
شکل کام ہے۔“
”خیر.... یہ آپ کا اپنا معاملہ ہے۔ ویسے میں تنظیم کے مالیات کے متعلق بھی آپ سے
ٹھوک رکنا چاہتا ہوں۔“

”کر قتل اس پر میں صرف گفتگو ہی کر سکوں گا لیکن یہ بتا سکوں گا کہ روپیہ آتا کہاں سے ہے۔“
”میلارہ بڑے مفلس تو نہیں ہیں۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”دوسروں کے متعلق میں کچھ نہیں جانتا لیکن میں اپنے بارے میں نہایت صفائی سے کہہ
لکھوں کہ آج تک میرا ایک پیسہ بھی تنظیم پر خرچ نہیں ہوا۔“

”بھروسہاں آپ کا کیا مصرف تھا۔“

”صرف ایک میلنگ میں شریک ہوتا۔ یہ بلت واضح کر دوں کہ میں بہت پرانا مجرم نہیں تھا۔“
”کیا آپ گیارہویں تھے۔“ فریدی نے پوچھا۔

”مگر ہاں.... میں آخری تھا۔ میرے بعد کوئی اور نہیں ہوا۔“

”آپ کتنے عرصہ رہے ہیں۔“

” غالباً ایک سال یا اس سے کچھ زیادہ۔ آہا.... وہ بھی بڑا چوپ واقعہ تھا۔ زوبی سے ان دونوں نئی نئی دوستی ہوئی تھی اور میں بڑی بڑی عمدہ غزیلیں کہہ رہا تھا۔... ہاں.... غالباً، ہاں وہی غزل تو تھی۔... بہار میں.... خمار میں.... قرار میں.... مطلع یاد نہیں ہے اس کا ایک شعر تو!...“

”زوبی سے نئی نئی دوستی ہوئی تھی۔“ فریدی نے کام کی باتیں یاد دلائی۔

”اوہ.... جی ہاں.... جی ہاں.... شکریہ۔ میں بیکنے لگا تھا۔ شاید آپ کو شعر و سخن سے دچکی نہیں ہے۔“

”قطیعی نہیں۔“ فریدی نے کمر درے لجھے میں کہا۔

”بہر حال.... وہ ایک بڑی خشکوار رات تھی۔ ہم نے یونہی تفریخ ایک ناٹ کلب میں جو کھیلنا شروع کیا اور اپنی جیبوں کی آخری پائی بھی ہاد گئے۔ پھر کھلاڑیوں کی پہنچتیاں ہمارے لئے تکلیف دہ ہوتی گئیں۔ زوبی مجھے ایک طرف لے گئی اور اپنے پرس سے سونے کے دونوں نھیں کسی پر سر برہا نکالے۔ میں سمجھا شام کا شر فیاں ہیں۔“

” طاقب کے سکے۔“ فریدی آہستہ سے بولا۔

”اوہ کر قل.... آپ تو سب کچھ جانتے ہیں۔“ شمشاد نے حیرت ظاہر کی۔

”ہاں یہ بات بھی میرے لئے بہت پرانی ہے۔ آپ کو ایک سکے کے عوض کہیں سے دو ہزار کی سرکاری کرنی ملی ہو گی اور اس طرح زوبی نے آپ کو تنظیم کی طرف کھینچا ہو گا۔“

” بالکل بھی بات ہے۔“ شمشاد اسے تحسین آمیز نظر وں سے دیکھتا ہوا بولا۔

”اب کنور صاحب! آپ مجھے یہ بتائیے کہ ضر غام کون ہے۔“

”بھی کمال ہے۔“ شمشاد نہ کر بولا۔ ” جو بات میں نہیں جانتا ہی آپ بھی نہیں جانتے۔“

”آپ اس کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتے۔“

” صرف اتنا کہ وہ میرے بعد تنظیم کے بڑے آدمیوں میں شامل ہوا ہے۔“

” کیا؟! بھی تو آپ نے کہا تھا کہ آپ آخری مجرم تھے۔“ فریدی اسے گھورنے لگا۔

” میں نے غلط کہا تھا۔ میں اس کہجت کو بھول ہی گیا تھا۔ مجھے اس سے بڑی نفرت ہے۔ اس کے آنے سے پہلے زوبی مجھے چاہتی تھی مگر مجھے حیرت ہے کہ وہ آیا کہاں سے.... کہاں؟“

” اس کے عادات و اطوار اسے کوئی اچھا آدمی نہیں ثابت کرتے۔“

” انہر قسم کا آدمی ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔

” بہت زیادہ.... بعض اوقات وہ زوبی سے بھی بڑی طرح پیش آتا ہے۔“

” تھوڑی دیر تک خاموشی رہی، پھر فریدی نے کہا۔“ میں سمجھا تھا شاید مجھے آپ سے مدد سکے۔

” میں ہر خدمت کے لئے حاضر ہوں۔“ شمشاد نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔

” آپ سر برہا کے مخلوق کچھ نہیں جانتے۔ کیا آپ کو کسی پر شبہ بھی نہیں ہے؟“

” بعض شبے سے کیا ہوتا ہے کر قل۔ مجھے یقین ہے کہ آپ اس کے خلاف بھی کوئی ثبوت

نہ پہنچا سکیں وہ اتھائی چالاک اور ذین معلوم ہوتا ہے۔“

” بہر حال آپ کو کسی پر شبہ ہے۔“ فریدی نے کہا۔

” شمشاد کسی سوچ میں پڑ گیا پھر تھوڑی دیر بعد آہستہ سے بولا۔“ دیکھنے کسی نہ کسی پر شبہ ہونا

تل امر ہے۔ میرا خیال ہے کہ تنظیم سے تعلق رکھنے والے ہر آدمی کو کسی نہ کسی پر سر برہا

نہ کا شہر ضرور ہو گا۔ لیکن یہ نہیں کہا جا سکتا کہ اس شبے کی کچھ نہ کچھ حقیقت بھی ہو گی۔“

” آپ کو کس پر شبہ ہے۔“

” مجھے صرف تین دن کی مہلت دیجئے۔ پھر میں آپ کو بتا سکوں گا کہ مجھے کس پر شبہ ہے۔“

” یعنی آپ تین دن میں اس کا فیصلہ کریں گے کہ آپ کو کس پر شبہ ہے۔“ فریدی نے

ٹراکر کہا۔

” نہیں! میں ان تین دنوں میں اپنے شبے کو یقین میں تبدیل کرنے کی کوشش کروں گا۔“

” یہ خدمت آپ میرے پرورد کر دیجئے۔ میں اسے یقین میں تبدیل کروں گا۔“

” نہیں کر قل ابھی نہیں۔ میں بتا دوں گا۔“

” خیر آپ کی مرضی۔“

فریدی نے مصلحت خاموشی اختیار کر لی۔ کنور شمشاد اسے کام کا آدمی معلوم ہو رہا تھا۔



جد ہو لے کر اڑا تھا۔ اس کی حالت اب پہلے سے بہتر تھی۔ ذاکرزوں کی رائے کے

لائنا ڈھرے سے نکل چکا تھا۔

”مجھے فریدی صاحب کا پتہ بتاؤ... پریشان نہ کرو۔“
 ”کیوں؟ کیا کوئی خاص بات ہے۔“
 ”میں ان سے پوچھوں گی کہ یہ کن لوگوں کی حرکت ہے۔“
 ”اوہو.... کیا رادے ہیں۔“
 ”میں اس معاملے کا کچھ تعلق لیڈی زوبی سے بھی ہے۔“ رشیدہ نے پوچھا۔
 ”کیوں تمہیں کیسے علم ہوا۔ کیا انور نے بتایا ہے۔“
 ”نبیں.... وہ بیوی شی کے دوران میں کئی بار اس کا نام لے چکا ہے۔“
 ”ہو گا.... میں اس کے بارے میں کچھ نہیں جانتا۔“

”تم جانتے ہو.... ورنہ اس طرح پوچک کر سوال کیوں کرتے۔ خیر نہ بتاؤ۔ میں خود دیکھ لوان
 اور کے سر کی چوت بہت گھری تھی اور اسے نقل و حرکت سے قطعی روک دیا گیا تھا۔ اور سے پوچھا تھا لیکن وہ بھی ٹال رہا ہے۔“
 ”یہ سب کچھ تمہارے بس کا نہیں ہے۔“ حمید نے کہا۔
 ”لیڈی زوبی۔“ رشیدہ کچھ سوچتی ہوئی بڑھتا۔ ”وہ کوئی اچھی عورت نہیں ہے۔ میں اسے پھر طرح جانتی ہوں۔ مجھ سے بچ کر وہ کہاں جائے گی۔“
 پھر حمید کے کچھ بولنے سے قبل ہدہ کرنے سے چل گئی۔

آٹھ بڑوں کی شامت

کنور جپاں اور سر جگدیش ہائی سرکل نائنٹ کلب کے ایک مخصوص کیبن میں خاموش بیٹھے تھے۔ انہیں شائد کسی کا انتظار تھا۔

کچھ درپر بعد سر جگدیش نے کہا۔ ”بھمی اگر فریدی ہماری راہ پر لگ گیا ہے تو...!“
 ”اس کی پرواہ نہ کیجئے سر جگدیش....!“ کنور جپاں اس کی بات کاٹ کر بولا۔
 ”وہ بیچارا کرے گا کیا۔ اگر واپسی وہ کچھ کر سکتا ہو تو اس رات برکل ہاؤز سے بھاگتا کیوں۔“
 ”مرا خیال ہے کہ اس نے ہماری گفتگو بھی اچھی طرح سن لی ہو گی۔“
 ”یقیناً سنی ہو گی۔ ضر غام تو اس وقت خود اس کا تھا جب ہماری گفتگو انتقام پر تھی۔“

اُس کے جسم پر بے شمار زخم تھے جن سے کافی مقدار میں خون بہہ گیا تھا اور اسے اُن کمزوری محسوس ہونے گی تھی جیسے وہ سالہا سال سے اسی حالت میں پڑا ہو۔
 کچھ بھی ہو وہ فریدی کا شاگرد تھا اور اس حال میں بھی اُس نے اپنی بے بُسی کا انتہا دوسروں پر نہیں ہونے دیا تھا۔

پہلی بار جب وہ ہوش میں آیا تھا تو فریدی بھی اُس کے پاس موجود تھا اور اُس نے قریب کھڑی ہوئی ایک نر کا ہاتھ پکڑ کر کہا۔ ”زر س جب میں مر نے لگوں تو اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے دینا۔“

اس پر فریدی نے زبان سے تو کچھ نہیں کہا تھا لیکن دل ہی دل میں اس کی مستقل مراجی کی تعریف کے بغیر نہیں رہ سکا۔

اور کے سر کی چوت بہت گھری تھی اور اسے نقل و حرکت سے قطعی روک دیا گیا تھا۔ اس وقت حمید بہت زیادہ بیزار نظر آرہا تھا۔ وجہ یہ تھی کہ اس وقت اس کے کمرے میں ایک بوڑھی نر کی ڈیوٹی تھی۔ اتفاقاً رشیدہ اور ہر آنکھی۔

حمد نے چھوٹے ہی پوچھا۔ ”اُور زندہ ہے یا مر گیا۔“
 ”نہیں وہ زندہ ہے اور اس کی حالت تم سے اچھی ہے۔“ رشیدہ نے جواب دیا۔
 ”نہیں مرے گا۔“

”ہرگز نہیں۔ کیا تم چاہتے ہو کہ وہ مر جائے۔“
 ”ہاں میں چاہتا ہوں۔“
 ”کیوں....؟“

”وجہ پوچھتی ہو!“ حمید ایک ٹھنڈی سانس لے کر خاموش ہو گیا۔
 ”فضل باتیں نہ کرو۔ میں تم سے یہ پوچھنے آئی تھی کہ فریدی صاحب کہاں ملیں گے۔“
 ”وہ خود بھی اسی چکر میں ہیں۔ ورنہ اور کوئی مہم پر کوئی لے جاتے۔“
 ”تم سے خدا سمجھے۔ قبر کے کنارے پہنچ گئے ہو مگر اپنی حرکتوں سے باز نہیں آتے۔“
 ”رسواؤ! رسواؤ! مجھے اس کی خوشی ہے کہ میرا چہہ برباد ہونے سے نکل گیا۔“

”پھر بتائیے.... اُس نے ہمارا کیا بگاڑ لیا۔“

”لیکن.... طاقت خوفزدہ معلوم ہوتا ہے۔ اُس نے ساری مشینیں انھوںیں۔“
”احتیاط تو بہر حال کرنی ہی پڑے گی۔“ کنور جپال نے کہا۔ ”اگر ان میں سے ایک بھی مشین حکومت کے ہاتھ لگ جاتی تو سارا کھیل گز جاتا۔ یہ طاقت کا اپنا راز ہے۔“

”طاقت بذات خود راز ہے۔“ سر جکد لیش نے کہا۔ ”میں تو بعض اوقات سوچتا ہوں کہ کہیں اسی اہم بہر اسرار آدمی ہی کے ہاتھوں نہ مارے جائیں۔“

”نہیں یہ ایک فضول ساختا ہے۔“ کنور جپال بولا۔

”کیوں! کیا یہ ممکن نہیں ہے کہ..... ارے..... یہ کیا.....!“ سر جکد لیش بات کرتے کرتے اچھل پڑا۔ یہی کیفیت کنور جپال کی بھی ہوئی۔

میرز سے کوئی ٹھوس چیز نکلا کر یقینے گری تھی۔ وہ دونوں چند لمحے اسے گھورتے رہے۔ پھر کنور جپال نے جھک کر اسے اٹھایا۔

وہ کاغذ میں لپٹا ہوا پتھر کا ایک چھوٹا سا نکلا تھا۔ پہلے تو وہ پتھر کے نکلوے کو الٹ پٹک دیکھتے رہے پھر سر جکد لیش نے کاغذ کو فرش سے اٹھایا۔

”اوہو.... یہ بات ہے۔“ وہ آہستہ سے بڑا بڑا۔ پھر اُس نے کاغذ کنور جپال کی طرف بڑھا دیا۔ کاغذ پر تحریر تھا

”زوہبی کا انتظار مت کرو۔ وہ نہیں آئے گی۔ پیلک مقامات پر بیٹھ کر طاقت کا نذر کر کر نادرست نہیں۔ احتیاط رکھو۔ اور اس وقت تم دونوں کو اپنی کو ٹھیک ہوں میں ہونا چاہئے تھا.... ویسے کسی سے حراساں ہونے کی ضرورت نہیں۔ فریدی یا کوئی دوسرا تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکتا۔ طاقت سے بھی خوف کھانا فضول ہے۔ وہ اپنے مخالفوں کا بھی خون کرنا پسند نہیں کرتا۔ کیا تمہارے سامنے کنور شمشاد کی مثال نہیں ہے۔“

”تحریر پڑھ کر تھوڑی دیر تک وہ دونوں بے حس و حرکت بیٹھے رہے۔ پھر کنور جپال نے کہا۔ ”یہاں سے ہمیں اٹھ جانا چاہئے۔“

سر جکد لیش کچھ نہ بولا۔ اُس کے چہرے پر پریشانی کے آثار تھے لیکن اس کے برخلاف کنور

ہلکن نظر آ رہا تھا۔

سر جکد لیش اپنی کار میں بیٹھ کر کوئی کی طرف روانہ ہو گیا۔ وہ سوچ رہا تھا کہ کیا کنور جپال ملت ہے۔ کیونکہ اسے اُس کے چہرے پر بے اطمینانی کے آثار نہیں نظر آئے تھے۔ اس نر قدم پھینکنے کا کام وہ کسی دوسرے سے بھی لے سکتا تھا اور یہ تو بھی جانتے ہیں کہ تنظیم محض میں دس آدمیوں تک محدود نہیں ہے طاقت کے بے شمار اجنبت ملک بھر میں پھیلے ہوئے ہیں۔ بکد لیش کو ایک جھر جھری سی آئی۔ خیالات کی رو تھوڑی دیر کے لئے دوسری طرف بھٹک لیکن اسے دوبارہ طاقت کی طرف آنے میں دیر نہیں لگی۔ سر جکد لیش سوچ رہا تھا کہ جس اُس نے وہ عجیب و غریب مشین شہر کے سارے خفیہ مقامات سے انھوںی ہے اُسی طرح وہ درت پڑنے پر ان دس بڑے آدمیوں کو بھی ٹھکانے لگا سکتا ہے۔

کار شہر کی سڑکوں سے گذرتی رہی۔ سر جکد لیش کو اس کا احساس ہی نہ ہو سکا کہ وہ کب ناٹ بے اٹھا اور کب گرفتچی گیا۔

کار پھاٹک کے اندر دا خل ہو ہی رہی تھی کہ ایک فائر ہوا اور اس کا پچھلا شیشہ چکنا چور ہو گیا دوسرا فائر ہوا اور سر جکد لیش کی چیخ سنائے میں دور تک لمبرتی چلی گئی۔



کنور جپال بھی ہائی سر کل ناٹ کلب سے اٹھ کر اپنی کوئی کی طرف روانہ ہو گیا تھا۔ اس کا ران کوئی کی کپکا ڈھنڈی میں تھا لیکن اس کا فاصلہ اصل عمارت سے تقریباً ایک فرلانگ ضرور رہا تھا۔ وہ کار کو پورچ کی طرف لے جانے کی وجہ سے سید ھاگیر اج کی طرف لیتا چلا گیا۔

اس سے دراصل بے خیالی میں یہ غیر معمولی واقعہ سرزد ہو گیا تھا ورنہ آج تک اس نے ہنا کی خلک بھی نہیں دیکھی تھی۔ عموماً پورچ سے گیراج تک کار کوئی نہ کوئی ڈرائیور ہی لے جیا تاہم گیراج کے قریب پہنچ کر اسے اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ بہر حال وہ کیراج سے عمارت کی اس بیویل ہی واپس ہوا۔

عجیب پاک والے راستے کے قریب پہنچ کر وہ یک بیک ٹھنک گیا۔ مہندی کی قدِ آدم بازہ سے پہنچنے سے ہلکی ہی روشنی دکھائی دی تھی۔ روشنی کا ایک نخا سادا رہ جو آہستہ آہستہ حرکت اٹھا کر

کور جپال چپ چاپ کھڑا اسے دیکھتا رہا۔ پھر تیری سے آگے بڑھا۔ اچانک دوسری طرف پہنچا گیا۔ مسٹر جاوید پر فائر۔ وہ بال بال چحا۔ سر جشید کی کار ایک جیپ سے نکل گئی اور اسے کسی نے اس پر چھلانگ لگائی۔ کور جپال دانت کچکا کر پلٹ پڑا لیکن حملہ آور کمزور نہیں تو نی مالت میں ہسپتال پہنچا گیا۔ جیپ کاڈرا یور غائب۔.... جیپ چوری کی تھی۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ کور جپال کے منہ پر جمادیا تھا اور دوسرے ہاتھ سے اس زور کا گونزہ ایک پیٹ پر رسید کیا کہ وہ دوہر اہو گیا۔ دوسرے ہی لمحے میں وہ زمین پر تھا اور حملہ آور اسکے سینے پر۔ غرضیکے ایک ہی رات میں شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر مختلف قسم کی مصیبیں نازل ہوئیں اور یہ آٹھ بڑے آدمی تنظیم کے کارکن تھے لیکن ان میں کوئی بھی مر انبیس تھا۔ اس نے اپنا ایک ہاتھ بلند ہوا اور کور جپال کے ہاتھ سے ہلکی ہی کراہ نکلی اس کا سر پکڑا گیا۔ حملہ آور کا دادہ تھا ہلکی ہی کراہ نکلی اس کے گیارہ کارکن تھے۔ کور شمشاد کی علیحدگی کے آنکھیں بند ہو گئیں مکمل بے خبری کا لمحہ اور پھر جب دوبارہ اس کی آنکھیں کھلیں تو اس دس رہ گئے تھے جن میں زوبی بھی شامل تھی۔ اپنے دل کی دھڑکنیں تاؤ میں محسوس ہو رہی تھیں۔ ہلت خنک ہو گیا تھا۔ آٹھ کارکنوں کے متعلق اس نے اخبار میں نبی خبریں پڑھیں لہذا نصرت خان کے لئے اس حملہ آور فرار ہو چکا تھا۔ کور جپال نے اٹھنا چاہا لیکن اس کے منہ سے ایک تیر قسم کی چیز نکلی توثیش قدر تی تھی۔

اور وہ اپنی جگہ سے مل بھی نہ سکا۔ پہلی چیز تو غیر ارادی طور پر بے ساختہ نکلی تھی لیکن اب اس نے دس منٹ کے اندر ہی اندر وہ نصرت خان کی قیام گاکی طرف روانہ ہو گئی۔ وہ سوچ رہی تھی لوگوں کو اپنی طرف متوجہ کرنے کے لئے چیخنا شروع کر دیا تھا۔ اس کی سمجھتی ہی میں نہیں آرہا تھا کہ یا طاقت اب انہیں ختم کر دینا چاہتا ہے لیکن وہ اپنے اس خیال کی تائید نہ کر سکی۔ ایسی حرکتیں اسے کیا ہو گیا ہے اس کی چینیں سن کر کوئی ٹھنڈی سے کئی آدمی دوڑ پڑے، ان کے ہاتھوں میں ٹاریں نہیں۔ اس وقت کی جاتی ہیں جب کسی راز کے فاش ہو جانے کا ذرہ ہو.... طاقت کو اس قسم کا کوئی تھیں۔ انہوں نے کور جپال کو زمین پر چت پڑا دیکھا۔ اس کی آنکھیں کھلی ہوئی تھیں اور ”نہیں ہو سکتا کوئی نہیں جانتا کہ وہ کون ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ اس تک کس طرح رسائی اندھوں کی طرح پلکیں جھپکا رہا تھا۔ اس کے دامنے بازو میں ایک خجربتے تک پیوست تھا۔ غالباً“ لکتی ہے لیکن پھر.... آخران حملوں کی وجہ؟“ بازو کا گوشت چھیدتا ہواز میں میں اتر گیا تھا۔ کور جپال ابھی تون تو ش اور مضبوط جسم کا آدمی اس نے نصرت خان کو اسی حال میں دیکھا جس حال میں پچھلے دن چھوڑ کر گئی تھی۔ وہ ایک تھا۔ بزرد بھی نہیں تھا۔ اگر وہ چاہتا تو خود ہی باسیں ہاتھ سے خجرب کاں کر اٹھ سکتا تھا مگر معاملہ اس کی سمجھتی میں آیا نہیں تھا۔ زوبی کو دیکھ کر اس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ نمودار ہوئی۔

”تم تھیک ہوتا۔“ زوبی نے کار سے اترتے ہی پوچھا۔

یہ خجرب بالکل اُسی ساخت کا تھا جس ساخت کا وزیر تجارت پر پھینکا گیا تھا.... سر موفر نہیں تھا اور اس نے اسی قسم کا خجرب اکثر نصرت خان کے پاس بھی دیکھا تھا۔ کور کے ہونٹ تھے۔

”ہاں... دیکھا... یہ سب اپنے ہی آدمی ہیں۔ میں سوچ رہا تھا کہ کہیں تم بھی کسی حادثے گئے۔ کچھ دیر قبل جس چہرے پر زردی چھائی ہوئی تھی غصہ سے سرخ نظر آنے لگا۔“

دوسرے لمحے میں وہ ان لوگوں کو دیکھنے کو ٹھی کی طرف جا رہا تھا۔

”نہیں.... میں محفوظ ہوں! مگر یہ خبری۔“

”ٹھیک ہے! آخر ہم دونوں کیوں محفوظ ہیں۔“ نصرت خان نے کہا۔

”ٹائم کم از کم زوبی کے لئے بڑا پیشان کن تھا۔ سر جگد لیش پر ریو اور سے ملے۔“

گوئی باسیں شانے کو چھوٹی ہوئی گزرنگی۔ کور جپال پر خجرب سے حملہ سیٹھ چمن لال کے بیال

”تم نے کیا سچا تھا۔“
”طاقت....!“

”خدا جانے.... اور ان میں سے کوئی مرابھی نہیں۔“ صرفت خان بولا۔

”مشین تھے خانے ہی میں ہے یا اٹھوائی گئی۔“ زوبی نے پوچھا۔

”وہیں ہے! اچھا ہوا تم آگئیں۔ میں نیچے نہیں جا سکتا۔ پیر کی تکلیف بڑھ گئی ہے۔“

نصرت خان آج ضرورت سے زیادہ مہذب نظر آرہا تھا اس نے ایک بار بھی اپنے جنگلی پر کامظاہرہ نہیں کیا۔ پتہ نہیں کیا بات تھی۔

زوبی تھے خانے میں آئی۔ کافی دیر تک مشین حرکت میں رہی تھیں.... دوسرا طرف کوئی آواز نہ سنائی دی۔ آخر زوبی نے مشین بند کر دی اور پھر اوپر آگئی۔

ایک دن سینہن اس نے طاقت سے فون پر بھی گفتگو کی تھی لیکن اس کا میلی فون نمبر نہیں۔ صرفت خان کو بھی نہیں معلوم تھا۔ وہ اکثر صرف اس کی کال ریسیو کیا کرتا تھا۔

زوبی نے اس کا تذکرہ نصرت خان سے کیا لیکن اس نے طاقت کے فون نمبر سے لا علیٰ نہ کی اور پھر وہ دونوں اسی کمرے میں آبیٹھے جہاں فون رکھا ہوا تھا۔

تقریباً ساڑھے دس بجے تک فون کی گھنی بجی اور زوبی نے جھپٹ کر رسیور اٹھایا۔ دوسرا طرف سے بولنے والا ہی نہ اسرار آدمی تھا جسے وہ لوگ طاقت کے نام سے جانتے تھے۔

”کون... زوبی.... خوب! اچھا ہوا کہ تم یہیں موجود ہو۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔ ”مشین پر جاؤ۔“

زوبی رسیور رکھ کر تھے خانے کی طرف بھاگی۔ نصرت خان اُسے آوازیں ہی دیتا رہا۔

”مشین پر طاقت کی آواز سنائی دی۔“ ”زوبی....!“

”بھی ہاں میں ہی ہوں۔“
”تم اور ضرغام محفوظ ہوتا۔“

”بھی ہاں.... لیکن....!“

”اوہ....! یقیناً تم غلط فہمی میں جاتا ہو گئی ہو گی۔ ان واقعات کا میری ذات سے کوئی تعلق

ہیں لیکن میں شاید دوسروں کو یقین نہ دلا سکوں۔“

”مجھے یقین ہے۔“ زوبی جلدی سے بولی۔

”اور ضرغام کا کیا خیال ہے۔“

”وہ آپ کو ایک وقار شعار دوست تصور کرتا ہے۔“

”یہ فریدی کی حرکت ہے۔“ دوسرا طرف سے آواز آئی۔

”ہیں....!“ زوبی کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”ہاں! فریدی کی.... مگر یہ حرکت اس کے حق میں نتیجہ خیز نہیں ہو سکتی۔ تم خود سوچو کر دو۔“

سے کیا فائدہ اٹھا سکتا ہے لیکن اس کی معلومات کی تعداد ہمیں ہی پڑے گی۔ اس نے تم دونوں کو

بوڑیا گویا اُسے یقین ہے کہ تم دونوں کسی حال میں بھی میری طرف سے بدگمان نہیں

سکتے.... اور اس نے پرنٹ شمشاد کو بھی چھوڑ دیا ہے۔ یعنی وہ یہ بھی جانتا ہے کہ اب اس کا

ظیم سے کوئی تعلق نہیں۔“

”مگر جناب.... اس حرکت کا مقصد کیا ہو سکتا ہے۔“

”مقصد صاف ہے۔ اس نے اُن میں سے کسی کو بھی جان سے نہیں مارا۔ اس نے سوچا ہو گا

لئن ہے ان میں سے کوئی میری شخصیت سے واقعہ ہو اور اپنی جان کی سلامتی کے لئے پولیس

مراپتہ نشان بتا دے۔“

”اگر وہ بھی سمجھتا ہے تو احمق ہے۔“ زوبی نے کہا۔ ”میرا خیال ہے کہ کنور شمشاد اس سے

ماگیا ہے۔“

”ملئے دو! اس کی پرواہ نہ کرو۔ شمشاد ہی کی مثال اُسے پاگل کر دینے کے لئے کافی ہو گی۔ یعنی

لائے اپنے ایک خالف کو بھی اپنے راستے سے ہٹانے کی کوشش نہیں کی۔“

”لیکن دیکھئے! فریدی نے میری پوزیشن کتنے خطرے میں ڈال دی ہے۔“ زوبی نے کہا۔

”یقیناً.... مجھے اس کا احساس ہے۔ جب آٹھ بجے تمہیں ہر طرح حفاظ دیکھیں گے تو

اعمالہ انہیں اُن وار دلوں میں میرا ہاتھ نظر آنے لگے گا.... اور وہ تمہارے دشمن ہو جائیں

دوسرا طرف سے آواز آئی بند ہو گئی۔

بیلک میلر کی تلاش

آخر رشیدہ فریدی تک پہنچ ہی گئی۔ وہ بندر گاہ کے علاقے کے ایک بار میں بیٹھا ہوا اسے مل برشیدہ بھی اور ہر کسی کام ہی سے آئی تھی۔ اسے فریدی کو بار میں دیکھ کر حیرت ہوئی۔ وہ تھی کہ فریدی شراب نہیں پیتا۔

”اوہ... تم یہاں...!“ فریدی نے رشیدہ کو دیکھ کر حیرت ظاہر کی۔

”مجھے آپ کی تلاش تھی۔ اتفاقاً آپ یہاں نظر آگئے۔“

”کیوں... اور کیسا ہے؟“

”پہلے سے بہت بہتر اور حمید صاحب بھی ٹھیک ہی ہیں۔“

”لیکن تمہیں میری تلاش کیوں تھی۔“

”میں یہ پوچھنا چاہتی ہوں کہ ان واقعات کا لیڈی زوبی سے کیا تعلق ہے۔“

”ہوں....!“ فریدی اسے ٹوٹنے والی نظروں سے دیکھنے لگا۔ ”انور نے کیا بتایا ہے۔“

”اس نے تو مجھے کچھ بھی نہیں بتایا۔“

”پھر....!“

”یہو شی کے دوران میں اس نے کئی بار زوبی کا نام لیا تھا۔“

”فرض کرو! میں نے تعلق بتا بھی دیا تو تم کیا کرو گی۔“

”جو کچھ مجھ سے ہو سکے گا... زوبی کے متعلق میں سب کچھ جانتی ہوں۔“

”لیکن تھوڑی ہی تفریخ چاہتا ہوں۔ میری تفریخ یہی ہے کہ میں اپنے دشمنوں کو خود کشی کرنے کے لئے اور کوئی کام...!“ زوبی نے پوچھا۔

”کیوں! او یہ بھی وہ سر جمیش کی بہن ہے۔“

”رجیش اس سے تفتر تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ کوئی اسے اس کی بہن سمجھے یہی حالت آج اب تک ملا۔“

گے۔ اُن سب کا خیال ہے کہ تم میری شخصیت سے واقف ہو۔“

”درست فرمایا.... لیکن فریدی کیلئے کیا کیا جائے۔“

”فلک مر کرو۔ بس دیکھتی جاؤ۔ اُسے خود کشی کرنی پڑے گی۔ یہی میری خواہش بھی ہے ورنہ میں اسے جس وقت چاہوں ٹھکانے لگ سکتا ہوں۔ میں تو انہیں کاتیر ہوں۔ کیا سمجھیں۔“

”زوبی نے ہاکا ساتھیہ سن اور پھر طاقت نے کہا ”زوبی تمہیں اسکی طرف سے ہوشیدر ہنا چاہئے۔“ ”اوہ! تو کیا آپ میری خبر کیری نہ کریں گے۔“

”کیوں نہیں۔ مگر تم اب کچھ دنوں کے لئے ضرغام کی کوئی ہی میں قیام کر دی گی تمہیں ہر حال میں اس کی خواہت کرنی چاہئے اس کی اہمیت میں تم پر پہلے ہی ظاہر کر چکا ہوں۔“

”میں جانتی ہوں! آپ جو کچھ کہہ رہے ہیں وہی ہو گا۔ مگر..... ایک بات سمجھ میں نہیں آئی کہ آخر فریدی نے ایک ہی رات میں اتنی بہت سی وارداتیں کیے کہ ردا لیں۔“

”اس کی بیلک فورس کام کر رہی ہے زوبی۔ اس نے اپنے مکھے کے کسی آدمی سے کوئی مدد نہیں لی۔ تمہاری کوششوں کی بنا پر اس کے آفسر اس کے خلاف ہو گئے ہیں اور اب اسے ملک سے کوئی امداد نہیں مل رہی ہے۔ میرا خیال ہے کہ وزیر تجارت کے قتل کی سازش کی تفتیش کے لئے کوئی دوسرا آدمی مقرر کیا جائے گا۔“

”پھر آخر یہ اپنی ناگ کیوں اڑا رہا ہے۔“

”بس صدی ہے جس بات کے پیچے پڑ جائے اور پھر اسے اپنے استثن کے زخمی ہو جانے پر بھی غصہ ہے۔“

”آپ اس کا تھے ہی کیوں نہیں پاک کر دیتے۔“

”یوں نہیں.... بات توجہ ہے کہ وہ اپنے ہاتھوں ہی سے اپنا گلا گھونٹ لے۔ بعض اوقات میں بھی تھوڑی ہی تفریخ چاہتا ہوں۔ میری تفریخ یہی ہے کہ میں اپنے دشمنوں کو خود کشی کرنے کے لئے مجبور کر دیتا ہوں۔“

”میرے لئے اور کوئی کام...!“ زوبی نے پوچھا۔

”نہیں.... میں اتنا ہی کہ تم ضرغام کی دیکھ بھال کرو۔ میں تمہیں لیڈی فریڈ کے بجائے ملکہ مقلائق و کینا چاہتا ہوں۔ اچھا باب.... بس....!“

"خیر یہ چیز موجودہ معاملات سے قطعی غیر متعلق ہے۔"

"میں یہ کہہ رہی تھی کہ لیڈی فریدز بننے سے قبل وہ ایک بیلک میلر کی ایجنت تھی۔"

"اوہ.....!، فریدی آگے کی طرف جک آیا۔ "تم ایک نئی بات بتاری ہو۔"

"سر فریدز کے ساتھ اس کی شادی بھی ایک محظہ ہے۔ جس زمانے میں وہ اس بیلک میلر نے سوت میں ملوس تھا۔"

ایجنت تھی اُسی دوران میں اس نے سرفیروز سے ملتا جلتا شروع کیا پھر ایک دن دونوں کی شادی، "تم نے اُسے کہاں دیکھا تھا۔"
اعلان ہو گیا۔"

"یہیں کے ایک ہوٹل میں۔"

"کس ہوٹل میں۔"

"سر جمیش ازوبی کے مشاغل کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا تھا۔ میری ایک دوسرے
کے ذریعہ اس نے یہ کام میرے پرداز کر دیا تھا۔"

"تو تم اس بیلک میلر کے بارے میں بھی کچھ نہ پکھ ضرور جانتی ہو گی۔"

"جی ہاں! وہ صستر مورگن کہلاتا تھا۔ کوئی دیسی خیالی تھا اور اس کے پاس بہت سی لاکیار
تھیں اور وہ سب اپنے پہلے نام کے ساتھ مورگن لکھتی تھیں۔"
"اوہ....!، فریدی کچھ سوچنے لگا۔ تھوڑی دیر بعد اس نے پوچھا۔
"کیا ان میں کوئی ڈریلا مورگن بھی تھی۔"

"یقیناً تھی.... مجھے اچھی طرح یاد ہے۔"

"اسکے اوپری ہونٹ کے بائیں گوشے پر ایک ابھرا ہوا سرخ رنگ کا تسلیم۔ یہ وہی بارٹنڈر تھا جس کی
رمت ایک بار فریدی ہادرڈی کے سلسلے میں کچکا تھا۔ رشیدہ کے چلے جانے کے بعد وہ خوف زدہ

نفرودن سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے آنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی اُسی کا منتظر
قاچیکن اس کے تھا اپنے جانے پر اسکی سائنس پھولنے لگی۔ فریدی یہاں بہت دیر سے بیٹھا تھا۔

"جی ہاں۔.... مجھے یاد پڑتا ہے یقیناً تھا....!"

"تم کہتی ہو کئی لڑکیاں اپنے ناموں کے ساتھ مورگن استعمال کرتی تھیں۔"

"جی ہاں۔"

"تو وہ سب بیویاں ہونے سے رہیں۔" فریدی نے کہا۔

"اور لڑکیاں بھی نہیں ہو سکتیں۔" رشیدہ مسکرا کر بولی۔ "اگر لڑکیاں تھیں تو وہ سب کی

وقت پیدا ہوئی ہوں گی کیونکہ وہ سب تقریباً ہم عمر تھیں۔"

"مورگن اب کہاں مل سکے گا؟"

"یہ بتانا بہت دشوار ہے۔"

"اچھا اس کا خلیہ ہی تھا۔"

"افسوس! یہ بھی مشکل ہے۔ میں نے ایک بار صرف اس کی جھلک دیکھی تھی اور چہرہ بھی

بہرے سامنے نہیں تھا۔ دیے اتنا ضرور بتا سکتی ہوں کہ وہ ایک دراز قدم آدمی تھا۔... اور اُس وقت

"سر فریدز کے ساتھ اس کی شادی بھی ایک محظہ ہے۔ جس زمانے میں وہ اس بیلک میلر

ایجنت تھی اُسی دوران میں اس نے سرفیروز سے ملتا جلتا شروع کیا پھر ایک دن دونوں کی شادی،

"یہیں کے ایک ہوٹل میں۔"

"کس ہوٹل میں۔"

"جیکسٹر کارنز میں.... وہ ہوٹل آج بھی ہے اور غالباً اس کا ماں اک بھی وہی ہے جو اس زمانے
میں تھا۔... اور یہ بھی سننے کے وہ مورگن کا مستقل اٹا تھا۔"

فریدی خاموش رہا۔ وہ کچھ سوچ رہا تھا۔ کچھ دیر بعد اس نے کہا۔

"تم شاید اسی پکڑ میں ادھر آئی تھیں۔ اچھا ہوا کہ مجھ سے پہلے ملاقات ہو گئی۔ اب تم سپتال
جاو۔ انور اور حمید کی دیکھ بھال اچھی طرح ہوئی چاہئے اور اس معاملے کو مجھ پر چھوڑ دو۔ اگر تمہاری
مزدورت محظوظ ہوئی تو تمہیں اطلاع دے دی جائے گی.... بس اب جاؤ۔"

"میں چاہتی.... تھی....!"

"نہیں کچھ نہیں.... تم جا سکتی ہو۔"

رشیدہ چپ چاپ اٹھی اور چل گئی۔ بارٹنڈر سے جاتے دیکھا رہا۔ یہ وہی بارٹنڈر تھا جس کی

رمت ایک بار فریدی ہادرڈی کے سلسلے میں کچکا تھا۔ رشیدہ کے چلے جانے کے بعد وہ خوف زدہ

نفرودن سے فریدی کی طرف دیکھنے لگا۔ رشیدہ کے آنے پر وہ سمجھا تھا کہ شاید فریدی اُسی کا منتظر
قاچیکن اس کے تھا اپنے جانے پر اسکی سائنس پھولنے لگی۔ فریدی یہاں بہت دیر سے بیٹھا تھا۔

"لیں یونہی.... نہ تو اس نے ابھی تک کوئی چیز طلب کی تھی اور نہ بارٹنڈر ہی کی طرف متوجہ ہوا تھا۔

باڑھ کا پنچتے ہوئے ہاتھوں سے گلاس صاف کر کے انہیں ریک میں لگاتا رہا لیکن اس کی

فلکیں فریدی ہی پر تھیں۔ اچانک فریدی نے اُسے اپنے قریب آنے کا اشارہ کیا اور اس کے ہاتھ

سے گلاس چھوٹ کر فرش پر گرا۔ چھنا کے کی آواز کمرے میں گونج کر رہ گئی۔

"یہ..... یہ..... لیں سر....!، وہ ہکلایا۔"

”اوہر آؤ...!“ فریدی کا لمحہ انتہائی سرد تھا۔
بارشدر لڑکھراتے ہوئے قدموں سے اس کی طرف بڑھا۔
”بیٹھ جاؤ۔“ فریدی نے کہا۔
لیکن بارشدر کھڑا کامپتا رہا۔

”بیٹھ! اس وقت یہاں تمہارا کوئی خریدار موجود نہیں ہے۔“ فریدی جھنجلا گیا۔
”آپکے حکم سے بیٹھ رہا ہوں۔“ بارشدر کامپتا ہوا بولا۔ ”ورنہ آپکے برابر کیسے بیٹھ سکتا ہوں۔“
”جیکسنز کارز کا مالک کون ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔
”شاید اب میری موت قریب آگئی ہے۔“ بارشدر بڑھا۔
”میرے پاس زیادہ وقت نہیں ہے۔“
”جناب آپ مجھ سے ہمیشہ خطرناک آدمیوں کے متعلق پوچھتے ہیں۔“
”تم نے پھر کوئاں شروع کر دی۔“

”جناب والا... بچھلی بار...!“

جملہ پورا ہونے سے قبل ہی فریدی نے اس کے گریبان پر ہاتھ ڈال دیا۔
” بتاتا ہوں...“ بارشدر رو دینے والی آواز میں بولا۔ ”اس کا مالک حقیقتاً گوئے ہے لیکن یہ ہاتھ۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن شاید وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔
بات بہت کم آدمیوں کو معلوم ہے۔ عام آدمی سمجھتے ہیں کہ اس کا مالک پھوٹ ہے۔“
”گوئے کب سے اس کا مالک ہے۔“

”ٹھہریئے... بتاتا ہوں۔“ بارشدر نے کہا اور انگلیوں پر کچھ گنے لگا پھر ٹھوڑی دیر بعد
بول۔ ”شاید پندرہ سال... میں بھی ہو سکتے ہیں۔“
”ہوں... اور گوئے ملتا کہاں ہے۔“

”وہ... دیکھئے... یہ تو مجھے معلوم نہیں... یہ آپکو ہی آدمی پھوٹتا سکے گا۔ گوئے پھوٹ کی یوں
کا شوہر ہے۔ اتنا میں ضرور جانتا ہوں اس لئے گوئے نے پھوٹ کو سیاہ و سفید کا مالک بنا رکھا ہے۔“
”یاد کر کے بتاؤ۔ کیا تم کبھی کسی مسٹر مورگن سے بھی واقع تھے، جو جیکسنز کارز میں بیٹھا
کرتا تھا۔“

”جناب! میں جانتا ہوں۔ وہ وہیں مقیم تھا۔ ایک پر اسرار آدمی۔ یہاں کے سبھی لوگوں نے

بن کا نام سناتھا لیکن شاید ہی کسی نے کبھی اسے دیکھا ہو۔ ویسے اس کی فیاضی کے قبے اس علاقے
میں عام تھے۔

”فریدی پتھر لئے کچھ سوچتا ہا پھر بولا۔“ پتوہر وقت وہاں ملتا ہے۔“

”جی ہاں...!“

”وہ یہاں کتنی مدت سے ہے۔“

”پانچ سال سے۔“

”اچھا اب تم جاسکتے ہو۔“

”شش.... شکریہ! جتاب والا۔“ بارشدر اٹھ کر پھر کاؤنٹر کے پیچے چلا گیا۔ فریدی بھی
پر گرین بار سے نکل کر جیکسنز کارز کی طرف چل پڑا۔ یہ ہوٹل یہاں سے زیادہ دور نہیں تھا۔
آج وہ پھر اوہر ہارڈی ہی کے چکر میں آیا تھا لیکن اس سے ملاقات نہ ہونے پر ایور گرین میں میں
انہیاں تھاں۔

جیکسنز کارز میں پہنچ کر فریدی نے ایک ویٹر سے پتوہ کے متعلق پوچھا اور اس نے اُسے ایک
چھوٹے سے کمرے میں پہنچا دیا جہاں ایک پتہ قد آدمی ایک بڑی سی میز کے سرے پر بیٹھا پہنچا پی
رہا تھا۔ فریدی کو دیکھ کر وہ کھڑا ہو گیا۔ لیکن شاید وہ اسے پہچانتا نہیں تھا۔

”فرمائیے جتاب۔“ وہ اپنے ہاتھ ملتا ہوا بولا۔ ”ترشیف رکھئے۔“

”میں مسٹر گوئے سے ملنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔

”کس لئے...!“

”اگر میں یہ نہ بتاتا چاہوں تو۔“ فریدی نے خواہ خواہ چڑچڑے پن کا مظاہرہ کیا۔

”تب پھر میں آپ کی کوئی خدمت نہ کر سکوں گا۔“

”لیکیا یہ بتانا ضروری ہے کہ میں ان سے کیوں ملنا چاہتا ہوں۔“

”قطعی جتاب ایسے مسٹر گوئے کا حکم ہے۔“

”پکھہ کار و باری گفتگو کروں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”میرا تعلق مودرن ڈیٹلری سے ہے۔“

”اوہ... تو آپ وہ گفتگو مجھ سے کر سکتے ہیں۔“

”مسٹر پھوٹ! میرا وقت نہ بر باد کیجئے۔ مجھے بتائیے کہ مسٹر گوئے کہاں ملیں گے۔ میں اُن کے

علاوه اور کسی سے گفتگو نہیں کر سکتا اس معاملے کی نو عیت الگ ہے۔

پتو چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر فون پر کسی کے نمبر ڈائل کرنے لگا اور فریدی نے وہ نمبر اپنے ذہن میں محفوظ کر لئے۔ فون پر ایک یا ڈیزی ہد منٹ کی گفتگو کے بعد پھر فریدی کی طرف مارے

”سات بجے آپ ان سے مورائیل میشن کے آٹھویں فلیٹ میں مل سکتے ہیں۔“

”شکریہ مسٹر پتو...!“ فریدی نے کہا۔ میرے اپنی قلت ہیئت اٹھائی اور کمرے سے نکل آیا۔



فریدی جیسے ہی اپنے آفس میں داخل ہوا سر جنٹر میشن نے اسے بتایا کہ آئی جی کے آفس میں اسے طلب کیا گیا ہے۔

”حید کا کیا حال ہے۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”تم ہبتال گئے تھے۔“

”می ہاں! ٹھیک ہیں۔ لیکن صبح سے ایک او ہیٹر عرکی نر س ان کے کمرے میں ہے۔“ فریدی کے ہوتلوں پر خفیہ سی مسکراہٹ دکھائی دی اور اس نے جواب میں کچھ نہیں کہا۔ پھر وہ آئی جی کے آفس کی طرف روانہ ہو گیا۔

کنور جپال اور سرجد لیش آئی جی کے آفس میں موجود تھے۔ فریدی ان کی طرف متوجہ تک نہیں ہوا۔

آئی جی نے سر کی جنبش سے خالی کر کی طرف اشارہ کیا۔ فریدی نے بیٹھنے وقت ان دونوں پر ایک اچھی سی نظر ڈالی اور پھر آئی جی کی طرف دیکھنے لگا۔

”تم نے آج کا اخبار دیکھا۔“ آئی جی نے اس سے پوچھا۔

”می ہاں! دیکھا تھا۔“

”شہر کے آٹھ بڑے آدمیوں پر پچھلی رات جو حملے ہوئے تھے ان کے بارے میں تمہاری کیا رائے ہے۔“

”میں کوئی اچھی رائے نہیں رکھتا۔“

”ان دونوں حضرات سے واقف ہو۔“

”اوہ.... جی ہاں۔“ فریدی کنور جپال اور سرجد لیش کی طرف معدتر طلب نظر دیں۔ دیکھتا ہوا بولا۔ ”میری بد نصیبی ہے۔“

”آپ کنور جپال.... اور آپ سرجد لیش۔“

”غالباً آپ دونوں پر بھی....!“ فریدی جملہ پورا کرنے سے پہلے ہی خاموش ہو گیا۔ ایسا مہورا تھا جیسے وہ کچھ یاد کرنے کی کوشش کر رہا ہو۔

”ہم دونوں پر بھی حملے ہوئے تھے۔“ کنور جپال بولا۔ ”میرا دہنا بازو زخمی ہے۔“

”صحب سے اس وقت تک میں کئی بار ان حرث اگنیز ہمبوں کے متعلق سوچ چکا۔“ فریدی نے انگلی سے اپنی ٹھوڑی سہلاتے ہوئے کہا۔ ”حملے.... بڑی عجیب بات ہے کہ

بھی حملہ کامیاب نہیں ہوا۔“

”ہاں یہ بات قابل غور ہے۔“ آئی جی سر ہلاکر بولا۔

”یا آپ اس مسئلے پر روشنی ڈال سکیں گے۔“ فریدی نے ان دونوں کی طرف دیکھ کر کہا۔

”ہم خود ہی متjur ہیں۔“ کنور جپال نے کہا۔

”ظاہر ہے۔“ فریدی نے لاپرواٹی سے کہا اور پھر آئی جی سے مخاطب ہو گیا۔ ”آپ نے یاد فرمایا تھا۔“

”ہاں! بیٹھو....!“ آئی جی نے کہا۔ پھر ان دونوں سے بولا۔ ”آپ اس سلسلے میں براور است کشز سے رجوع کیجئے۔ ہمارے لئے وہیں سے احکامات آتے ہیں۔ ہم براور است کی معاملے ادل انداز نہیں ہو سکتے۔“

”بہتر ہے۔“ کنور جپال اٹھتا ہوا بولا۔ ”اب اجازت دیجئے۔ ہم چیف کمشنر سے بھی ملیں گے۔“

”ہو دونوں چلے گئے۔ لیکن فریدی بڑے بے تعقانہ انداز میں بیٹھا رہا۔

”یہ چاہتے ہیں کہ دوچار سادہ لباس والے ان کے گھروں پر تینات کر دیئے جائیں۔“

”سرور رچا ہیں گے۔“

”مگر یہ واقعہ ہے دلچسپ۔“ آئی جی مسکرا کر بولا۔ ”شاہدان کا سر غنہ اب ان کی طرف سے نہیں ہے۔ یہ سارے وہی لوگ ہیں جن کی لست تم نے پیش کی تھی اور ہاں ان میں سیٹھ کھلی بھی تو تھا۔ وہ نہ اسرار طور پر غائب ہو گیا ہے۔“

”خدا! بہتر جانتا ہے۔“ فریدی آہستہ سے بڑا بڑا۔

”کیا بات ہے۔“ آئی جی اسے تحریر انداز میں گھورنے لگا۔

”کچھ نہیں!“ فریدی مسکرا کر بولا۔ ”بہت اچھا ہوا کہ یہ کیس اب میرے ہاتھ میں نہیں
ورنہ خواہ نواہ میرا یکارڈ خراب ہوتا۔“

”یہ تم سے کس نے کہہ دیا ہے کہ کیس تمہارے ہاتھ میں نہیں ہے تمہیں بہر حال اُس نہیں گئی۔

پھر اسرار آدمی کوڈھونٹا ہے۔ رہ گئی زوبی کی بات....!“

فریدی صوفے پر بیٹھ گیا۔ وہ اور گوئے ایک دوسراے کو اچھی طرح جانتے تھے۔ گوئے
”میں بہت تھک گیا ہوں جتاب!“ فریدی مضمضل آواز میں بولا۔ ”میں نے مجھے کی کافی پہنچا تھا اور شراب کا پیپاراں کا خاص پیشہ تھا اور شاید وہ یہاں شراب کا سب سے بڑا سمنگلر بھی
خدمت کی ہے۔ اب کچھ دن آرام کرنا چاہتا ہوں۔ میں آپ کا شکر گذار ہوں گا کہ اگر یہ کیس کسی
اس کے علاوہ بھی بتیری غیر قانونی حرکات اس سے سرزد ہوتی رہتی تھیں۔“

”دوسرے کے پسروں کو دریں۔“ دویا تین منٹ بعد گوئے کمرے میں داخل ہوا لیکن اُسے دروازے ہی میں رک جانا پڑا۔ اس

”نہیں.... ایسے حالات میں تمہارا آرام یقیناً دوسروں کے لئے تکلیف دہ ہو گا۔ بھی تم کے چہرے پر حیرت کے آثار تھے۔ لیکن دوسراے ہی لمحے میں اس نے اپنی حالت پر قابو پالیا تھا۔“

”خوش آمدید کر قل....!“ وہ مسکراتا ہوا فریدی کی طرف بڑھا۔ پھر دونوں نے بڑی گرم
زوبی سے بھڑے بغیر بھی اپنا کام جاری رکھ سکتے ہو۔“

”وہ کس طرح؟“

”میرا خیال ہے کہ زوبی بھی اُس آدمی کی اصلاحیت سے واقف نہیں ہے۔“

”کچھ بھی ہو! مجھے یقین ہے کہ زوبی کے بغیر اس کیس میں کچھ نہیں ہو سکتا۔ میرا مخصوص لدیتے تو میں خود ہی آپ کے پاس بیٹھ جاتا۔“

”میری آدم کا تعلق تمہاری ذات سے قطعی نہیں ہے۔“ فریدی نے کہا۔

”فریدی خاموش ہو گیا۔ اس کی نظریں فرش پر تھیں۔ کچھ دیر بعد اس نے آہتہ سے
کہا۔“ آپ یہ کیس باضابطہ طور پر کسی اور کے پسروں کی وجہ سے کیونکہ اب میں جو کچھ کرنے جا رہا ہوں
”اوہ! یہ بھی کچھ نہیں ہے۔ تمہارا آدمی پتوں بڑا چالاک ہے۔ وہ مجھے تمہارا پتہ ہرگز نہ بتاتا۔
اپنی ذمہ داری پر۔ ہو سکتا ہے کہ اس سلسلے میں قانون میرے ہی ہاتھوں میں ہتھکڑیاں ڈال دے۔“

”خیر.... مجھے آگاہ کیجئے کہ میں آپ کی کیا خدمت کر سکتا ہوں۔“

”ایک آدمی کے متعلق معلومات حاصل کرنا چاہتا ہوں۔“ فریدی نے سگار سلاگتے ہوئے
لما۔“ مجھے یقین ہے کہ تم میری مدد کرو گے۔“

”ضرور جتاب! آپ فرمائیے تو....!“

”مورگن ناہی ایک شخص جو کبھی کبھی جیکنگر کارنز میں ٹھہر اکرتا تھا۔“

”اوہ.... مورگن؟ ہاں اس کے متعلق میں جو کچھ بھی جانتا ہوں آپ کو بتا دوں گا۔“

”وہ کہاں مل سکے گا۔“

”آفسوں کے مجھے اس کا علم نہیں۔ وہ ایک انہائی پُر اسرار آدمی تھا۔“

اعترافات

ٹھیک سات بجے فریدی نے مورائل میشن کے فلٹ نمبر آٹھ کے دروازے پر دنک

دی۔ دروازہ جلد ہی کھل گیا لیکن ایک نو خیز لڑکی دروازے میں کھڑی تھی۔

”کیا آپ مورگن ڈٹلر سے تعلق رکھتے ہیں۔“ اس نے پوچھا۔

”جی ہاں....!“

”اندر تشریف لا یے۔“ لڑکی پچھے ہٹتی ہوئی بولی۔

”تم نے اسے کب سے نہیں دیکھا۔“

”میرا خیال ہے کہ یہ آخر سال پہلے کی بات ہے۔“

آج سے آخر سال پہلے وہ آخری بار بیکنسر کا رزیں ٹھہرا تھا۔ واقعی وہ انتہائی نہ اسرار آدمی تھا۔ شہر کی بے شمار لڑکیاں اس پر مرتب تھیں۔ اس نبڑی طرح کہ وہ سب اپنے ناموں کیسا تھے مورگن لگاتی تھیں۔ لیکن ان میں سے شاید ہی کبھی کسی نے اسے دیکھا بھی ہو۔ وہ انکی موجودگی میں کبھی کمرے سے باہر نکلتا ہی نہیں تھا۔ وہ کمرے سے باہر کھڑی ہو کر اس سے گفتگو کیا کرتی تھیں۔“

”یہ تو ناممکنات میں سے ہے کہ انہوں نے اسے دیکھانہ ہو۔“

”نہیں میں بالکل درست اطلاع دے رہا ہوں۔“

”جب انہوں نے اسے دیکھا ہی نہیں تو اس پر مرنے کس طرح لگی تھیں۔“

”بھی معہ اب بھی مجھے اکثر اپنے میں ڈالے رہتا ہے۔ ان میں کئی بہت اونچے خاندانوں کی لڑکیاں بھی تھیں۔“

”مثلاً سر جشید کی بیہن زوبی۔“ فریدی نے پوچھا۔

”اوہ بالکل ٹھیک۔ جی ہاں زوبی جو آج کل لیڈی کہلاتی ہے۔“

فریدی کچھ نہ بولا۔ گوئے نے کہا۔ ”میں کسی ایسے آدمی کو اپنے ہوٹل میں قیام کی اجازت نہ دیتا مگر اس نے ایک بار میری مدد کی تھی۔ میں اس کا احسان مند تھا مگر آپ کو یہ سن کر حیرت ہو گئی کہ اس کے باوجود بھی اس کی شکل کبھی نہ دیکھ سکا۔“

”اڑنے لگے۔“ فریدی مسکرا یا۔

”میں آپ کو کس طرح یقین دلاؤں۔ وہ بڑا عجیب تھا۔ آپ یہ ہرگز نہ سمجھتے کہ میں آپ کو اس کا حلیہ نہیں بتانا چاہتا۔ اگر آپ کہیں تو میں آپ کو اس کی تصویر بھی دے سکتا ہوں۔“

”تم شائد نہیں میں ہو گوئے۔“

گوئے ہنسنے لگا۔ پھر اس نے کہا۔ ”دیکھے! وہ اتنا ہی عجیب تھا کہ اس کے متعلق کوئی گفتگو بھی عجیب معلوم ہوتی ہے۔“

”گوئے تم مجھے اچھی طرح جانتے ہو۔“

”ہاں کر گئی! اور آپ یقین کیجئے کہ میں آپ سے ذرا برا بر بھی جھوٹ نہیں بول رہا ہوں۔“

فریدی چند لمحے خاموشی سے اُسے گھورتا رہا پھر بولا۔ ”اچھی بات ہے گوئے تمہیں آج کی ہت برسوں یاد رہے گی۔“

”اوہ.... آپ کچھ خفا ہو گئے۔ دیکھنے میں آپ کو بتاتا ہوں۔ میرا مطلب یہ تھا کہ میں کبھی گوشت و پوست میں اس کی شکل نہیں دیکھی۔ وہ ہمیشہ پُر اسرار طریقے پر ہوٹل میں آتا ہوا اسی طریقے سے دہان سے رخصت بھی ہو جاتا تھا.... حتیٰ کہ ہوٹل کے خدمت گار بھی اس کی شکل نہیں دیکھ پاتے تھے۔ جاتے وقت وہ شیرخرب کے نام ایک لفاف چھوڑ جایا کرتا تھا جس میں ان قیام کے اخراجات کی رقم ہوا کرتی تھی۔ آمد کی اطلاع بذریعہ تار دیا کرتا تھا اور اس کی بیاں میں سے کوئی اس کیلئے کرہ مخصوص کرا جایا کرتی تھی۔ پھر دوسری صبح معلوم ہوتا کہ مورگن پُر کمرے میں موجود ہے لیکن کمرے کا دروازہ کبھی نہ کھلتا... غالباً اب آپ سمجھ گئے ہو گئے۔“

”سمجھنے کی کوشش کر رہا ہوں۔“ فریدی نے خشک لبچے میں کہا۔ ”لیکن تمہیں اس کی تصویر ملے مل گئی تھی۔“

”اُسے محض اتفاق ہی کہا جا سکتا ہے کہ آخری بار ہوٹل سے رخصت ہوتے وقت وہ کمرے ناپاپا پسپورٹ چھوڑ گیا تھا۔ میرا خیال ہے کہ وہ اس کی لاعلمی میں دہان رہ گیا ہو گا۔“

”اوہ....!“ فریدی مضطربانہ انداز میں بولا۔ ”مجھے وہ پاسپورٹ چاہئے۔“

”آخر سال پہلے کی بات ہے جتاب! تقریباً ایک سال تک وہ پاسپورٹ میرے پاس رہا اس تو قع شاید وہ پھر کبھی واپس آجائے۔ لیکن آج آخر سال گذر گئے۔ ایک سال بعد میں نے پاسپورٹ کی تصویر نکال کر اپنے ابم میں لگائی اور پاسپورٹ... مجھے یاد نہیں پڑتا کہ وہ کہاں ہو گا۔“

”وہ تصویر تو محفوظ ہے یاد وہ بھی نہیں۔“ فریدی جھنجلا گیا۔

”تھی ہاں! قطعی محفوظ ہے۔“

”مجھے ابھی چاہئے۔“

”ٹھہریے....!“ گوئے نے کہا اور ہاتھ بڑھا کر میز پر رکھی ہوئی گھنٹی بجا ہی۔ دوسرا ہی لمحوںی لڑکی کمرے میں داخل ہوئی جس نے فریدی کی آمد پر دروازہ کھولا تھا۔

”تمرا ابم لاو۔“ گوئے نے اس سے کہا۔ ... لڑکی چل گئی۔

”گرم عالمہ کیا ہے کر غل....!“ گوئے نے پوچھا۔

”شراب نہیں پیتا اسی لئے کر لیتا ہوں۔ شرایبوں کی ذہنی موت بہت جلد ہو جاتی ہے۔ اچھا بخیر...!“



ڈریلا مورگن سفید اسکرٹ میں بہت حسین لگ رہی تھی۔ اس کے ہونٹ یا قوت کی قاشوں درج دکر رہے تھے۔ اس نے آئینے پر آخری نظر ڈالی اور وہ نئی یہاں اٹھا کر دروازے کی طرف ہای تھی کہ کسی نے دروازے کو باہر سے ہوئے ہوئے لکھا تھا۔

ڈریلانے دروازہ کھول کر آئے والے پر ایک اچھتی سی نظر ڈالی۔ یہ ایک خستہ حال نوجوان اُس نے جیب سے ایک لفافہ نکال کر ڈریلا کی طرف بڑھا دیا۔ لفافہ دے کر وہ وہاں ٹھہرا لے۔ لفافہ پر ڈریلا کا پتہ تائپ کیا ہوا تھا۔ اس نے لفافہ چاک کر کے خط نکالا۔ تائپ کی ہوئی دو یہی تھیں۔

”جو زف مورگن تمہیں دس بجے ہوئی ڈی فرانس کے کمرہ نمبر آتا ہیں میں طلب کرتا ہے۔“ ڈریلا کی پیشانی پر سلوٹیں ابھر آئیں۔ وہ تقریباً پندرہ منٹ تک تائپ کی ہوئی ان دو سطروں ورنی رہی۔

اس کے پورے چہرے پر پیٹنے کی نغمی نغمی بوندیں تھیں اور اس نے بے خیال میں اپنے نوں کی سرخی گالوں پر پھیلائی تھی اور اس کا چہرہ حدود جہے مھکھے خیز نظر آنے لگا تھا۔ اچانک اسے چوک کر دیوار سے لگی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔ سوانوئچے چکے تھے۔ پھر اس کی نظر پر پرگنی اور وہ جلدی جلدی اپنا میک اپ درست کرنے لگی۔

پندرہ منٹ بعد وہ سڑک پر لیکسی یا کسی دوسری تیز رفتار سواری کا انتظام کر رہی تھی۔

”ٹھیک دس بجے ہوئی ڈی فرانس کے کمرہ نمبر آتا ہیں کے سامنے پہنچ گئی۔ اس کی سانس لاری تھی اور دل بہت شدت سے دھڑک رہا تھا۔ ٹھیک دس بجے وہاں پہنچنے کے لئے کئی بار ناممکن پڑا تھا۔“

اُس نے ادھر ادھر سر ایکہ نظروں سے دیکھا۔ راہداری ویران پڑی تھی۔ پھر وہ دروازے بہت قریب ہو کر آہستہ آہستہ آؤزیں دینے لگی۔ ”مسٹر مورگن مسٹر مورگن... یہ ڈریلا ہے۔“ اچانک دروازہ کھلا اور کسی نے اس کا ہاتھ پکڑ کر اندر کھٹک لیا۔ ڈریلا کے منہ سے ہلکی سی چیز

”ایک کیس میں اُس کی ضرورت ہے اور اب تم اس کے متعلق مجھ سے کچھ نہیں پوچھو گے۔“ اُرنے اس ملاقات کا نہ کرہ کسی سے کرو گے۔ سمجھے۔“ ”سمجھ گیا۔ ایسا ہی ہو گا۔“

تحوڑی دیر بعد لڑکی الہم لائی۔ گوئے اُس کے درق الٹنے لگا۔ پھر ایک چھوٹی سی تصویر ہائل کر فریدی کی طرف بڑھا دی۔

تصویر دیکھ کر فریدی نے ایک طویل سانس لی اور مسکرا کر بولا۔ ”اس کی موجودیں ہی شاندار ہیں کیوں.... کیا خیال ہے؟“

”یقیناً ہیں....!“ گوئے نے کہا۔ وہ فریدی کا چہرہ بڑے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اُسے مایوسی ہوئی کیونکہ وہ فریدی کے چہرے سے کسی بات کا ندازہ نہ لگا۔ کہا۔

”گوئے....!“ فریدی نے تھوڑی دیر بعد سراہما کر کہا۔ ”یہ ناممکن ہے کہ اس کا پہنچ تھا۔“

”کرمل میں کب کہتا ہوں کہ ایسا نہیں ہے۔ وہ یقیناً اتنا ہی پر اسرار آدمی تھا کہ اس کی ذات سے تعلق رکھنے والی چیز کبھی نہیں بھلائی جاسکتی اور کیا آپ یہ سوچ سکتے ہیں کہ میں اس کی توجہ میں نہ رہا ہوں گا۔“ مگر پاپورٹ والے پہنچے پر میں اُس سے آج تک نہیں مل سکا۔ پہنچ آئی شہر کی ایک عمارت کا تھا۔ کنکس لین کی گیارہ ہویں کو ٹھہری۔ لیکن وہاں دوسرے لوگ رہتے ہیں اور جو زف

مورگن سے کوئی واقعہ تک نہیں۔“ ”پاپورٹ کہاں کے لئے تھا۔“ فریدی نے پوچھا۔ ”جرمنی....!“ ”اس کی شناساؤں میں کوئی لڑکی ڈریلا مورگن بھی تھی۔“ ”یقیناً تھی.... اور میں اسے بے حد پسند کرتا تھا۔“ ”میں پسندیدگی کی وجہ نہیں پوچھوں گا۔“ فریدی مسکرا کر انھما ہوا بولا۔

”چل دیئے.... بیٹھے کرمل.... کچھ چیجے۔“ ”میں کافی اور سادہ پانی کے علاوہ کچھ فہیں پیتا۔... شکریہ....!“ ”مجھے حرمت ہوتی ہے کہ آپ شراب کے بغیر اتنا ماغی کام کیسے کر لیتے ہیں۔“

”بیٹھ جاؤ....!“ فریدی نے تھکمانہ لبھے میں کہا۔
”آپ مجھ پر کسی قسم کی زیادتی نہیں کر سکتے۔“ ڈریلانے بیٹھتے ہوئے خوفزدہ لبھے میں کہا۔
”کیا مورگن بلیک میلر تھا....!“ فریدی نے پوچھا۔
”میں کچھ نہیں جانتی۔“

”میں تمہارے لئے اس بلیک میلر سے بھی زیادہ خطرناک ثابت ہو سکتا ہوں سمجھیں!“
”میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ کس بلیک میلر کا نہ کر رہے ہیں۔“
”خوب...!“ فریدی مسکرا لیا۔ ”اچھا یہی بتا دو کہ تم اپنے نام کیسا تھہ مورگن کیوں لگاتی ہو۔“
”میرے باپ کا یہی نام تھا۔“

”لیکن میں تم سے جو زف مورگن کے متعلق گفتگو کر رہا ہوں۔“
”میرے باپ کا نام ہیری مورگن تھا۔ میں کسی جو زف مورگن کو نہیں جانتی۔“
”مگر تم نے اسکی کچھ دیر پہلے مجھے مورگن کیجھ کربہت سی بتائی کی تھیں۔“
”آپ مجھ پر خواہ خواہ الزام لگا رہے ہیں۔ میں نے آپ سے کسی قسم کی گفتگو نہیں کی۔ آپ نے مجھے یہاں دھوکے سے بلا یا اور اب میری عزت پر ڈاکہ ڈالنا پا رہتے ہیں۔ میری ایک آواز پر آس پاس کے لوگ دوڑ پڑیں گے۔ آپ مجھے یہاں نہیں روک سکتے۔“

فریدی پہنچنے لگا۔ پھر سبجدگی سے بولا۔ ”یہ دیکھ رہی ہوں.... لاہر.... میز پر.... یہ قلمدان نہیں ہے بلکہ ایک انتہائی طاقت ور مائیک ہے اور اس وقت بھی ہماری گفتگو اسی کے ذریعہ ”سرے کمرے میں ریکارڈ ہو رہی ہے۔ اگر تم جیسی شخصی منی عورتیں مجھے یوں قوف بنانے میں کامیاب ہو جائیں تو پھر مجھے خود کشی ہی کرنی پڑے۔“

ڈریلا کچھ نہ بولی۔ اس کا چہرہ غازے کی گہری تھوں کے باوجود بھی پیلا نظر آنے لگا تھا۔
”آپ مجھ سے کیا معلوم کرنا پا رہتے ہیں۔“ ڈریلانے تھوڑی دیر بعد مردہ سی آواز میں کہا۔
”اُس نے تمہیں کس طرح اپنے قابو میں کیا تھا۔“

”بلیک میل کر کے۔“

”تلک گئی۔“
”ڈرو نہیں.... ڈرو نہیں....!“ دراز قد نقاب پوش نے کہا۔ ”ویسے میرا چہہ تم آج بھی
دیکھ سکو گی۔“
ڈریلا اپنے خلک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ اُس کے حلق میں کانے پڑ گئے تھے۔
”بیٹھ جاؤ۔“ نقاب پوش نے ایک کرسی کی طرف اشارہ کیا۔
ڈریلا بیٹھ گئی۔ اس کا دنیا بیک اب بھی فرش پر پڑا ہوا تھا۔
”تمہیں حیرت تو ہو گی ڈریلا۔“ نقاب پوش نے کہا۔
ڈریلا نے صرف اثبات میں سر ہلا دیا۔ زبان تو کھل نہیں رہی تھی۔
”ہم کتنے دنوں بعد مل رہے ہیں کچھ یاد ہے۔“
”شش.... شاید.... آٹھ سال بعد....!“
”ہاں! اتنا عرصہ ضرور گذر اہو گا۔ آج کل کیا کر رہی ہو۔“
”وہی جو کچھ آپ نے کہا تھا۔“
”یعنی طاقت....!“
”جی ہاں....!“
”تم نے اُسے دیکھا ہے۔“
”جی نہیں.... مگر.... اکثر سوچا ہے کہ کہیں آپ ہی طاقت نہ ہوں۔“
”غلط سوچا ہے تم نے۔“
”تحوڑی دیر کے لئے وہ دونوں خاموش ہو گئے۔“
پھر ڈریلانے کہا۔ ”آپ بہت بدل گئے ہیں۔ خصوصاً آپ کی آواز۔“
”ہاں.... آس.... میں بہت بدل گیا ہوں۔ ڈریلا میرا دل چاہتا ہے کہ آج تمہیں اپنی ٹھیک بھی دکھا دوں۔ کیوں.... کیا خیال ہے۔“
”اُسے میں اپنی خوش نصیبی سمجھوں گی۔“ ڈریلانے بے دلی سے کہا۔
دوسرے ہی لمحے میں دراز قد آدمی کے چہرے سے نقاب علیحدہ ہو گیا اور ساتھ ہی ڈریلا
اچھل کر کھڑی ہو گئی۔

عشق آگ اور موت

”میرے پاس ایک اسٹشن تھا۔ آپ نے اس پر چھپا مارا۔ وہی تمباکو فروش پھر دوسرا اسٹشن ناپ وہ بھی بند کر دیا گیا ہے۔ میں ساری اطلاعات وہاں پہنچا دیا کرتی تھی اور مجھے احکامات بھی سے ملتے تھے۔“

”اب کیا صورت ہے۔“

”بیکاری... نہ کوئی پیغامات ملتے ہیں اور نہ کوئی کام ہوتا ہے۔ غالباً یہ آپ کی عنایت کا نتیجہ۔ اکثر میں نے سوچا ہے کہ آپ طاقت سے بھی زیادہ چالاک ہیں۔ نہیں مورگن والا قصہ۔ میں سمجھ سکتی کہ آپ کو اس کا علم کیسے ہوا۔“

”کیا مورگن نے تمہیں اس بات پر مجبور کیا تھا کہ تم اپنے نام کیسا تھا اس کا نام بھی لگاؤ۔“

”نہیں..... یہ میرے باپ کا بھی نام تھا.... ہیری مورگن...!“

”مگر میری معلومات کے مطابق اُسکی ساری لڑکیاں اپنے ناموں کیسا تھا مورگن لگاتی تھیں۔“

”یہ غلط ہے۔ اُن میں سے صرف میرے نام کے ساتھ مورگن استعمال ہوتا ہے۔“

”وہ ساری لڑکیاں بھی اب طاقت کے لئے کام کر رہی ہوں گی۔“

”جی، ہاں....!“

”میں اُن کے نام اور پتے چاہتا ہوں۔“

”لیکن میرا کیا نجام ہو گا۔ طاقت مجھے زندہ نہ چھوڑے گا۔ اُسے ہربات کا علم ہو جاتا ہے۔“

”اس کی پرواہ نہ کرو۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔ طاقت کے فرشتے بھی تم تک نہیں پہنچ سکے گے۔ ہاں مجھے ان لڑکیوں کے نام اور پتے لکھوادو۔“

ڈریا اب بہت زیادہ مضطرب نظر آنے لگی لیکن اُسے نام اور پتے لکھوانے ہی پڑے۔

”اچھا بات تھا۔“ فریدی نوٹ بک جیب میں رکھتا ہوا بولا۔ ”تم میرے سوال کا جواب بالکل

ٹادو گی۔ ابھی تک میں نے جو کچھ معلوم کیا ہے وہ میرے کسی کام نہیں آسکتا۔“

”میں نے ابھی تک آپ کے ہر سوال کا بالکل صحیح جواب دیا ہے۔“

”کیا تم شہر کے کسی ایسے بڑے آدمی کا نام بتا سکتی ہو جو طاقت سے تعلق رکھتا ہو۔“

ڈریا ٹھوڑی دیر تک کچھ سوچتی رہی پھر بولی۔ ”نہیں میں کسی ایسے بڑے آدمی کو نہیں جانتی۔“

”تمہیں یقین ہے کہ تمہارا جواب بالکل صحیح ہے۔“ فریدی نے اُسے تیز نظر وہ سے دیکھتے

ڈریا کری پر پڑی ہانپ رہی تھی۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں اس کا ہارٹ فیل ہو جائے گا۔

”چلو میں تم سے بلیک میلنگ کی وجہ نہ پوچھوں گا۔“ فریدی نے کہا۔ ”لیکن تمہیں طریقہ کار تو بتانا ہی پڑے گا۔“

ڈریا خاموشی سے اس کی طرف دیکھتی رہی۔

”میں دوسرا طریقہ بھی اختیار کر سکتا ہوں ڈریا۔“ فریدی نے کہا۔

”لیکن یہ بتادیئے کہ بعد میرا نجام کیا ہو گا۔“ ڈریا نے مضمحل آواز میں پوچھا۔

”میرا نہیں ہو گا۔ میں تمہیں پولیس کے حوالے نہیں کروں گا۔ تم میری حفاظت میں رہو گی۔“

ڈریا چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔ ”اُس کے پاس تقریباً دو درجن لڑکیاں ہیں۔“

اُس نے انہیں کسی نہ کسی طرح پھانس رکھا تھا۔ میں بھی انہیں میں تھی۔ اُس نے مجھے بلیک میں

کر کے اپنے قابو میں کیا تھا۔ ہم اس کے لئے کیس فراہم کرتے تھے۔ بڑے گھرانے کی عورتوں

تک روپورٹ پہنچاتے تھے اور وہ ان کے خلاف ٹھوس قسم کے ثبوت فراہم کر کے انہیں بلیک میں

کرنا شروع کر دیتا تھا۔ یہ اب سے آٹھ سال پہلے کی بات ہے پھر اُس نے ہم سب کو ایک پر اسرار

شخصیت ”طاقت“ کے ہاتھ فروخت کر دیا۔ ہمارے سارے راز اُس کے پرد کر دیئے لیکن میرا

اپنا خیال ہے کہ طاقت مورگن ہی کا دوسرا روپ ہے۔ بہر حال مورگن کے لئے ہمیں مفت کام

کرنا پڑتا تھا۔ مگر طاقت.... وہ ہمیں تنخواہیں دیتا ہے۔ میں صرف اپنے متعلق جانتی ہوں مجھے ہر

ماہ چھ ہزار روپے ملتے ہیں۔“

”یعنی طاقت کے تین سکے۔“

”اب تمہیں کیا کرنا پڑتا ہے۔“

”سرکاری آفسروں سے عشق۔ میں انہیں اپنے جاں میں پھانس کر حکومت کے راز معلوم

کرتی ہوں۔“

”اور وہ طاقت تک کس طرح پہنچتے ہیں۔“

ہوئے پوچھا۔

”مجھے یقین ہے۔“

”آس کے چکر میں بچنگی ہوئی لڑکوں میں سے کوئی لڑکی زدبی بھی تھی۔“

”نہیں اس نام کی تو کوئی بھی لڑکی مجھے یاد نہیں آتی۔“

”پھر سوچو.....!“

”مجھے یقین ہے کہ اس نام کی کوئی لڑکی نہیں۔“

”اس نام کی کسی لڑکی کو اُس نے بلیک میں بھی نہیں کیا تھا۔“

”نہیں..... میری معلومات کے مطابق تو ان عورتوں میں زدبی نام کی کوئی نہیں تھی۔“

”اب..... خیر ہاں..... یہ تورہ عی گیا۔ تم مجھے ان عورتوں کے نام اور پتے بھی نوٹ کرو۔“

”جنہیں مورگن بلیک میل کر رہا تھا۔“

”میرے ذمہ دو عورتیں تھیں جن سے میں ہر ماہ بھاری رقیں وصول کر کے مورگن کے پہنچاتی.... اور اب بھی.... میرا خیال ہے اگر مورگن ہی طاقت ہے تو وہ کسی نہ کسی طرح ان سے رقیں ضرور وصول کر اتا ہو گا۔ ورنہ وہ اتنی بڑی بڑی تجوہیں کہاں سے دے سکتا ہے۔“

”وہ دو عورتیں کون ہیں۔“

”لیڈی جکلڈیش....!“

”بر جکلڈیش کی بیوی....!“ فریدی نے تھیگران انداز میں پوچھا۔

”می ہاں.... اور دوسری.... راجکاری ریکھا۔... پرنس جپیال کی بھائیں۔“

”خوب....!“ فریدی اپنے ہاتھ ملنے لگا۔ پھر کچھ دیر بعد بولا۔ ”اس کرے میں جاؤ۔“

”کیوں؟“

”جاو۔۔۔ جو میں کہہ رہا ہوں کرو۔ تمہارے لئے یہی بہتر ہے۔ میں نہیں جاہتا کہ طاقت کا کوئی ہر کارہ تھیں موت کے گھٹ اٹا رہے۔“

ڈریلا چند لمحے کھڑی کچھ سوچتی رہی پھر بادلی ناخواستہ دوسرے کمرے میں چلی گئی جس کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ لیکن اُس کے داخل ہوتے ہی دروازہ بند ہو گیا۔ پھر اندر سے کچھ اس قسم کی آوازیں آنے لگیں جیسے کچھ آدمی آپس میں لڑپڑے ہوں۔

فریدی آرام کر کی میں پڑا ہوا نہایت اطمینان سے سگار کے کش لیتا رہا۔ تقریباً دس منٹ رے کا دروازہ کھلا اور دو آدمی باہر آئے۔

دونوں جوان العمر تھے اور تعلیم یافتہ معلوم ہوتے تھے۔

”کیوں؟“ فریدی نے پوچھا۔

”سب ٹھیک ہے۔“ ایک نے جواب دیا۔

”بیس لے جاؤ۔ میرا خیال ہے وہ زیادہ وزنی نہ ہو گی۔“

”لیکن.....!“

”ہاں اچھا.....!“ فریدی سر ہلا کر بولا۔ ”بیٹھ جاؤ۔۔۔ یہ اس وقت تک دوسروں کی نظر وہ

آنے پا رے جب تک کہ اس کیس کا خاتمه نہ ہو جائے۔ دوسری بات..... تم دونوں کل شام

لکھوں ملنا.....!“



فریدی کو جو کچھ بھی معلوم کرنا تھا اور یہاں سے معلوم کر چکا تھا۔ وہ مورگن کی دوسری لڑکوں نہیں ملا اور نہ ان عورتوں کی طرف توجہ دی جنہیں مورگن بلیک میل کر رہا تھا۔

وہ پرنس شمشاد سے دوبارہ ملا جس سے وعدہ کیا تھا کہ وہ تین دن بعد اپنے شہبے کا اٹھاد کر سکے گا۔

”کرتل میں سخت انہیں میں ہوں۔“ پرنس شمشاد نے کہا۔ ”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ

اکے آٹھ ارکان پر حملے کیوں ہوئے اور کوئی حملہ کامیاب کیوں نہیں ہوا۔ اسی واقعے کی بناء پر

اپنا نظر یہ بدلتا پڑا ہے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

”دیکھتے بتا ہوں۔“ لیکن اس سے پہلے ایک الجھن اور بھی ہے اگر وہ حملے طاقت کی طرف سے

نہیں تو میں کیوں چھوڑ دیا گیا ہوں۔ وہ سب تو اس کے معتمد تھے اور میں تنظیم سے الگ

بناتھ اسے میری طرف سے زیادہ خطرہ ہوتا چاہئے۔“

”ہو سکتا ہے کہ وہ آپ کو اپنے لئے بے ضرر سمجھتا ہو۔“

”نہیں فریدی صاحب! اس معاملے کو دوسری روشنی میں دیکھنے کی کوشش کیجئے۔ آخر کوئی

لہاں لیوں کیوں نہیں ثابت ہوا۔“

"میرے پاس آپ کے اس سوال کا کوئی جواب نہیں ہے۔" "فریدی بولا۔
لیکن میں سمجھتا ہوں۔" پرنس شمشاد سر ہلا کر بولا۔ "اچھی طرح سمجھتا ہوں۔ انہیں آٹھ اے اس قسم کی حکومت جانے کا خط ہو جائے تو تجویز کی بات نہیں۔ مگر فریدی صاحب پھر آدمیوں میں سے کوئی طاقت ہے۔"

"سرفیروز یہاں کا سب سے بڑا سرماہی دار ہے اور کسی سیاسی اکھاؤں کا بھی پہلوان رہ چکا ہے۔
اس بات پر یقین کرنے کو تодیل نہیں چاہتا۔"

"کیا....؟" فریدی کے چہرے پر حیرت کے آثار پیدا ہوئے پھر وہ ہنسنے لگا۔ اس انداز میں "آخر کیوں؟" فریدی نے دلچسپی کا ظہار کرتے ہوئے کہا۔
"سرفیروز پاگل ہے۔ منی کے کھلونے سامنے رکھ کر دودو آنے چار چار آنے کی ہاںک لگایا ہے۔ آخر اس کی کیا ضرورت ہے۔"

"تو گوں کو دھوکے میں رکھنے کا ایک بہترین طریقہ۔" فریدی نے جواب آئا۔
"نہیں فریدی صاحب۔ ہم ٹھوس قسم کے حقائق سے دوچار ہیں۔ یہ کسی چار پیسے والے سوی نادل کا معاملہ نہیں ہے یا کسی گھیا سے فلم کا پلاٹ نہیں۔ آپ خود سوچنے لاحول والا توہرا را خیال ہے کہ ایک معمولی سا آدمی بھی اگر ان واقعات سے واقف ہو تو سرفیروز ہی پر شبہ گا اور یہی سمجھے گا کہ وہ بتا ہو پاگل ہے مگر.... طاقت.... وہ اتنا بدھو نہیں معلوم ہوتا۔ آخر سے اس قسم کا سوائگ بھرنے کی ضرورت ہی کیا ہو سکتی ہے۔ میرا خیال ہے وہ کوئی ایسا آدمی ہو گا جو سروں کے لئے قطعی ناقابل توجہ ہو۔ ہو سکتا ہے وہ اس وقت کسی معمولی سے بار میں بیٹھا ہوا بھی دو اور باقی ہیں زوبی.... اور ضرغام.... ان دونوں کو کسی چوہے دن میں بند کر کے مار دل بندوں کر سکتا ہے۔ کیوں؟ آپ سمجھے یا نہیں۔"

آپ کو علم ہو گا کہ میرے دو بہترین ساتھی ہپتال میں ایڑیاں رگڑھے ہیں۔ میں طاقت کے "بالکل سمجھ گیا۔ بلکہ پہلے بھی سمجھتا تھا۔۔۔ میں تو آپ کی رائے معلوم کرنا چاہتا تھا۔"
"لیکن.....؟" کونر شمشاد بولا۔ "میرا یہ نظریہ ہے کہ اُن آٹھوں ہی میں سے کوئی نہ کوئی علاوہ گروہ کے ایک ایک آدمی کو چن جن کر ماروں گا۔"

"مگر اس سے کیا ہو گا۔" شمشاد بولا۔ "طاقت تک پہنچنے کی تدبیر کیجھ۔ وہ تو ہر حال میں طاقت ہے مگر.... نہیں۔ کیا حقیقتاً ان پر وہ حملے آپ ہی کی طرف سے ہوئے تھے۔"

"ہاں.... یہ حقیقت ہے۔" فریدی نے اس کی طرف سکار کاڈہ بڑھاتے ہوئے کہا۔
"شکریہ! میں تمباکو نہیں پیتا۔۔۔ پھر.... میں اب بالکل تاریکی میں ہوں اور آپ کی کوئی دنیں کر سکتا۔"

"آپ شکاری ہیں۔" فریدی مسکرا کر بولا۔ "اور ہر شکاری ایڈوچر کا شائق ہوتا ہے۔ کیا نات کا پتہ لگایا۔ ایک بہت بڑا ایڈوچر نہ ہو گا۔"
"یقیناً ہو گا.... مسٹر فریدی اور ہوا سے لانے کے متعلق بھی میں بھی خیال رکھتا ہوں۔"

جیسے پرنس شمشاد نے کوئی احتفاظ بات کہہ دی تو۔
"خبر اسے جانے دیجئے۔" اس نے کہا۔ "پہلے آپ کا نظریہ کیا تھا۔"
"پہلے.... پہلے میں سرفیروز پر شہہر کر رہا تھا۔"
"تو اپنے اسی شہہر پر قائم رہئے۔" فریدی مسکرا کر بولا۔

"کیوں؟" "ان آٹھ آدمیوں پر وہ حملے میں نے کرائے تھے۔" فریدی نے سمجھی گی سے کہا۔
"آپ نے....؟" کونر شمشاد بے ساختہ اچھل پڑا۔
"جی ہاں میں نے.... لیکن یہ بات آپ ہی تک محدود رہے گی۔"
"ارے.... قطعی.... قطعی.... مگر اس میں کیا مصلحت تھی۔"
"بس یونہی میں انہیں خوفزدہ کرنا چاہتا ہوں۔ میں چاہتا ہوں کہ طاقت بالکل تھارا جائے۔ میں چاہتا ہوں کہ مار دل بندوں کے مار دل کر سکتا ہے۔"
اگر دو اور باقی ہیں زوبی.... اور ضرغام.... ان دونوں کو کسی چوہے دن میں بند کر کے مار دل بندوں کر جانے کا بھروسہ ہے۔

"سرفیروز کے متعلق آپ کیا کہہ رہے تھے۔" فریدی نے پوچھا۔
"اوہ.... اُسے رہنے دیجئے۔ اب وہ مجھے مھکھے خیز معلوم ہوتا ہے۔"
"پچھے کہنے بھی تو۔ ممکن ہے وہ کوئی کام ہی کی بات ہو۔"
"زوہبی کی وجہ سے خیال پیدا ہوتا ہے۔ آخر طاقت اس پر اعتماد کیوں کرتا ہے۔"
"ہاں یہ بات تو سوچنے کی ہے۔"

”لیکن اتنا تو آپ بھی سمجھتے ہیں کہ جب تک طاقت آزاد ہے آپ بھی خطرے سے باہر نہیں۔“
”ایک بات میں آپ کو بتا دوں فریدی صاحب کہ میں اس سے ذرہ برا بر بھی خائن نہیں
ہوں۔ زوبی نے مجھ پر دو فائر کئے تھے لیکن میں نے اس کا تذکرہ آپ کے علاوہ اور کسی سے نہیں
کیا۔ اگر میں اس سے خائن ہوتا تو آپ میری ٹھکل اس شہر میں نہ رکھتے۔“
”اس بے خوبی کی کوئی نہ کوئی وجہ ضرور ہوگی۔ کنور صاحب۔ میں وہی وجہ معلوم کرنا چاہتا ہوں۔ کہاں موجود ہے۔“



نصرت خان کا بیراب ٹھیک ہو گیا تھا۔ لیکن مراجع کا چیز اپن بدستور باقی تھا۔ وہ ذرا ذرا اسی
بات پر لوگوں پر چڑھ دوڑتا تھا۔ خصوصاً زوبی تو بُری طرح تالاں تھی۔ وہ ہر طرح اُس کا مودہ
نیک رکھنے کی کوشش کرتی۔

آج بھی وہ اسی غرض سے اس کو ہائی سرکل میٹنگ میں لے آئی تھی۔ رات کے نوبجے
تھے اور کلب کی رعنایاں شباب پر تھیں وہ اسے ریکریشن ہال کی طرف لیتی چل گئی۔
”اوہ... زوبیا... تو مجھے بہلانے کی کوشش کرتی ہے۔“ نصرت خان نے کہا۔ ”لیکن سب فضول
ہے۔ جب تک میرے ہاتھ فریدی کے خون سے رنگ نہ جائیں میری افراد گی نہیں دور ہو سکتی۔“
”وہ دونوں ایک خالی میز پر بیٹھ گئے۔ یہی ایک میز خالی تھی۔ شاید زوبی اسے پہلے ہی سے
خصوص کر رکھی تھی۔ اسکے بعد والی میز پر صرف ایک آدمی تھا اور اس کی پشت ان کی طرف تھی۔“

”تو مجھے یہاں بیکار لائی ہے زوبیا۔ مجھے کہیں سکون نہیں مل سکتا۔“

”ضرغام چھوڑاں باتوں کو۔ کیا تمہارے دل میں میرے لئے کوئی جگہ نہیں۔“

”جگہ تو ہے لیکن کبھی کبھی تجھ پر غصہ بھی آتا ہے۔“

”کیوں نہ ہم دونوں یہاں سے چلے جائیں۔“

”مقلاق!....!“

”خان بابا کی زندگی میں یہ ناممکن ہے۔ وہ میری کھال گروے گا۔“

”تم اس بوڑھے سے اتنا ذرتے ہو۔“

”ہاں میں اسی کا نظفہ ہوں۔ اس کے آگے سر نہیں اٹھا سکتا۔ اس نے مجھے پاؤش سے مارا
ہے اس کے علاوہ میرا سر اور کسی کے آگے نہیں جھکا۔“

”میں کیا مدد کر سکتا ہوں.... اور پھر آپ مجھ سے مدد کیوں چاہتے ہیں۔“
”مجھے ایک ساتھی کی ضرورت ہے جس پر میں اعتماد کر سکوں۔ ایک بے خوف ساتھی کا
ضرورت ہے۔ مشکلات کا جم کر مقابلہ کر سکے۔ اگر میرے دونوں ساتھی ہسپتال میں نہ ہوتے
میں آپ کو تکلیف نہ دیتا۔“

کنور شمشاد کی سوچ میں پڑ گیا۔ پھر تھوڑی دیر بعد بولا۔
”دیکھئے! میں بتا دوں کہ میں قانون سے بہت ڈرتا ہوں۔ یہی وجہ تنظیم سے علیحدگی کا ہے۔
میں آپ کے لئے یہ کر سکتا ہوں۔ کوئی بہت بڑی بات نہیں لیکن آپ ہر حال میں میر
سامنے ہوں گے۔“

”اس سے آپ مطمئن رہئے جہاں تک قانون کا تعلق ہے اس سے آپکا بچاؤ میں کروں گا۔“

”بس تو ٹھیک ہے۔“ کنور شمشاد نے کہا۔ ”آپ اس کا اغوا کب چاہتے ہیں۔“
”آج رات کو۔“

”تو آپ مجھے کہاں میں گے۔“

”یہیں آپ کے گھر پر....!“ فریدی نے کہا۔ ”اس کا پتہ لگانا میر اکام ہو گا کہ زوبی اس وقت
”

زوبی تحریر آمیز انداز میں ہٹنے لگی اور نصرت خان جھبھلا کر بولا۔ ”زوپیا! میں تیری بولیاں صوصاً فریدی کے معاملے میں.... لیکن....!“ ازادوں گا.... میرا مفعکھے اڑاتی ہے۔“

اچاک وہ چونک کر سیدھا ہو کر بیٹھ گیا۔ کیونکہ سامنے والی میز پر تھا بیٹھے ہوئے آدمی کارخ تم شیر ہو.... بہت طاقت ور.... انتہائی دلیر....!“ زوبی یک بیک سنجیدگی سے بولی۔ ”مگر ب انہیں کی طرف تھا۔ اسے پہچان لینے کے لئے پہلی ہی نظر کافی تھی۔ یہ فریدی تھا اور وہ نصرت خان کے بجائے زوبی کی طرف دیکھ رہا تھا۔ اُس کے ہونٹوں پر خفیف سی مسکراہٹ تھی۔ زوبی ذہنی اعتبار سے کتر....!“

”کیوں! کیا بیوہوت ہے تیرے پاس۔ میں ذہنی طور پر بھی کتر نہیں ہوں۔“ ”زوہنی کتری کی اس سے بہتر مثال اور کیا ہو گی ایک شہر و جوان ایک نحیف بوڑھے کے بیوی طرح بوکھلا گئی۔“

”اگر کوئی حرج نہ ہو لیڈی زوبی۔!“ فریدی اٹھ کر احتراماً تھوڑا سا جھلتا ہوا بولا۔ ”تو میں آپ کی میز پر آ جاؤ۔ آج شام کی تھائی میرے لئے بڑی تکیف دے ہے۔“

نصرت خان قہر آلود نظروں سے زوبی کو دیکھنے لگا۔ زوبی جیسے محور ہو کر رہ گئی تھی وہ برادر نزیدی کی آنکھوں میں دیکھے جا رہی تھی اور ایسا محسوس کر رہی تھی جیسے اس کے جسم کی ساری طاقت سست کر آنکھوں میں آگئی ہو اور پوٹے بو جھل سے محسوس ہو رہے تھے۔ اتنے بو جھل جیسے اپنے حلقوں سے باہر نکل پڑیں گے۔

”ضرور.... ضرور....!“ اُس کے ہونٹ ہلے اور دھیسی سی آواز نکلی۔

”نہیں....!“ نصرت خان میز پر گھونسہ مار کر گرجا۔

”آپ کی تعریف لیڈی زوبی۔“ فریدی نے نرم لمحج اور دھیسی آواز میں پوچھا۔

”مم.... مسٹر ضر غام....!“ زوبی نے کہا اور اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیر کر رہ گئی۔

”زوپیا.... بکواس بند۔“ نصرت خان اور زیادہ جلا گیا لیکن فریدی کے سکون میں کوئی فرق نہیں آیا۔ اُس نے اسی نرم لمحج میں کہا۔

”لیڈی زوبی! اب میں پوچھوں گا کہ یہ کون بد تیز ہے۔“

دوسرے ہی لمحے میں نصرت خان کے دونوں ہاتھ فریدی کی گردن کی طرف لپکے لیکن

نزیدی کے بائیں ہاتھ کی کہنی اس سے پہلے ہی اُس کے چہرے پر لگ بچل تھی۔ پھر داہنا ہاتھ بھی

اور نصرت خان پچھلی میز سے نکلا کر دو تین آدمیوں سمیت فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ پھر زوبی کی

ہاتھ کے ساتھ ہی صرف ہال میں نہیں بلکہ پوری عمارت میں اندر ہوا گیا۔



فریدی نے بیوی شوہر کو اسٹین ویگن میں ڈال دیا اور پھر ان لوگوں کا انتظار کرنے لگا جو

زوبی خاموش ہو گئی اور نصرت خان بڑیا نے لگا۔ مجھے بھی اس کی خاموشی پسند نہیں۔“

”زوپیا.... میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

ہوں اور مجھے مرتے دم تک اسے نباہنا ہے خواہ کچھ ہو جائے۔“

”تم ابھی اس کی دوستی کے مقصد سے واقع نہیں ہو۔“ زوبی نے کہا۔

”میں اس سلسلے میں بھی کچھ نہیں سننا چاہتا۔ بکواس بند کرو۔“

”تمہاری مرضی۔ ویسے وہ تمہیں ہمیشہ غلام بنائے رکھنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“

”زوپیا.... میں کیا کہہ رہا ہوں۔“

”کر قل فریدی....!“ اگلی سیٹ سے آواز آئی۔ ”تم کنور شمشاد کو بہت پچھے چھوڑ آئے ہو۔ نصرت خان کو پکڑ لینے کی تجویز کنور شمشاد نے پیش کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ نصرت خان کو زوبی کی موجودگی ہی میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ فریدی نے تھوڑی رودودج کے بعد اُس کی بات مان لی تھی۔ وہ اشیش و میگن کے عقبی دروازے کے پاس کھڑا رہا۔

”بھر تم کون ہو۔“

”اس کی پرواہ نہ کرو۔“

فریدی خاموش ہو گیا۔ اشیش و میگن آدمی گھنٹے سے زیادہ نہیں چلی لیکن وہ جہاں رکی تھی وہ چاروں نصرت خان کو اٹھائے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ نصرت خان ہوش میں تھا۔ مگر بے بس۔ کوئی روشن جگہ تھی کیونکہ باہر کی روشنی سیاہ پردوں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عام اندازہ اُس کے ہاتھ اور پیر بندھے ہوئے تھے اور منہ میں رومال ٹھوٹن دیا گیا۔ اسے بھی اشیش و میگن میں ڈال دیا گیا۔

کنور شمشاد اسٹریٹ گ پر تھا۔ لہذا فریدی اگلی سیٹ کی طرف بڑھا۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اس کی دونوں پیلیوں سے دوریوں اور دوں کی نالیں آگئیں۔

”اوھ نہیں! تم بھی پچھے ہی بیٹھو....!“ چاروں میں سے ایک نے کہا۔ ”اور اپنے دونوں نقاب میں چھپا ہوا تھا۔

زوبی ہوش میں آپکی تھی۔

”کیا مطلب....!“ فریدی کے لمحہ میں جھلاہٹ تھی۔

”مطلوب بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بس بیٹھ جاؤ۔“ اگلی سیٹ سے آواز آئی لیکن یہ کنور شمشاد کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

”اس مذاق کا مطلب....!“

”آہستہ.... ورنہ سیمیں خاتمہ ہو جائے گا۔“ کسی نے کہا اور ریو اور کی نالیں اس کی پیلیوں میں اور زیادہ سختی سے چینے لگیں۔

پھر اُسے زبردستی اشیش و میگن میں دھکیل دیا گیا۔

اشیش و میگن فرانے بھرتی ہوئی روانہ ہو گئی۔ اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے کھینچ دیئے گئے تھے اور اندر اندر ہیرا تھا ہی۔ ریو اور دوں کی نالیں اب بھی فریدی کی پیلیوں سے الگ ہوئی تھیں۔

”کنور شمشاد تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ فریدی غریباً۔

اگلی سیٹ والے نے تھکہ لگا کر کہا۔ ”کیوں بھی! کیا اس گاڑی میں کوئی آدمی اس نام کا بھی ہے۔“

”کوئی نہیں....!“ چاروں میں سے ایک نے کہا۔

نصرت خان کو لارہے تھے۔ یہ چار آدمی کنور شمشاد نے مہیا کئے تھے۔

نصرت خان کو پکڑ لینے کی تجویز کنور شمشاد نے پیش کی تھی۔ اُس نے کہا تھا کہ وہ نصرت خان کو زوبی کی موجودگی ہی میں ذلیل کرنا چاہتا تھا۔ فریدی نے تھوڑی رودودج کے بعد اُس کی

گلی تاریک اور سنسان تھی اور یہاں سے ناٹ کلب کا فاصلہ زیادہ نہیں تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ چاروں نصرت خان کو اٹھائے ہوئے وہاں پہنچ گئے۔ نصرت خان ہوش میں تھا۔ مگر بے بس۔ کوئی روشن جگہ تھی کیونکہ باہر کی روشنی سیاہ پردوں سے بھی دکھائی دے رہی تھی۔ عام اندازہ ہیں ہو سکتا تھا کہ وہ کسی سڑک پر رکی ہے۔ لیکن وہاں کے سنائے کی طرف توجہ مبذول ہوتے ہی فریدی الجھن میں پڑ گیا۔ لیکن اس کی الجھن بھی جلد ہی رفع ہو گئی۔ اُسے ٹھوکے مار مار کے نیچے اتارا گیا۔ یہ کسی عمارت کی ایک بہت کشادہ راہداری تھی۔ اتنی کشادہ کہ اس میں برابر سے دو کاریں بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ اگلی سیٹ سے ایک طویل القامت آدمی اتر اجس کا پورا چہرہ سیاہ ہاتھ اوپر اٹھا لو۔“

”کیا مطلب....!“ فریدی کے لمحہ میں جھلاہٹ تھی۔

”مطلوب بتانے کا وقت نہیں ہے۔ بس بیٹھ جاؤ۔“ اگلی سیٹ سے آواز آئی لیکن یہ کنور شمشاد کی آواز نہیں معلوم ہوتی تھی۔

”آہستہ.... ورنہ سیمیں خاتمہ ہو جائے گا۔“ کسی نے کہا اور ریو اور کی نالیں اس کی پیلیوں میں اور زیادہ سختی سے چینے لگیں۔

پھر اُسے زبردستی اشیش و میگن میں دھکیل دیا گیا۔

اشیش و میگن فرانے بھرتی ہوئی روانہ ہو گئی۔ اس کی کھڑکیوں پر سیاہ پردے کھینچ دیئے گئے تھے اور اندر اندر ہیرا تھا ہی۔ ریو اور دوں کی نالیں اب بھی فریدی کی پیلیوں سے الگ ہوئی تھیں۔

”کنور شمشاد تم ہوش میں ہو یا نہیں۔“ فریدی غریباً۔

اگلی سیٹ والے نے تھکہ لگا کر کہا۔ ”کیوں بھی! کیا اس گاڑی میں کوئی آدمی اس نام کا بھی ہے۔“

”کوئی نہیں....!“ چاروں میں سے ایک نے کہا۔

نقاب پوش نے فریدی کی طرف مڑ کر کہا۔ ”یہ آفس یہاں سے سینکڑوں میل دور ہے۔“
فریدی کچھ نہ بولا۔ وہ حق صحیح تھا۔
”میں نے دنیا کے بہترین دماغ اکٹھا کئے ہیں کرتل....!“ نقاب پوش پھر بولا۔
”اب خود تم ہی انصاف کرو۔ حکومت کس کا حصہ ہے میرا یا ان کا جنہیں تم صحیح حکمران
مجھتھے ہو۔“
”لیکن کیا تم اپنے اس خواب کی تعمیر کے لئے زندہ رہو گے۔“

”میں زندہ رہوں یا نہ رہوں۔ مگر یہ تنظیم ہمیشہ زندہ رہے گی۔ کیا تم یہ سمجھتے ہو کہ یہ تنظیم
اسی شہر تک محدود ہے۔ کرتل فریدی اس سے ملک کا کوئی بھی گوشہ خالی نہیں ہے۔ میں اگر مر بھی
جاوں تو میرا جانشیک یہ بارا پہنچنے کا نہ ہوں پرانھالے گا۔ اچھا... اب میری ایک فیکری دیکھو جہاں
الٹھج تیار کیا جاتا ہے۔ یہ بھی یہاں سے سینکڑوں میل کے فاصلے پر ہے کرتل فریدی دیکھو اور اس
بات کا اعزاز کرو کہ تم طاقت کے سامنے ایک حقیر کیڑے سے بھی زیادہ وقت نہیں رکھتے۔“
وہ ایک بار پھر دیوار کے قریب گیا اور شیشے پر پھر بجلیاں سی کونڈنے لگیں اور اس کے بعد
حقیقی ایک فیکری کا مظہر ان کے سامنے آگیا۔ بے شمار آدمی بڑی بڑی میشوں پر کام کر رہے تھے۔
”وقت کم ہے۔“ نقاب پوش اپنی کلاں کی گھری کی طرف دیکھتا ہوا بولا۔ ”میں تمہیں کیا کیا
دکھاؤں فریدی....!“

”بل، اب اپنا چہرہ دکھا دو پیارے جو کم از کم زوبی اور خان مقلاق کے بیٹے کے لئے کافی حرمت
انگیز ہو گا۔“

”اور تمہارے لئے کرتل....!“ نقاب پوش نے تمسخر آمیز لمحے میں پوچھا۔

”میرے لئے کوئی نئی بات نہ ہو گی۔“ فریدی نے لاپرواں سے کہا۔ ”کیونکہ میں تمہیں بہت
انوں سے جانتا ہوں.... جوزف مورگن....!“

”یوں زوبی....!“ نقاب پوش زوبی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”میں تمہیں جوزف مورگن کا چہرہ
ایکہ کر جیرت ہو گی۔“

”میں نے پہلے ہی کب دیکھا تھا جواب حیرت ہو گی۔“ زوبی نے نیزاری سے کہا۔ ”لیکن کیا یہ
صحیح ہے کہ آپ جوزف.... مورگن....!“

کرنے کے خواب دیکھ رہا ہے۔“
نقاب پوش بالکل خاموش کھڑا رہا۔ ایسا معلوم ہوا تھا جیسے اُسے سکتے ہو گیا ہو۔
”میا یہ صحیح ہے۔“ زوبی نے آہستہ سے پوچھا۔

”بکواس ہے۔“ نقاب پوش غریباً پھر اُس نے چاروں آدمیوں سے کہا۔ ”اُتے لے چلو۔“
ریوالوں کی نالیں پھر فریدی کے جسم سے آگئیں اور وہ اپنے دونوں ہاتھ اور اخٹے
ہوئے نہایت اطمینان سے چلتا رہا۔

”وہ ایک بہت بڑے کمرے میں آئے۔ یہاں فرنچیز زیادہ نہیں تھا۔“
”فریدی! مرنے سے پہلے طاقت کے عجائبات دیکھ لو۔“ نقاب پوش نے ایک طرف اشارہ
کر کے کہا۔ ”اوہ ردِ کیکھو....!“

سامنے والی دیوار پر ایک چھ فٹ اونچا اور تقریباً دس فٹ لمبادھندا شیشہ نصب تھا۔ دیوار
لکڑی کی تھی اور اس پر جا بجا مختلف سائز کے بلب بھی لگے ہوئے تھے۔ نقاب پوش نے آگے بڑھ
کے دیوار ہی پر لگے ہوئے ایک بن پر انگلی رکھ دی اور اس طویل دعیریں شیشے پر بجلیاں سی
کونڈنے لگیں پھر آہستہ پورا شیشہ روشن ہو گیا۔ اس پر کچھ دھنڈی مگر رنگیں متھر کر
تصویریں نظر آرہی تھیں۔ پھر وہ تصویریں بھی صاف ہوتی گئیں۔ یہ کسی آفس کا منظر تھا لوگ
فائلوں اور رجسٹروں میں منہک تھے۔

”یہ میرا ایک آفس ہے۔“ نقاب پوش فریدی کی طرف مڑ کر بولا۔ ”میل ویژن کے بارے میں
تم جانتے ہو گے لیکن تم کسی میل ویژن سیٹ پر اداکاروں سے گھنگو نہیں کر سکتے... اوہ ردِ کیکھو....!“
نقاب پوش نے دیوار سے ایک بلب روشن کر دیا۔ اس کی روشنی اتنی تیز تھی کہ اس پر نظر
نہیں ٹھہر سکتی تھی۔ اچاک نقاب پوش نے شیشے کی طرف رخ کر کے کہا۔ ”فیجر.... کام کیا
جار ہا ہے۔“

”فراہی ایک تصویر کر سی سے اٹھی اور احتراماً جھک کر بولی۔ ”بہت بہتر جناب! ملا مل
فرمائیے... وقت بھی کام ہی ہو رہا ہے۔“

”شکریہ فیجر....!“ نقاب پوش نے کہا اور تصویر پھر بیٹھ کر میز پر رکھے ہوئے کاغذات
الئے پلنے لگی۔

روالٹے قدموں چلتا ہوا پھر اُسی دیوار کی طرف جا رہا تھا جس پر بلب لگے ہوئے تھے۔
اچانک فریدی نے محسوس کیا جیسے وہ پورا کرہ بڑی تیزی سے نیچے کی طرف جا رہا تھا جس پر
بلب لگے ہوئے تھے۔

وہ بوکھلا کر چاروں طرف دیکھنے لگا اور نقاب پوش نے ایک زور دار قہقهہ لگایا۔

زوبی نصرت خان سے آہستہ آہستہ کہہ رہی تھی۔ ”یہ حق مجھ شمشاد ہی معلوم ہوتا ہے۔ بالکل
یہی آواز تھی۔ میرا مطلب یہ قہقہہ...!“

”ہاں زوبی! میں سن رہا ہوں۔“ نقاب پوش نے اپنے چہرے سے نقاب انتارتے ہوئے کہل دیا۔ ”میں
نشاد ہوں۔ تمہیں وہ رات یاد آ رہی ہو گی جب تم نے مجھے تنظیم کا غدار سمجھ کر مجھ پر فائز کئے تھے۔“
زوبی سمجھنے بولی۔ وہ تحسین آمیز نظروں سے کنور شمشاد کی طرف دیکھ رہی تھی۔

”میں نے بیک میلٹک بھی کی ہے۔“ شمشاد بولا۔ ”محض تنظیم کی مالی حالت بہتر بنانے کیلئے۔“

رنگی روز کو اگر میں تمہارے ذریعہ بیک میلٹ کرتا تو تنظیم کبھی اپنے پیروں پر کھڑی نہ ہو سکتی اور
نہ خود سوچا! پیسے کا یہ مصرف کس کام کا کہ وہ تجویزوں میں پڑا رہے اور اگر میں تمہیں بیک میلٹ میں
اڑتا تو تم کبھی سرفیروز سے روپیہ سمجھنے کا ذریعہ نہ ملتی۔.... بولو.... کیا میں غلط کر رہا ہوں۔“

زوبی اب بھی سمجھنے بولی۔

کہہ بدستور نیچے کی طرف دھنستا جا رہا تھا۔ پھر تھوڑی دیر بعد ایک دھپکا سالگا اور کنور شمشاد
، علاوہ اور سب گرتے گرتے بچ۔

شمشاد کے ریو اور کارخانہ اب بھی فریدی کی طرف تھا۔ اس نے زوبی سے کہا۔

”میں تنظیم کے بڑے آدمیوں کو قریب سے دیکھنا چاہتا تھا اس لئے میں ان میں شامل ہو گیا
اور انہیں اچھی طرح پر کھلینے کے بعد اس طرح ان سے علیحدہ ہو گیا اور زوبی اُن سب میں تم
نامیرے معیار پر پوری اتری تھیں اور شہزادہ نصرت۔.... مجھے تمہاری دوستی پر فخر ہے۔“

”اور مجھے تمہاری ذہانت پر فخر ہے دوست! تم اسی قابل ہو کہ ساری دنیا پر حکومت کرو۔“
کشت خان نے کہا۔

”نہیں میں دنیا کی خدمت کرنا چاہتا ہوں۔“

اچانک فریدی نے اُس پر چھلانگ لگائی۔ لیکن وہ بڑی پھر تی سے ایک طرف بہت گیا۔ فریدی

نقاب پوش نہ کر بولا۔ ”ہاں.... یہ صحیح ہے۔ میں فریدی کی پندرہ منٹ کی زندگی میں اس
کا دل نہیں توڑنا چاہتا۔ ہاں میں جو زف مور گن ہوں۔“

”لہذا اب نقاب اتار دو....!“ فریدی نے کہا۔ ”ورنہ مجھے ہی اجازت دو کہ میں تمہاری
نقاب کشائی کر دوں۔“

”تم بہت چک رہے ہو فریدی۔ کیا تمہیں اپنی موت پر یقین نہیں ہے۔“

”موت میرے لئے کھلونا ہے دوست! میں اگر مر بھی گیا تو کیا ہو گا۔ اگر میرے مر نے ہی پر
دنیا تمہارے وجود سے پاک ہو سکتی ہے تو میں مر نے کے لئے قطعی تیار ہوں۔“

”مجھے تم سے عشق تو نہیں ہے کہ میں تمہاری موت کے بعد خود کشی کر لوں گا۔“ نقاب
پوش نہ پڑا۔

”تم شائد اسے ناممکن سمجھتے ہو۔ حالانکہ اس عمارت کے گرد پولیس گھیرا اذال چکی ہو گی۔ تم
شاید یہ سمجھتے ہو کہ تم نے اپنی چالاکی سے مجھ پر قابو پایا ہے۔ اس خیال کو دل سے نکال دو۔ اگر میں
بیہاں نہ آنا چاہتا تو تمہارے فرشتے بھی نہیں لاسکتے تھے۔“

”شائد خود کشی سے پہلے تم پاگل ہو جاؤ گے۔“ نقاب پوش نے تحریر آمیز انداز میں ہنسنے ہوئے کہل دی۔
”کنور شمشاد تم ہار گئے ہو....!“ فریدی کے الفاظ ان لوگوں پر بہم کی طرح گرے اور نقاب
پوش کچھ کہتے کہتے رک گیا۔

زوبی اور نصرت خان اُسے آنکھیں چھاڑ چھاڑ کر دیکھ رہے تھے۔
”میں جانتا تھا....!“ فریدی نے کہا۔ ”کہ تم مجھے اپنی کسی کمین گاہ میں لے جاؤ گے۔ اسی لئے
میں نے زوبی کو اغوا کر کے رکھنے کی جگہ کا انتخاب تم پر چھوڑ دیا تھا۔ لیکن مجھے اس کی توقع نہیں
تھی کہ تم وہیں سے طاقت کا سوانگ بھرلو گے بہر حال اُس اشیش ویگن کا تعاقب میرے آدمیوں
کر کرنا تھا.... بولو.... اب کیا کہتے ہو۔ مسٹر جو زف مور گن تمہارے لئے یہ پاسپورٹ چھانی کا
پھنداں گیا جو تم نے آج سے آٹھ سال پہلے جیکسن کارز میں کھو دیا تھا۔ اس کی تصویر میں تمہارا
میک اپ ذرا کچا تھا.... اور پھر اُن آنکھوں کا کیا کرتے جن کی ساخت کا بد لانا ممکن ہی نہیں۔“

”تم لوگ باہر جاؤ۔“ دفعنا نقاب پوش نے اپنے چاروں آدمیوں سے کہا۔
وہ کمرے سے چلے گئے۔ نقاب پوش نے ریو اور نیکال لیا تھا اور اس کارخانہ فریدی کی طرف تھا

دوسرا کرے میں تم جہر بھی جاؤ گے موت کی شعاع تمہارا پیچھا نہیں چھوڑے گی۔ تم ہر حال اُس کے دائرے میں رہو گے۔

فریدی نے پھر ریو الارٹا کر دو فائز کئے۔۔۔ لیکن اس کی نال سے پھر بکھلا ہوا سیسے نکل کر ہوں گے تو اس کرے کے بجائے ایک ضیافت گاہ ملے گی جہاں ہر قسم کی شرائیں میزوں پر گی ہوں گی اور وہ بے چارے اپنی تھکن دور کریں گے۔۔۔ ہلا۔۔۔ فریدی۔۔۔ تم نے مجھ سے بھر کر اچھا نہیں کیا۔۔۔ چلو اٹھو۔۔۔ ہاں۔۔۔ شباباں۔۔۔ اُس دروازے کی طرف چلو۔

”فریدی۔۔۔!“ شمشاد نے اسے مخاطب کیا۔ کامیاب صرف اسی طرح ہو سکتی ہے کہ نال چاروں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں دیواروں سے دو دو فٹ کے فاصلے پر نکلنے والی گولی پر یہ زہریلی روشنی نہ پڑنے پائے۔ تدیر میں بتائے دیتا ہوں عمل کرننا کہنا چاروں طرف فرش سے چھت تک لوہے کے ڈنگل لگے ہوئے تھے۔ فریدی کو کمرے کے وسط ہارا کام ہے۔ ریو الارٹا کی نال اپنی کنپی پر رک کر ٹریگر دبادو۔ گولی نال سے نکل کر سیدھی کھوپڑی میں دھکیل دیا گیا اور یہ تینوں ڈنگل کے درمیان میں کھڑے رہے۔ کمرے میں بہت تیز روشنی رکھس جائے گی کیونکہ صرف اسی صورت میں اس پر روشنی نہیں پڑ سکتی۔ یہی تدیر بہتر رہے تھی۔ شمشاد نے اپاریو اور فریدی کی طرف پھیکتے ہوئے کہا۔ ”لوہم تینوں کو گولی مار دو۔“ اور پھر ایڑیاں رکھ کر مرنے سے کیا فائدہ۔ ویسے یہ روشنی زندگی بھر تمہارے ساتھ ہی ساتھ فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر شمشاد نے ہنس کر کہا۔ ”اٹھا لو۔ وہ گائے گا نہیں۔۔۔ اور وہ چتی رہے گی۔“

فریدی پتلون کی چیزوں میں ہاتھ ڈالے پھٹی پھٹی آنکھوں سے انہیں دیکھ رہا تھا۔ اس کے اس میں سے شعلہ نکلے گا۔“

فریدی کی جیب میں خود اس کا ریو اور موجود تھا اور ابھی تک کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے پر خوف کے آثار تھے۔ آخر اُس نے رو دینے کے سے انداز میں کہا۔ ”مجھے معاف کر دو تھا۔ اس نے جیب سے اپاریو اور نکال کر بے تھشا شمشاد کی طرف فائر کر دیا۔۔۔ لیکن اُسے فائر شمشاد میں مرتا نہیں چاہتا۔“

شمشاد کا قہقہہ کافی طویل تھا۔

”فریدی۔۔۔ خود کشی کے علاوہ اور کوئی چارہ نہیں۔“ اس نے کہا۔ ”ورنہ اگر ایک گھنٹے بھی کیسی روشنی میں کھڑے رہے تو عمر خضر بھی تمہارے لئے بیکار ہو گی۔“

”نہیں۔۔۔ نہیں۔۔۔ شمشاد مجھے معاف کر دو۔۔۔ میں وعدہ کرتا ہوں۔“

”خود کشی فریدی۔۔۔ خود کشی۔۔۔!“

”اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔!“ اُس نے پھر بڑی درد ناک آواز میں کہا اور ٹریگر دبادیا۔ پھر اُس کے ہر کھوپڑی

”اللہ۔۔۔ اللہ۔۔۔!“ اُس نے پھر بڑی درد ناک آواز میں کہا اور ٹریگر دبادیا۔ پھر اُس کے لئے ایک جگہ خراش چیخ نکلی اور وہ فرش پر ڈھیر ہو گیا۔ اس کے سر کے نیچے سے خون کی ایک

منہ کے بل زمین پر گرا۔ ”میں اب بھی تمہیں اپنے ہاتھ سے نہیں ماروں گا۔“ شمشاد ہنس کر بولا۔

”کھڑے ہو جاؤ۔ تمہیں خود کشی کرنی پڑے گی اور ہاں جب تمہارے آدمی عمارت میں داخل ہوں گے تو اس کرے کے بجائے ایک ضیافت گاہ ملے گی جہاں ہر قسم کی شرائیں میزوں پر گی ہوں گی اور وہ بے چارے اپنی تھکن دور کریں گے۔۔۔ ہلا۔۔۔ فریدی۔۔۔ تم نے مجھ سے بھر کر اچھا نہیں کیا۔۔۔ چلو اٹھو۔۔۔ ہاں۔۔۔ شباباں۔۔۔ اُس دروازے کی طرف چلو۔“

ریو الارٹا کی نال فریدی کی گردن سے جاگی اور وہ سامنے والے دروازے کی طرف چلتے گا۔۔۔ چاروں ایک چھوٹے سے کمرے میں داخل ہوئے جس میں دیواروں سے دو دو فٹ کے فاصلے پر نکلنے والی گولی پر یہ زہریلی روشنی نہ پڑنے پائے۔ تدیر میں بتائے دیتا ہوں عمل کرننا کہنا چاروں طرف فرش سے چھت تک لوہے کے ڈنگل لگے ہوئے تھے۔ فریدی کو کمرے کے وسط ہارا کام ہے۔ ریو الارٹا کی نال اپنی کنپی پر رک کر ٹریگر دبادو۔ گولی نال سے نکل کر سیدھی کھوپڑی میں دھکیل دیا گیا اور یہ تینوں ڈنگل کے درمیان میں کھڑے رہے۔ کمرے میں بہت تیز روشنی اور پھر ایڑیاں رکھ کر مرنے سے کیا فائدہ۔ ویسے یہ روشنی زندگی بھر تمہارے ساتھ ہی ساتھ فریدی چپ چاپ کھڑا رہا۔ پھر شمشاد نے ہنس کر کہا۔ ”اٹھا لو۔ وہ گائے گا نہیں۔۔۔ اور وہ چتی رہے گی۔“

فریدی کی جیب میں خود اس کا ریو اور موجود تھا اور ابھی تک کسی نے اسے ہاتھ نہیں لگایا ہے تو آواز ہوئی اور نہ شعلہ ہی نکلا۔ اس کے بجائے ریو الارٹا کی نال سے بکھلا ہوا سیسے نکل کر اس کے پیروں کے پاس گرپا۔ ساتھ ہی فریدی نے یہ بھی محسوس کیا جیسے اس کے جسم میں طاقت ہی نہ رہ گئی ہو۔ کمرے کی چھت سے اس پر ایک بہت تیز قسم کی روشنی پڑ رہی تھی جو کمرے کی معمولی روشنی سے مختلف تھی۔ فریدی نے اسے محسوس کیا اور دو قدم آگے بڑھ گیا اسی کے ساتھ ہی ساتھ روشنی کے دائرے نے بھی حرکت کی۔ وہ اب بھی

اُسی روشنی میں نہیاں ہوا کھڑا تھا۔ اُس نے چھت کی طرف نظر اٹھائی لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُسے ریو الارٹا کی پھیک کر اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ لینے پڑے۔ اُسے ایسا معلوم ہوا جیسے سورج یخچا ایسا ہو۔ وہ کئی منٹ تک اپنی آنکھوں پر ہاتھ رکھ کے ان تینوں کے قبیلے ستارہ ہا۔

”فریدی۔“ شمشاد نے کہا۔ ”اوکر قل صاحب! کیا بات ہے بھی۔ اٹھاو ریو اور پھر کوشش

نے جلی تھی کہ میں نے اُس کے بلب پر ریو اور چیک مارا۔ خدا کی پناہ..... وہ شعلوں کی رش.... میں زندگی بھرنے بھول سکوں گا اور آخر کار شمشاد انہیں شعلوں کی نذر ہو گیا۔.... اور روہاں سے میرا لکنا مشکل ہو گیا۔ مجھے افسوس ہے کہ میں زندگی کو نہ بچا سکا۔ وہ بھی وہیں حل ری۔ پتہ نہیں وہ روشنی کیسی تھی جس کا بلب ٹوٹتے ہی قیامت آگئی میں نہیں جانتا تھا کہ میں اس

”خائیں....!“ اچاک ایک فائر ہوا اور نصرت خان کی چیخ کرے میں گونج اٹھی۔ پھر دوسرے فائر ہوا اور شمشاد بال بچا۔ اس نے جنگلے کے دروازے سے فریدی کی لاش پر چھلانگ لگادی۔ ”خائیں....!“ تیر افائر ہوا۔

”زوہی.... روشنی....!“ شمشاد فریدی سے گھا ہوا چینا۔ لیکن قبل اس کے کہا تو سوچنے کے زوبی سوچنے کے کہا تھا کہ اُس کے مرنسے تنظیم نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا اُسی جگہ سنبھال لے گا۔ اگر بورڈ سک پہنچنے کی مخرج پر ریو اور چھانچ مارا۔ شستے کے بہت سے ٹکڑے فرش پر ہی حقیقت ہے تو سمجھ بیجھ کے اب ان لوگوں تک رسائی قطعی ناممکن ہو جائے گی۔.... قطعی گرے لیکن ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے جہنم میں کوئی بھٹنی کھل گئی ہو۔ روشنی کے مخرج سے ممکن....!“

”ٹھیک کہتے ہو۔“ آئی۔ جی نے تشویش آمیز بیجھ میں کہا۔ کچھ دیر خاموش رہا پھر بولا۔ ”اگر شعلوں کی بوچھاڑ ہو رہی تھی۔“

نہاری جگہ میں ہوتا تو میرے سارے بال سفید ہو گئے ہوتے۔“

فریدی نے اُسے شعلوں کی بوچھاڑ کی زد پر دھکیل دیا۔ شمشاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ”سنے....!“ فریدی کی کچھ سوچتا ہوا بولا۔ ”چھلکی رات ہمارے آدمی اُس عمارت میں بھک کر فریدی کی ٹھوک کر اس کی پیشانی پر پڑی اور وہ کتوں کی طرح طلق چھاڑتا ہوا وہیں ڈھیر ہو گیا اور دوسرے ہی لمحے میں جلتے ہوئے گوشت کی بوکرے میں پھیلنے لگی۔.... اس کی لاش پر شعلے رقص ناممکن نہیں کہ ہم اس واقعہ کو جھلاہی دیں۔ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ کاغذات پر نہ لایا جائے۔“

”اس سے کیا ہو گا۔“

”تنظیم کی بخش تھی۔ تہہ خانے میں ہم چاروں کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا اور میرے سوا کوئی بھی دہاں سے زندہ نہیں واپس آیا۔ ہو سکتا ہے کہ تنظیم کو دوسرا سر برہ نصیب ہی نہ ہو سکے۔“

”دوسری صورت میں اگر اس واقعہ کو شہرت دی گئی تو ممکن ہے کہ یہ اس تنظیم کے پھولنے پھلنے کا باعث بن جائے۔“

”تم ٹھیک کہتے ہو فریدی۔ ایسا ہی ہو گا۔“ آئی۔ جی بولا اور پھر کرے پر سکوت طاری ہو گیا۔



گری ہوئی عمارتوں کے گرد فونج کا پھرہ تھا۔ زوبی کی لاش بہت روی حالت میں ملی۔ نصرت خان اور کنور شمشاد کی بیان بھی نہ مل سکیں۔ فریدی خود اپنی مگرمانی میں ملہے ہوا رہا تھا۔

تکلی سی کلکر فرش پر بہہ نکل۔

”تم نے دیکھا زدبی....!“ شمشاد بے ساختہ ہس پڑا۔ ”میں کبھی کوئی غلط بات نہیں کہتا۔“ اس نے دیوار کے ایک سوچ بورڈ پر ہاتھ رکھا اور زہریلی روشنی کا دائرہ فریدی کی لاش پرے غائب ہو گیا۔

”خائیں....!“ اچاک ایک فائر ہوا اور نصرت خان کی چیخ کرے میں گونج اٹھی۔ پھر دوسرے فائر ہوا اور شمشاد بال بچا۔ اس نے جنگلے کے دروازے سے فریدی کی لاش پر چھلانگ لگادی۔

”خائیں....!“ تیر افائر ہوا۔

”زوہی.... روشنی....!“ شمشاد فریدی سے گھا ہوا چینا۔ لیکن قبل اس کے کہا تو سوچنے کے زوبی سوچنے کے کہا تھا کہ اُس کے مرنسے تنظیم نہیں مرے گی۔ کوئی دوسرا اُسی جگہ سنبھال لے گا۔ اگر

بورڈ سک پہنچنے کی مخرج پر ریو اور چھانچ مارا۔ شستے کے بہت سے ٹکڑے فرش پر ہی حقیقت ہے تو سمجھ بیجھ کے اب ان لوگوں تک رسائی قطعی ناممکن ہو جائے گی۔.... قطعی گرے لیکن ساتھ ہی ایسا معلوم ہوا جیسے جہنم میں کوئی بھٹنی کھل گئی ہو۔ روشنی کے مخرج سے ممکن....!“

”ارے یہ کیا کیا....!“ شمشاد طلق کے بل چینا۔

فریدی نے اُسے شعلوں کی بوچھاڑ کی زد پر دھکیل دیا۔ شمشاد نے اٹھنے کی کوشش کی لیکن ”سنے....!“

”اوہ جناب....!“ اُس نے مسکرا کر کہا۔ ”وہ بھی اتفاق ہی تھا کہ میری جیب میں ایک قلم تراش چاقو پر اڑا گیا تھا۔ میں نے دونوں جیبوں میں ہاتھ ڈال کر اندر ہی اندر ریو اور کچھ دبادیا۔“

کپٹیاں دبائے ہوئے گر پڑا۔.... شامہنہ ہتھیلی کی کوئی رگ کٹ گئی تھی اور میں چاہتا بھی ہیں تھا۔

خون کافی تیزی سے بہہ رہا تھا۔ بہر حال وہ لوگ دھوکا کھا گئے۔.... پھر میری پہلی گولی نصرت کی پیشانی پر گلی دوسری نے شمشاد کا شانہ زخمی کیا۔.... پھر زوبی دوبارہ اس زہریلی روشنی کو استعمال

”تمہارا مخصوص اجازت نامہ بحال کر دیا گیا ہے۔“
 ”مجھے اس کی ضرورت نہیں ہے۔ اس سے فائدے کی بجائے ہمیشہ نقصان ہی پہنچا ہے۔
 ازت نامے سے نہ تو یو اور کی گولیاں لٹکتی ہیں اور نہ وہ میری جان ہی پچا سکتا ہے۔“
 ”پھر بھی وہ تمہارے لئے ضروری ہے۔“
 ”میں یقین عرض کرتا ہوں کہ وہ میرے کی کام نہیں آتا بلکہ جب منسون ہوتا ہے تو مجھے
 وہ نکواہ ہم چشموں میں خفیہ ہوتا ہے۔ لہذا مجھے اس سے معاف ہی رکھئے۔“

”جو کچھ بھی آپ سمجھیں۔ میں کبھی اور کسی حال میں خود کو مجبور نہیں سمجھتا۔۔۔ میں نے
 لدوران بھیرے غیر قانونی اقدامات کئے ہیں لیکن کس نے میرا تھ پکڑ لیا تھ۔ کس نے ٹوکا تھا
 ہے۔۔۔ اچھااب اجازت دیجئے۔ مجھے اپنے زخمی ساتھیوں کے پاس پہنچا ہے۔“
 ”اب کیا کیفیت ہے۔“

”بہت جلد ٹھیک ہو جانے کی توقع ہے۔“

”ہاں۔۔۔ یہ تو بھول ہی گی تھا کہ وزیر تجارت تم سے ملتا چاہتے ہیں۔“
 ”کیا سرکاری تیثیت میں۔۔۔!“
 ”نمیں یو نہیں۔۔۔!“

”تو پھر اس ملاقات کے لئے غریب خانہ ہی زیادہ موزوں رہے گا۔“
 فریدی آئی۔ جی کے آفس سے چلا گیا۔

اور وہ دونوں کافی دیر تک خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھتے رہے۔

تمام شد

اُن عمارتوں کے نیچے تمہے خانوں اور سرگاؤں کا جال سا بچا ہوا مل۔ وہ تمہے خانے اور تن
 سرگاؤں اب بھی محفوظ تھیں۔۔۔ ان میں سے کافی تعداد میں اسلخ برآمد ہوا۔
 لیکن فریدی کوہہ میں نہ مل سکی جس سے پیغام رسائی کا کام لیا جاتا تھا تقریباً ایک ہفتہ تک
 وہ لمبے ہٹواتا رہا۔ آٹھویں دن آئی۔ جی کے آفس میں پھر ایک مینگ ہوئی جس میں آئی۔ جی
 ڈی۔ آئی۔ جی اور فریدی کے علاوہ کوئی چوتھا آدمی شریک نہیں تھا۔
 ”لیکن تم ان آٹھ آدمیوں کے لئے کیا کرو گے۔“ آئی۔ جی نے فریدی سے پوچھا۔
 ”طاقت والے کیس میں میرے پاس ان کے خلاف ثبوت نہیں ہے۔“ فریدی نے جواب
 دیا۔ ”لیکن میں انہیں چھوڑوں گا نہیں۔“
 ”میا کرو گے۔“

”انہیں جیل بھجوانا میرا کام ہے اُنکے ایک نہیں درجنوں جرام معد ثبوت میرے علم میں ہیں۔“
 ”گریہ تو کوئی بات نہ ہوئی۔“

”وہ جیل جائیں گے۔“ فریدی ایک ایک لفظ پر زور دے کر بولا۔ ”ہم پہلے ہی اس بات پر
 متفق ہو چکے ہیں کہ طاقت کے کیس کو چھالا نہیں جائے گا۔ اگر میں اُسی معاملے میں انہیں پھانے
 کی کوشش کروں گا تو۔۔۔ ظاہر ہے کہ۔۔۔!“

”ٹھیک ہے۔۔۔ ٹھیک ہے۔۔۔ آئی۔ جی جلدی سے بولا۔ ”مگر اب لگوںی کا کیا ہو گا۔ پاگل
 خانے سے نکلنے کے بعد وہ یقیناً تمہارے خلاف طوفان اٹھائے گا۔“

”نمیں وہ ایسا نہیں کر سکے گا۔ ورنہ اس کی یہ کوشش اسے کم از کم پانچ سال تک جیل کی ہو
 کھلانے لگی اور پھر اس کے علاوہ میں اس کے ایک ایسے راز سے واقف ہوں جس کے افشاء پر وہ
 سوسائٹی میں منہ دکھانے کے قابل نہ رہ جائے گا۔“

”میا معاملہ ہے۔۔۔!“ آئی۔ جی نے مسکرا کر پوچھا۔
 ”ایسا نہیں ہے جس کے لئے قانون کوئی سزا تجویز کر سکے، ایک اخلاقی جرم جسے ظاہر کرنا
 میری دانست میں ممکنگی ہی ہوگی۔ لہذا اس سلسلے میں معافی کا خواست گار ہوں۔“
 آئی۔ جی نے پھر اس کے متعلق کچھ نہیں پوچھا لیکن اس کے ہونٹوں پر مسکراہٹ تھی۔
 شاند وہ کوئی خیال ہی تھا جو اسے مسکرانے پر مجبور کر رہا تھا۔ اس نے تھوڑی دیر بعد کہا۔

لٹیرا

ظاہرہ نے کار روک دی۔ وہ نبڑی طرح تھک گئی تھی۔ ابھی پچاس میل کا سفر اور باقی تھا۔ ل بالکل سنان پڑی تھی۔ اُس نے اسٹینگ کے ہاتھ ہٹا کر رومال اٹھایا اور اس سے ہو لے آپنی پیشانی رکھنے لگی۔

اوے طویل ڈرائیورگ کا خط تھا۔ تار جام سے نصیر آباد کا فاصلہ ایک سو میں میل سے کسی بار کم نہ رہا ہو گا۔ لیکن وہ آج ہی نصیر آباد سے تار جام گئی تھی اور آج ہی اُس کی واپسی بھی لگی تھی۔ اس وقت دن کے تین بجے تھے۔ اُس نے دو پھر کا کھانا ابھی تک نہیں کھایا تھا حالانکہ اُن کی باسک پچھلی نشست پر رکھی ہوئی تھی۔ لیکن بھوک کے باوجود بھی کھانے کی خواہش نہ تھی اُس نے پھلوں کی ٹوکری سے ایک کیلا نکالا اور اُس کا چھلانگ اٹانے لگی۔ پھر چھلانگ کھڑکی، باہر پھینکا گیا۔ ٹھیک اُسی وقت ایک تیز رفتار کار برابر سے گزری لیکن دوسرے ہی لمحے میں بول کی چچڑاہٹ کے ساتھ رک گئی۔ ظاہرہ کی کار سے اس کا فاصلہ بمشکل تمام دس گز رہا۔

ظاہرہ کو فوراً اپنی غلطی کا احساس ہوا۔ کیلئے کا چھلانگ شاید اُس دوسری کار میں جا گرا تھا۔ ظاہرہ کھڑکی سے سر نکال کر دیکھنے لگی۔ اگلی کار کی سامنے والی سیٹ سے ایک خوش دنوجوان

رومال سے اپنا گال صاف کر رہا تھا۔ ظاہرہ نے بوکھلا کر اپنا سر پیچھے کھینچ لیا۔

دنوجوان کھڑکی کے قریب آگر بولا۔

”مجھے افسوس ہے کہ آپ مر دنے ہوئے۔“ اُس نے کہا۔

”دیکھئے....!“ لڑکی ہکلائی۔ ”غ.... غغ.... غلطی ہوئی۔“

گیارہواں زینہ

(مکمل ناول)

”اگر آپ مرد ہو تو میں تو....!“
”ہاں آں!“ اُس نے پچھلی سیٹ پر رکھی ہوئی چلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے کہا۔ ”مجھے ڈر ہے کہ آپ پھر کوئی غلطانہ کر بیٹھیں۔“

طاہرہ کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکل سکا۔ وہ چلوں کی ٹوکری اٹھاتے ہوئے اپنی کار کی طرف جا رہا تھا۔

طاہرہ پھر کھڑکی سے سر نکال کر باہر دیکھنے لگی۔

وہ اپنی کار میں بیٹھ چکا تھا۔ کار اسٹارٹ ہوئی اور ہوا سے باتیں کرنے لگی۔

طاہرہ کی سر ایسیگی دور ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اُسے اُس کی جسارت پر حیرت تھی۔ اس رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے اپنا حوصلہ بڑھانے کے لئے اپنے چند پچھلے کار نامے یاد کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ پہلی رُک تھی جو ایک مرد کے ہاتھوں نسبیت ہوئی تھی ورنہ ابھی تک تو نہ۔ لیکن اس سے بھی کام نہ چلا۔ پھر اُسے خود غصہ آگیا اور وہ اپنی کار آگے نکال لے گئی۔ وہ خود ہی دوسروں پر چھائی رہی تھی۔ اس کے ہم جماعت طبلاء میں شریروں سے شریروں کا بھی اُس سے گنتگو کرتے وقت ہکلانے لگتا تھا۔ یک بیک اُسے چلوں کے اُس ڈاکو پر غصہ آگیا اور اُس نے بھی اپنی کار اسٹارٹ کر دی۔

وہ سوچ رہی تھی کہ اُسے اس کے ساتھ کیا برداشت کرنا چاہئے۔ کار کی رفتار خاصی تیز تھی۔ اُس نوجوان کی آنکھوں میں تاچتی ہوئی شرارت اُسے بار بار یاد آرہی تھی اور ہر بار اُس کے ہونٹ نفرت سے سکر جاتے۔

خود اپنے کالج میں وہ ”ہنر والی“ کہلاتی تھی اور اچھے اچھے اُس سے گھبراتے تھے۔ خلینے قم کے لڑکوں میں اتنی ہمت نہیں تھی کہ وہ اس پر آوازے کئے کار ارادہ بھی کر سکتے۔ اُس کے ہم جماعت لڑکوں کا خیال تھا کہ وہ خوبصورت ضرور ہے لیکن اس میں عورت پن برائے نام بھی نہیں ہے۔ فسیر آباد کے ایک دولت منڈ گھرانے سے اس کا تعلق تھا۔ ڈرائیور گا شوق جنون کا حد تک رکھتی تھی اور اس میں خاصی مشاق بھی تھی.... اس نے تھیہ کر لیا کہ اگر موقع مل سکا تو وہ اُس کی کار میں سائز ضرور مارے گی۔

وہ آہستہ آہستہ کار کی رفتار تیز کرتی رہی اور آخر کار اُس لیئے کہ کار کو جاہی لیا۔ سڑک سنیان پڑی تھی اور وہ اتنی کشادہ تھی کہ اس پر تین کاریں برابر سے بہ آسانی چل سکتی تھیں۔ طاہرہ کی کار دوسری کا۔ کہ برابر دوڑنے لگی لیکن اُسے سائز مارنے کا موقع نہ مل سکا۔

لامکہ کئی بار ایسا ہوا کہ دونوں کا درمیانی فاصلہ ایک فٹ سے بھی کم رہ گیا۔ مگر وہ لیٹر اکافی لاک معلوم ہوتا تھا۔

”کیا رادے ہیں جتاب۔“ اُس نے طاہرہ کو مخاطب کیا۔ ”یہ فوراً کا چھڑا نہیں ہے۔“

طاہرہ کے پکھنے ہوئی۔ اس نے ایک بار پھر سائیڈ مارنے کی کوشش کی لیکن وہ صاف بچالے گیا۔

”یکھے آپ مجھے خواہ مخواہ چھیر رہی ہیں۔ میں آپ کے والد صاحب سے شکایت کر دوں۔“ چلوں کا لیٹر ایول۔

طاہرہ اس پر بھی پکھنے ہوئی۔ دراصل اس کا ذہن پر انگوں ہو گیا تھا۔ کچھ سمجھ میں ہی نہیں

طاہرہ کی سر ایسیگی دور ہونے میں دیر نہیں لگی۔ اُسے اُس کی جسارت پر حیرت تھی۔ اس رہا تھا کہ اُسے کیا کرنا چاہئے۔ اُس نے اپنا حوصلہ بڑھانے کے لئے اپنے چند پچھلے کار نامے یاد

کے لئے یہ پہلا اتفاق تھا۔ پہلی رُک تھی جو ایک مرد کے ہاتھوں نسبیت ہوئی تھی ورنہ ابھی تک تو نہ۔ لیکن اس سے بھی کام نہ چلا۔ پھر اُسے خود غصہ آگیا اور وہ اپنی کار آگے نکال لے گئی۔

برے کے قہقہے نے غصے کی آگ اور تیز کر دی۔

اس کا دل چاہ رہا تھا کہ اپنی بویاں نوچ ڈالے اس وقت اُس کے غدر کو حقیقی معنوں میں

میں لگی تھی۔ اب وہ اس کو شش میں تھی کہ چپ چاپ نکل ہی جائے لیکن تھوڑی ہی دیر میں

برے کی کار اُس کی کار کے برابر بیٹھ گئی۔

”آس نے لکھا رک کر کہا۔“ میں نے کہا۔... کیا خفا ہو گئی۔“

”شٹ اپ....!“ طاہرہ طلت پھزار کر جتنی جس کا نتیجہ یہ ہوا کہ وہ چند لمحے کھانتی رہی۔

”کیا پس کی لکھیاں پیش کر دوں۔“ لیٹر نے اُسے چھیڑ ر

”تم کہیں ہو۔“ طاہرہ نے جلاٹے ہوئے لبھ میں کہا۔

”شکر ہے کہ آپ بے تکلف تو ہوئیں۔“ لیٹر نے بے تکان جواب دیا۔

طاہرہ اپنا نچلا ہونٹ دانقوں میں دبائے اسٹریٹریگ کرتی رہی۔ اس کی نظر سامنے تھی ذہن ہوا لہاڑ رہا تھا۔

”آپ کا تھر ماس خالی نہیں ہو گا۔“ لیٹر نے پھر اُسے اپنی طرف متوجہ کرنے کی کوشش

لند۔ اُس میں چائے یا کافی ضرور ہو گی اور یہ بھی ممکن ہے کہ شیری کی کاک میں ہو۔“

”خاموش رہو۔“ طاہرہ پلٹ پڑی۔ ”میں لفگوں کو منہ لگانا پسند نہیں کرتی۔“

”اچھی بات ہے۔“ اُس نے کہا۔ ”میں آپ کے لئے کوئی شریف آدمی مہیا کرنے کی

کو شش کروں گا۔"

"ش اپ...!"

"یہ کیا جیز ہوتی ہے محترمہ! میں انگریزی نہیں سمجھتا۔"

"سور...!" طاہرہ زیر لب بربرا کر پھر خاموش ہو گئی۔

دونوں کاریں اب بھی برابر برابر دوڑ رہی تھیں۔

"لنگے بھی بھوک اور پیاس محسوس کرتے ہیں۔" نوجوان بولا۔ "لہذا اگر آپ کا قهرماں

میرے کام نہ آسکا تو میں خود کو انتہائی بد قسم سمجھوں گا۔"

"تم آسمیں ہاتھ بھی نہیں لگاسکتے۔ اور بچلوں کی ٹوکری بھی تمہیں واپس کرنی پڑے گی سمجھے؟"

"نہیں سمجھا۔ میں اس قسم کی فضول باتیں سمجھنے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔"

اچانک پیچھے سے کسی تیسری کار کے ہارن کی آواز آئی اور بچلوں کے لیے نے اسے آگے

نکل جانے کا موقع دینے کے لئے اپنی کار کی رفتار کم کر دی۔ طاہرہ کی گاڑی آگے نکل گئی اور پھر وہ

کار بھی آگے بڑھ گئی جس کو اس نے راستہ دیا تھا۔

وہ کار تو آگے نکل گئی لیکن طاہرہ نے اپنی کار روک دی۔ روکی بھی تو اس طرح کہ لیئے کی کار

کار استرک گیا لیکن اس نے بڑی پھر تی سے بریک لگا کر اسے طاہرہ کی کار سے ٹکرانے سے بچایا۔

"میاں تم رنا چاہتی ہو۔" اس نے سکر اک پوچھا۔

"میں بد تیزی نہیں پسند کرتی۔" وہ بے تحاشہ چیخنی۔

"اس میں تمہاری پسند کا سوال ہی نہیں ہے۔"

طاہرہ اپنی کار سے اتر آئی۔ ساتھ ہی وہ بھی اتر لیکن طاہرہ اس کی پرواہ کیے بغیر اس کی کار کی

طرف چھپنے والے چیکے سے دوسری طرف لکھ ک گیا۔ بہر حال قبل اس کے کہ وہ اس کی گاڑی سے

بچلوں کی ٹوکری اٹھاتی اس نے اس کا قهرماں پار کر دیا۔ طاہرہ نے ٹوکری اپنی کار میں ڈالی اور پھر

اس کی کار فرائٹ بھرنے لگی۔

نوجوان نے وہیں گھرے گھرے قهرماں کا ڈھکن کھولا اور اس میں کافی تھی۔ اس نے

قهرماں ہی منہ میں لگایا۔ بختی پی سکاپی لی اور بقیہ کو سرک کے کنارے اٹھیں کر اپنی کار میں

آبیٹھا۔ پھر اس کی کار بھی آگے بڑھ گئی۔

لیکن تین یا چار میل چلتے کے بعد بھی اُسے طاہرہ کی کار کہیں نظر نہ آئی۔

بات یہ ہوئی تھی کہ طاہرہ وہاں سے بہت تیزی سے چلی تھی۔ اس کا ارادہ تھا کہ تیز سے تیز نہ کے ساتھ وہ اس کی دسترس سے نکل جائے گی لیکن پھر اُسے یہ خیال ترک کر دینا پڑا کیونکہ اس کی مہارت اور مشاہقی کا نمونہ پہلے ہی دیکھ چکی تھی۔

بہر حال وہ اس سے پیچھا چھڑانا چاہتی تھی لہذا اب اس سے بہتر اور کوئی تجویز ہو ہی نہیں تھی کہ وہ کار کو کسی کچھ راستے پر اتار کر اس کے آگے بڑھ جانے کا انتظار کرے۔

پھر اس نے بھی کیا۔ کار سرک کی باسیں جانب کے ایک کچھ راستے پر اتاری اور آگے بڑھتی آگئی۔ یہ راستہ نشیب میں تھا اور پیچے جا کر کچھ اس طرح ایک طرف مڑ گیا تھا کہ سرک پر سے ایک کسی کی نظر کا پہنچنا تھا۔ اس نے کار دیں کھڑی کر دی اور چند لمحے تھیں وہ حرکت لا کچھ سوچتی رہی۔ پھر پیچلی سیٹ کی طرف مڑی اور رکھنے کی باسکت میں ہاتھ ڈال دیا۔

پھر جلدی سے ہاتھ کھینچ کر ادھر اور ادھر دیکھنے لگی۔ اُسے کافی کے قهرماں کی علاش تھی۔

وہ سرے لمحے میں اس نے جھلا کر اپنی پیشانی پر دو ہتھ رسید کیا اور سو فیصد بورنے لگی۔

"لکھنے... مردوں...!" وہ آہستہ سے بربدا ری۔

لیکن جلدی ہی اُسے اپنی دوسری غلطی کا بھی احساس ہو گیا۔ یہ راستہ اتنا بُکھ تھا کہ کار اس کی گھجاتی نہیں تھی۔ پیچے دور تک ایک گھری کھٹک تھی۔ یعنی گاڑی کو بیک کرنے کی لش بھی موت کے لئے دعوت نامہ ہی ثابت ہوتی۔ ذرا سی لغزش اُسے اُس گھری کھٹک میں پہنچا نا تھی۔

وہ چند لمحے کچھ سوچتی رہی پھر کار سے اتر کر آگے بڑھی۔ اس نے سوچا ممکن ہے آگے جا کر اٹھادہ جگہ مل جائے کہ وہ کار موڑ سکے لیکن اُسے ماہر سی سے دوچار ہونا پڑا۔ آگے چل کر وہ نایک پتلی کی گلڈن ٹری میں تبدیل ہو گیا تھا اور گلڈن ٹری کے دونوں طرف زمین اس حد تک اٹھی کہ کار تو گلڈن ٹری پر تک جاتی اور اس کے چاروں پیٹے خلاء میں ناچتے رہ جاتے۔ طاہرہ کا ٹھانے لگا۔ ہاتھ پیر ٹھانٹے ہو گئے اور پورے جسم سے پیسہ چھوٹ پڑا۔ اُس کی سمجھ میں اڑ بھا تھا کہ کیا کمرے۔

اوپھر کار کی طرف والیں آئی۔ اس نے سوچا اب سرک کی طرف چلتا چاہئے۔ ممکن ہے

کوئی صورت نکلیں آئے۔ کسی دوسرے کی مدد کے بغیر کارکاڈہاں سے نکلا قلعی ناممکن تھا۔ پھر وہ تقریباً دوڑتی ہوئی سڑک تک آئی۔ سڑک ویران پڑی تھی۔ وہ ایک درخت کے تنے سے نک کر ہائپنے لگی۔ اس کی بدحواسی بڑھتی جا رہی تھی۔ آج زندگی میں پہلی بار اسے احساس ہوا کہ عورت بے بس اور کمزور ہوتی ہے۔

دفتارِ خالف سمت سے ایک کار آتی دکھائی دی اور اُس کا دل دھڑکنے لگا۔ وہ آنے والوں سے مدد کی درخواست کر سکتی تھی مگر ظاہر ہے کہ اُس کی کار کے متعلق استفسار ضرور کیا جاتا تھا وہ وہاں کیسے پہنچی اور ظاہرہ اُس کا کوئی معقول جواب نہ دے سکتی۔ کار نزدیک آگئی۔ ساتھ ہی ظاہرہ کو غصہ بھی آگیا کیونکہ یہ اُسی کی کار تھی۔ جس کی بدولت اُسے یہ پریشانی نصیب ہوئی تھی۔

وہ کار روک کر اتر پڑا۔ اُس کے ہاتھ میں ظاہرہ کا قبر ماس تھا۔

”یہ لیجھے۔“ اُس نے بڑی بے پرواں سے قبر ماس اُس کی طرف بڑھا دیا۔ ظاہرہ کے ہاتھ سے اُس کا گریبان چھوٹ گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس دوسرے آدمی احمد پر کچھ سپیٹا گیا ہے۔ ظاہرہ کو اس دوسرے آدمی کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ ناسیٹ پر سویار ہا ہو۔ اُس کی آنکھیں بھی نیند میں ڈوبی ہی معلوم ہو رہی تھیں۔ ظاہرہ ایک بار زیادہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ ایسی ہی بار عب اور پر وقار شخصیت لے تھا۔

وہ اپس جانے کے لئے مڑا ہی تھا کہ ظاہرہ نے کہا۔

”آپ کی بدولت میں مصیبت میں پھنس گئی ہوں۔“

”میری بدولت.... مصیبت....!“ وہ مڑ کر بولا۔

”میری کار.... وہاں.... یہ پچھن گئی ہے۔“ ظاہرہ نے ہاتھ اٹھا کر نصیب میں اشارہ کیا۔ تھی۔

”کیا میں اُسے وہاں لے گیا تھا۔“ اُس نے بڑی معصومیت سے پوچھا۔

”تمہیں کار وہاں سے نکالنی پڑے گی۔ سمجھے۔“ ظاہرہ پھر جھلانی۔

”بہت خوب! یہ استدعا کرنے کا یا طریقہ ہے۔“

”استدعا نہیں۔ تمہاری ہی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔“

”میری ہی وجہ سے تو سب کچھ ہوا ہے۔ نیلا نیلا بیکار آسمان.... یہ اُن کو چھتے ہوئے درخنوں کی قطاریں.... اور یہ آپ.... جس کی آنکھیں جھیل میں کھلے ہوئے کنوں کی طرز

نہ ہیں.... آہا.... خیر تو کہنے کا یہ مطلب کہ دھونس دھڑلے سے کام نہیں چلے گا۔ لجاجت، استدعا کیجئے تو شائد میں کچھ مدد بھی کر سکوں یا پھر میری مزدوری دیجئے۔ آپ کی باسکٹ میں نے کی کچیزیں بھی ہوں گی۔ کافی تو بالکل نہیں بچی۔“

”میری کار نکالو.... ورنہ میں تم پر پھر برساؤں گی۔“

”پھر کامٹے دوڑو گی۔ خدا محفوظ رکھے! اچھا تو میں چلا....!“

جیسے ہی وہ اپنی کار کی طرف مڑا۔ جھلاہٹ میں اچانک ظاہرہ کا ”ہنز والی بن“ جاگ اٹھا۔ اُس جھپٹ کر اُس کے کوٹ کا کار پکڑ لیا اور اُسے بُری طرح جھنجوڑ کر ہٹریائی انداز میں چینی۔

ہمیں کار نکالنی پڑے گی۔ نکالنی پڑے گی۔“

”آہم....!“ ایک تیرسی آواز سنائی دی اور ظاہرہ بے ساختہ چوک پڑی۔

اُس آدمی کی کار کی پچھلی نشست سے ایک دوسری آدمی باہر آ رہا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ اُس نے دونوں کے قریب پہنچ کر کہا۔

ظاہرہ کے ہاتھ سے اُس کا گریبان چھوٹ گیا اور اُس نے محسوس کیا کہ وہ اُس دوسرے آدمی احمد پر کچھ سپیٹا گیا ہے۔ ظاہرہ کو اس دوسرے آدمی کی موجودگی کا علم نہیں تھا۔ ممکن ہے وہ ناسیٹ پر سویار ہا ہو۔ اُس کی آنکھیں بھی نیند میں ڈوبی ہی معلوم ہو رہی تھیں۔ ظاہرہ ایک بار زیادہ اُس کے چہرے کی طرف دیکھنے کی ہمت نہ کر سکی۔ وہ ایسی ہی بار عب اور پر وقار شخصیت لے تھا۔

”کیا بات ہے۔“ اُس نے پھر صاف مگر مدھم آواز میں پوچھا۔ اُس کی آواز نیند کے اثر سے

ظاہرہ تھوڑی دیر تک ہکلائی اور پھر اُس کی زبان قپچی کی طرح چل پڑی۔

دوسری آدمی پہلے کو قبر آلوں نظرؤں سے گھور رہا تھا۔ ظاہرہ کے خاموش ہوتے ہی اُس نے مجھے تھایے! آپ کی کار کہاں ہے۔“

”وہ ادھر.... نیچے.... آئیے.... دکھاؤں۔“

”میں سمجھ گیا۔ اچھا! مجھے افسوس ہے کہ آپ کو پریشانی ہوئی۔“

پھر وہ دوسری آدمی تھا نصیب میں اٹر گیا۔ ظاہرہ سوچنے لگی کہ کہیں وہ بھی کوئی نئی حرکت نہ

کر بیٹھے۔

"اب شامت آگئی کارکی۔" پھلوں کے لئے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔
"میا مطلب...!"

"میرے بڑے بھائی ہیں۔ پاگل بھی ہیں۔ میں تو عاجز آگیا ہوں ان سے۔ خدا نے چاہا تو کار
سمیت کھڈ میں گریں گے۔ چلو پیچھا چھوٹا۔"

طاہرہ بوكھلا کر نشیب کی طرف دوڑی۔ لیکن اُسے موڑی پر رک جانا پڑا۔ کیونکہ دوسرا آدمی
کار کو بیک کرتا ہوا سڑک کی طرف لا رہا تھا۔ وہ اٹھے پاؤں واپس آئی۔

کار سڑک پر آگئی اور دوسرا آدمی اُس پر سے اترتا ہوا بولا۔ "میں ایک بار پھر معدودت چاہتا ہیں۔ جو پھلوں کی ٹوکری اور تھرماس لے گیا تھا۔"
ہوں۔ اس کی وجہ سے خواہ مخواہ آپ کو پریشان ہونا پڑا۔" طاہرہ اس طرح خالی الذہن ہو گئی تھی کہ پچھے کہے بغیر کار میں بیٹھی اور انہن اشارت کر دیا
قابلے میں خفت اٹھانی پڑتی ہے تو میں کیا کرتی ہوں۔" کار فرائی بھرتی ہوئی آگے نکل گئی۔

"میں جانتی ہوں۔ مگر ہم انہیں کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ دل
نا اوار چھی ہی ثابت ہو۔"

"دیکھو....!" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ٹورست تھے اگر
طاہرہ کئی دنوں تک اُن دنوں کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ دنوں ہی عجیب تھے۔ ایک انہا
ٹورست تھے تو اُن کا قیام یقینی طور پر سریم بالا ہلز پر ہو گا۔" غیر سنجیدہ اور تکلیف وہ حد تک بے ٹکلف، دوسرا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اُس دوسرے آدمی
کے متعلق اُس نے بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ لیکن وہ لمحات یاد کر کے وہ نہ جانے کیوں کافی
گئی تو ہے وہاں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں وہاں مل جائے تو کسی تدبیر سے اُسے گیارہ ہویں
جائی۔ وہ لمحات.... جب اُس نے اُس سے گفتگو کی تھی۔

طاہرہ کو عورت پن سے نفرت تھی۔ وہ مردوں کی طرح زندگی بزر کرتی تھی۔ اُسے بھی
کسی سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن وہ آدمی وہ اکثر سوچتی کہ اُس نے اُس کے شر
ساتھی کے مقابلے میں اُس کے متعلق کوئی اچھی رائے کیوں قائم کی ہے۔ وہ اس کے بارے میں سامنے نہ دیا کرو۔"

کیوں سوچتی ہے۔ اس کا ذہن اُسے یادداشت کی سطح سے جھٹک کیوں نہیں دیتا۔ شاکد اس۔
"میں نے اکثر اُس کے متعلق سوچا ہے.... طاہرہ! کیا وہ سب کچھ حقیقت ہے جو میں اُس
کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔"

"تم کم کلام تھی۔" اس کی حقیقت میں شہبے کی گنجائش نہیں ہے وہ زینہ اب تک
سے ہم کلام تھی۔

طاہرہ نے ان واقعات کا تذکرہ اپنی سب سے قریبی دوست کو نیلیا سے کیا۔ جسے وہ پیار سے
کورنی کہتی تھی۔ کورنیا ایگنگوائزین تھی۔ اُس کی ہم عمر اور ہم جماعت بھی تھی وہ بھی طاہرہ ہی کی
طرح اقتضی طبع کے معاملے میں انوکھی تھی۔

"کیا تمہیں یقین ہے کہ وہ دنوں نصیر آباد ہی آئے ہیں۔" کورنی نے پوچھا۔

"مجھے یقین ہے لیکن اس یقین کی نیاد کسی منطقی دلیل پر نہیں ہے۔"

"دل کہتا ہے کیوں؟" کورنی معنی خیز انداز میں سکرانی۔

طاہرہ اُس کی سکرانی اس کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔ "مجھے دراصل اُس سور سے انتقام
کار کو بیک کرتا ہوا سڑک کی طرف لا رہا تھا۔ وہ اٹھے پاؤں واپس آئی۔

طاہرہ اُس کی سکرانی اس کا مطلب سمجھ کر جلدی سے بولی۔ "مجھے دراصل اُس سور سے انتقام

"میں کچھ.... تو پھر کیا رادہ ہے؟ انہیں تلاش کریں۔" کورنی نے پوچھا۔

"دل تو یہی چاہتا ہے۔ مجھے بڑی خفت ہوئی تھی اور تم جانتی ہو کہ جب مجھے کسی مرد کے
قابلے میں خفت اٹھانی پڑتی ہے تو میں کیا کرتی ہوں۔"

"میں جانتی ہوں۔ مگر ہم انہیں کہاں تلاش کرتے پھریں گے۔ ضروری نہیں کہ ہمیشہ دل
نا اوار چھی ہی ثابت ہو۔"

"دیکھو....!" طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ "میرا خیال ہے کہ وہ ٹورست تھے اگر

طاہرہ کئی دنوں تک اُن دنوں کے متعلق سوچتی رہی۔ وہ دنوں ہی عجیب تھے۔ ایک انہا

ٹورست تھے تو اُن کا قیام یقینی طور پر سریم بالا ہلز پر ہو گا۔"

غیر سنجیدہ اور تکلیف وہ حد تک بے ٹکلف، دوسرا ضرورت سے زیادہ سنجیدہ۔ اُس دوسرے آدمی
کے متعلق اُس نے بڑی اچھی رائے قائم کی تھی۔ لیکن وہ لمحات یاد کر کے وہ نہ جانے کیوں کافی
گئی تو ہے وہاں۔ میرا خیال ہے کہ اگر وہ تمہیں وہاں مل جائے تو کسی تدبیر سے اُسے گیارہ ہویں
جائی۔ وہ لمحات.... جب اُس نے اُس سے گفتگو کی تھی۔

یک بیک طاہرہ سنجیدہ ہو گئی۔

کسی سے خوف محسوس نہیں ہوا۔ لیکن وہ آدمی وہ اکثر سوچتی کہ اُس نے اُس کے شر

"کورنی.... ڈیزیر....!" اُس نے تھوڑی دیر بعد مغموم لہجے میں کہا۔ "اُس منہوس کا حوالہ

ساتھی کے مقابلے میں اُس کے متعلق کوئی اچھی رائے کیوں قائم کی ہے۔ وہ اس کے بارے میں سامنے نہ دیا کرو۔"

کیوں سوچتی ہے۔ اس کا ذہن اُسے یادداشت کی سطح سے جھٹک کیوں نہیں دیتا۔ شاکد اس۔

"میں نے اکثر اُس کے متعلق سوچا ہے.... طاہرہ! کیا وہ سب کچھ حقیقت ہے جو میں اُس
کے بارے میں سنتی رہی ہوں۔"

"تم کم کلام تھی۔" اس کی حقیقت میں شہبے کی گنجائش نہیں ہے وہ زینہ اب تک

پانچ جائیں لے چکا ہے۔

”کیا یہ بھی صحیح ہے کہ ہمیشہ گیراہ تاریخ اور گیراہ بجے رات ہی کو وہ حادثات پیش آئے تھے۔“
”ہاں یہ بھی حقیقت ہی ہے۔ اس کے آخری شکار کو زیادہ عرصہ نہیں گزرا صرف ڈیڑھ ماہ
پہلے کی بات ہے۔“

”آخر وہ آدمی زینے پر چڑھاہی کیوں تھا۔“ کورنیلیا نے پوچھا۔

”محض یہ ثابت کرنے کے لئے وہ سب کچھ واہم تھا۔ ہم سب وہاں موجود تھے۔ جیسے ہی
کلاک نے گیراہ بجائے وہ زینوں پر چڑھتا چلا گیا پھر وہ گیراہ ہواں ہی زینے تھا جس پر قدم رکھتے ہی
ایسا معلوم ہوا جیسے کسی نے اسے اچھا دیا ہو۔ وہ سر کے بل نیچے آیا اور تین چار منٹ کے اندر ہی
اندر ترپ کر سرد ہو گیا۔“

”مجھے معلوم ہے تھاہرے پچانے اُس رات شائد ڈی۔ ایس۔ پی۔ شی کو بھی وہاں مدعا کیا تھا۔“

”یقیناً اُس کے علاوہ اور پھر کیا کرتے۔ وہ ہمارا نیا مخبر تھا۔ شاید تم نے بھی اُسے دیکھا ہو۔
جو ان آدمی تھا۔ بُس ایک دم سے وہ اُسے واہمہ ثابت کرنے پر تسل گیا۔ پچا جان نے اُسے باز رکھنا
چاہا لیکن ناکام رہے۔ ڈی۔ ایس۔ پی۔ شی اور دوسرے آفیسروں کو دراصل اسی نے مدعا کیا تھا۔
بات یہ تھی کہ سریم بالا والی کو بھی کو حکومت کرانے پر حاصل کرنا چاہتی تھی۔ مقدم جو کچھ بھی
رہا ہو۔ خدا جانے! پچا جان نے غذر پیش کیا کہ وہ آسیب زدہ ہے اور ہر ماہ کی گیراہ تاریخ گیراہ بجے
رات کو وہاں کوئی نہ کوئی غیر معمولی بات ضرور ہوتی ہے اور بالا خانے کا گیراہ ہواں زینے تو خاص
طور پر مخدوش ہو جاتا ہے۔ اس پر ہمارے نئے فیجر نے کہا کہ یہ سب واہمہ ہے اور وہ اُسے ثابت
کر دے گا۔ بہر حال درجنوں تماشائیوں کے مجمع میں وہ زینوں پر چڑھا۔۔۔ اور ان جام جو کچھ ہوا
ان آنکھوں نے بھی دیکھا ہے۔“

پچھے دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔ ”شاید تم نے کو بھی نہیں دیکھی۔ بہت کثا
ہے۔ اُس کے کئی حصے اب بھی بیزن میں کرانے پر اٹھادیے جاتے ہیں مگر آسیب زدہ حصہ مقلعہ
ہی رکھا جاتا ہے۔“

”ختم کرو۔“ کورنی ہاتھ اٹھا کر بولی۔ ”چلنے کے متعلق کیا کہتی ہو۔“
”میں تیار ہوں۔“

”مگر کم از کم ایک ہفتہ ضرور قیام کریں گے۔ کیا کوئی بھی کام کوئی حصہ خالی ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ دو کمرے ابھی تک خالی ہیں۔ یا کئی ہوں۔ کوئی چونکہ بدنام ہے اس لئے
بہت کم ٹورست اور کارخ کرتے ہیں۔ حالانکہ اُس کے ایک مخصوص حصے کے علاوہ اور ہر جگہ
امن رہتا ہے... مگر شاید اس بار پھر کسی کی شامت آئی ہے۔“

”یعنی....!“

”اس بار پھر وہ آسیب زدہ حصہ کرانے پر اٹھ گیا ہے۔“

”میرا خیال ہے کہ تمہارے چاپ سے سر کاری طور پر اُس کے لئے جواب طلب کیا جائے گا۔
یعنی حالات سے باخبر ہوتے ہوئے بھی انہوں نے اُسے کرانے پر اٹھادیا۔“

”جواب طلب ہونے کی صورت میں وہ قطعی بری الذمہ ہوں گے کیونکہ یہ حصہ اُسی
ڈی۔ ایس۔ پی کے ایمان پر دیا گیا ہے جو حادثے کے وقت وہاں موجود تھا۔“

”جب تو معاملہ گزار برمعلوم ہوتا ہے۔“ کورنی سر ہلا کر بولی۔

”مجھے خود بھی حرمت ہے۔“

”وو سکتا ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی سے اُس کی دشمنی ہو۔ جسے وہ حصہ کرانے پر دلوایا گیا ہے۔
اُسی سے پھر کو وہ سریم بالا کے لئے روانہ ہو گئی۔ سریم بالا کی شادات پہاڑیاں نصیر آباد سے
دش میں دور شمال کی جانب واقع تھیں لیکن آبادی کا شمار نصیر آباد ہی کی آبادی میں ہوتا تھا۔
کر میوں کی شروعات تھی اس لئے سریم بالا کی پہاڑیاں پہلے سے زیادہ آباد ہو گئی تھیں۔ نزدیکی
شہروں کے ٹورست کافی بڑی تعداد میں یہاں آئے تھے۔ ان میں کچھ ایسے بھی تھے جو پورا ایزرن
لیں گذارنا چاہتے تھے۔ بہر حال یہ یہاں تفریحات کا زمانہ تھا۔ نائٹ کلب اور ہوٹل دن رات
آباد رہتے تھے۔

اُقا متی ہوٹلوں میں جگہ نہیں رہ گئی تھی اور کرانے پر اٹھنے والی عمارتوں کا یہ حال تھا کہ کالی
کوئی جسمی بدنام عمارت کے بھی وہ حصے قریب قریب آباد ہی ہو گئے تھے جن پر آسیب کا اثر
نہیں تھا۔

یہ کوئی نصیر آباد کے ایک متول خاندان کی ملکیت تھی اور اس کے متعلق کئی پتوں سے
ہمارا رواقعات نے جا رہے تھے۔ اسی خاندان کے کئی افراد اُسی کوئی میں پر اسرار حالات میں

موت کا شکار ہو چکے تھے۔ گیارہوں زینے کی داستانیں ان اطراف میں عام تھیں۔ طاہرہ بھی اُسی خاندان کی ایک فرد تھی۔

ایک گھنٹے کے اندر ہی اندر وہ دونوں سیریم بالا پہنچ گئیں۔

”مگر کورنی...!“ طاہرہ نے کہا۔ ”ہم اُن کی تلاش کہاں سے شروع کریں۔“

”فی الحال انہیں جہنم میں جھوکو۔ ذرا ان سر بزر پہاڑیوں کی طرف دیکھو اور ان کی چوٹیوں پر چھائی ہوئی سہری دھنڈ جن میں کئی رنگ لہریں لے رہے ہیں۔“

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ کورنی بڑھاتی رہی۔ میں ان مناظر کو دیکھ کر پاگل ہو جاتی ہوں۔ میرا دل چاہتا ہے کہ ایک شخصی سی بچی کی طرح ان پہاڑیوں پر چھلانگیں مارتی پھرلوں۔“

”مجھے ان سب میں کوئی خاص بات نہیں نظر آتی۔“ طاہرہ نے کہا۔

”تم میں جمالیاتی حس ہے ہی نہیں۔“

”چھوڑو۔۔۔ ختم کرو۔“ طاہرہ نے اکتائے ہوئے لہجے میں کہا۔ ”اچھا تو پھر ہم فی الحال کو ٹھی ہی کی طرف چل رہے ہیں۔“

”جہاں دل چاہے چلو۔ مجھے اُن آدمیوں سے قطعی کوئی دلچسپی نہیں ہے جن کے چکر میں تم بیہاں آئی ہو۔ مجھے تو تبدیلی درکاری تھی۔ اپنا شہر تو پہنچیوں کے بخبروں اور زندہ لاشوں کا مسکن ہے یا پھر وہاں کے آدمی چلتی پھرتی میشیں معلوم ہوتے ہیں۔“

”بہت اوپنی اڑڑی ہو آج کل۔ کس شاعر کا مطالعہ کر رہی ہو۔ کیٹھس یا باڑن کے علاوہ اور کون ہو گا۔ یہ ساری باتیں جو تم نے ابھی کی ہیں میری نظر میں اُن کی وقعت ذہن کے جالے سے زیادہ نہیں ہے۔“

”تمہاری تخلیق ریتنی مٹی سے ہوئی ہے۔“ کورنیا نے کہا۔

اُن کی کارکالی کو ٹھی کے چانک پر پہنچ چکی تھی۔ اس عمارت کا نام توانش منزل تھا مگر یہ سریم بالا میں کالی کو ٹھی کے نام سے مشہور تھی۔ غالباً وجہ تسمیہ وہ نہ اسرار دویافت تھیں جو اس سے منسوب رہی تھیں۔

یہ ایک کافی بھی چڑی عمارت تھی۔ گرمیوں میں اس کے چانک پر ایک چوکیدار بھی نظر آنے لگتا تھا۔ درنہ دیے یہاں صرف ایک مالی اور ایک ایسا آدمی رہتا تھا جس کے سپرد عمارت کی

بچوں بھال تھی۔

چوکیدار طاہرہ کو پہنچانتا تھا۔ وہ اسکی کار کے ساتھ ساتھ چل رہا تھا۔ کار کی رفتار یعنی کی حد تک اُم تھی۔ چوکیدار طاہرہ کو بتا رہا تھا کہ آسیب زدہ حصے کے کرایہ دار اپنا زیادہ تر وقت عمارت کے ادھری گذارتے ہیں اور آج صبح انہوں نے سیاہ رنگ کی بیلوں کے پانچ سر باہر پھیکوانے تھے۔

”جی ہاں.... مس صاحب۔“ چوکیدار نے کہا۔ ”انہوں نے مالی کو بتایا تھا کہ صرف سر ہی لئے تھے اور دھڑ غائب تھے۔“

”وہ کتنے آدمی ہیں۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”دو ہیں صاحب! مگر وہ خائن فہ نہیں معلوم ہوتے۔ انہوں نے بڑی لاپرواں سے وہ پانچوں سر باہر پھیک دیے تھے۔“

”ہاں... اچھا... دیکھو... سامان اتراؤ۔ اور اُن سے کہہ دو کہ میں اُن سے ملا چاہتی ہوں۔“

”کیوں...!“ کورنیا نے کہا۔ ”نہیں! اس بوریت سے کیا فائدہ۔ سامان اتراؤ۔ اس کے بعد ہم کہیں چل کر چاہے ہیں۔“

”نہیں میں انہیں سمجھاں گی۔ وہ اسی وقت اُس حصے کو خالی کر دیں۔“ طاہرہ نے کہا۔

”تم بعض اوقات بہت شدت سے کھلنے لگتی ہو۔“ کورنیا نے نہ اسامنہ بنا کر کہا۔ ”میا وہ بچے میں کیا انہیں حالات کا علم نہ ہو گا۔“

طاہرہ کار سے اُتر گئی اور اُس نے اپنے ساتھ کورنیلیا کو بھی عمارت کے اُس حصے کی طرف پہنچا شروع کر دیا جس کا رخ مغرب کی جانب تھا۔

”وہ بھی سمجھیں گے کہ ہم اُن سے فلرٹ کرنا چاہتے ہیں۔“ کورنیلیا نے کہا۔

”چلو.... کو اس نہ کرو۔ میں نہیں چاہتی کہ اس عمارت کی تاریخ میں کسی نئے حادثے کا اخافہ ہو۔“

”آہا.... اب مجھ سے بھی اڑنے کی کوشش کر رہی ہو۔“ کورنیا مسکرائی۔ ”یہ کیوں نہیں ہیں کہ تم اُن دلیر آدمیوں کو دیکھا چاہتی ہو۔“

”یہی سمجھ لو۔ میں نہیں دیکھتا اور سمجھنا چاہتی ہوں۔“

کورنیلیا خاموش ہو گئی وہ دونوں وہاں پہنچ گئیں۔

برآمدے کارخ مغرب کی جانب تھا اور وہاں سرخی ماکل دھوپ پھلی ہوئی تھی اور دونوں نہیں۔

”آپ کو یہ کیسے معلوم ہوا کہ ہم یہاں ہیں۔“

”میں نے یہ سنا تھا کہ کسی نے یہ حصہ کرائے پر لیا ہے۔ دراصل یہ عمارت میرے ہی ہاندان کی لیکیت ہے۔“

”اوہ.... آپ نواب عبدالکی کون ہیں۔“

”بھتیجی.... مجھے طاہرہ کہتے ہیں.... اور یہ میری دوست.... کورنیلیا دڈ دوڑھ۔“

”بڑی خوشی ہوئی۔“ پھلوں کا شیر ابوالا۔

”دیکھئے محترمہ طاہرہ۔ ہم لوگ یہاں بہت آرام سے ہیں۔“ دوسرے نے کہا۔ ”رہ گئے ہر معنوی و اعات تو ہم ان سے خالق نہیں ہیں۔“

”آخر آپ خاص طور پر اسی حصے میں رہنے پر کیوں مصروف ہیں۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”بس یو نہیں۔ کوئی خاص بات نہیں ہے۔ مجھے بھوتوں سے دلچسپی ہے۔“

”اور مجھے چڑیوں سے۔“ پھلوں کے شیرے نے کہا۔

لیکن طاہرہ اُس کی طرف متوجہ نہیں ہوئی۔ البتہ کورنیلیا نے اُسے قہر آکوڈ نظر وہ سے ہوئی تھی۔ وہ محسوس کر رہی تھی کہ بمشکل ہی اُس سے گفتگو کر سکے گی۔ وہ اپنے خشک ہونوں پر زبان پھیرتی ہوئی بیٹھ گئی۔

”خیر....!“ طاہرہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ ”لیکن ان زینوں سے ہوشیار رہنے گا۔“

”میں آج کافی دیر تک گیارہ ہویں زینے پر بیٹھا رہوں۔“ اُس نے جواب دیا۔

”ہو سکتا ہے لیکن وہ ہر ماہ کی گیارہ تاریخ اور گیارہ بجے رات کو مخدوش ہو جاتا ہے۔ میں نہیں سمجھ سکتی کہ آپ خود کو خطرے میں کیوں ڈال رہے ہیں۔“

”آپ بیکار پر شیان ہیں۔“ دوسرा آدمی ہنسنے لگا۔ ”ہم بالکل محفوظ ہیں، اور کسی قسم کی بھی باطینی نہیں محسوس کرتے۔... بات دراصل یہ ہے کہ یہ ایک شرط کا معاملہ ہے۔

لداں۔ بی راجن سے شرط ہوئی تھی۔ اس کا کہنا ہے کہ ہم ایک ہفتے سے زیادہ اس عمارت میں نکلا رہ سکیں گے۔“

”تب تو مجھے کہنے دیجئے کہ راجن آپ کا دشمن ہے اور اس طرح آپ کی جان لینا چاہتا ہے۔“

”اُرے نہیں....!“ وہ ہنسنے لگا۔

کرانے دار برآمدے ہی میں موجود تھے۔ ان کی آہٹ پر ایک آدمی مزکر باہر دیکھنے لگا۔

”اُرے....!“ دفعتاً طاہرہ چلتے چلتے رک گئی اور ساتھ ہی وہ آدمی بھی اچھل پڑا۔ اس کی اس حرکت پر دوسرے نے بھی مزکر ان کی طرف دیکھا۔

”یہ تو ہی دونوں ہیں۔“ طاہرہ بڑی بڑی۔

”کون.... وہی.... نہیں....!“ کورنیلیا بھی تھیر نظر آنے لگی۔

طاہرہ پہلے تو تسلی تھی گراوب وہ آگے بڑھی۔

اُدھر پھلوں کے شیرے نے دوسرے سے کہا۔ ”کیوں؟ میں نہ کہتا تھا کہ آسیب دیں سے ہمارے پیچے لگے ہوئے آئے ہیں۔“

”اوہ.... آئیے آئیے۔“ دوسرا آدمی اٹھتا ہوا بولا۔

وہ دونوں اوپر برآمدے میں آنکھیں۔ یہاں اور بھی کرسیاں موجود تھیں۔

”بیٹھئے....!“ اُس نے کہا۔

طاہرہ تو آگئی تھی لیکن اُس کے قریب بیٹھنے ہوئے اُس کی پھر وہی حالت ہو گئی جو پہلی بار دراں شیرے اپنے پاپ میں تباہ کو بھرنے لگا تھا اور اُس کی نظر اسی پر تھی۔

”خیر....!“ طاہرہ نے ایک طویل سانس لیکر کہا۔ ”لیکن ان زینوں سے ہوشیار رہنے گا۔“

پھلوں کا شیر کورنیلیا کو گھور رہا تھا اور کورنیلیا بڑی بے پرواں سے دوسری طرف دیکھ رہی تھی۔

”لیکا آپ اس عمارت کی ہشتہری سے واقف ہیں۔“ طاہرہ نے دوسرے آدمی سے پوچھا۔

”جی ہاں اچھی طرح۔“ اُس نے آہستہ سے جواب دیا۔

”اس کے باوجود بھی.... خیر.... میں آپ کو یہی مشورہ دوں گی کہ آپ کسی کی دوسرے سے میں منتقل ہو جائیے۔“

”شکریہ.... لیکن میں آپ کی اس کرم فرمائی کا مقصد ضرور پوچھوں گا۔“

”بس یو نہیں! کیا آپ ایک دن میرے کام نہیں آئے تھے۔“ طاہرہ نے سر جھکائے ہوئے جواب دیا۔ وہ خود میں اتنی ہستہ ہی نہیں پاتی تھی کہ اُس سے آنکھ ملا کر گفتگو کر سکتی۔ نہ جانے اس کی آنکھوں میں کیا تھا۔ بظاہر وہ کچھ غنودہ سی تھیں۔ کچھ اداس سی۔ پلکیں نیچے کی طرف جھلی

”آپ بھی سہیں کہیں مقیم ہیں۔“ پھلوں کے لیے نے پوچھا۔

”جی ہاں.... میں شالی رخ کے کروں میں ہوں۔“

”اچھی بات ہے تو میں آپ کی نصیحت پر عمل کروں گا۔ اپنا سامان آپ کے کروں میں لے

چلنا ہوں۔ انہیں سہیں رہنے دیجئے۔“

دوسرے آدمی نے اسے گھور کر دیکھا اور وہ اپنا سر سہلانے لگا۔

”تو گویا وہ موتیں...!“

”ہاں! میں سمجھ گئی تم جو کچھ کہنا چاہتی ہو۔ مگر ان موتیں کے ذمہ دار ہمارے خاندان والے

نہیں ہیں۔ چھ ماہ قبل جس آدمی کو حادثہ پیش آیا تھا اُسے روکنے کے لئے ہم نے ایڑی چوٹی کا زور لگا

باقھا لیکن کامیابی نہیں ہوئی تھی۔“

”وہ تھا کون....؟“

”پتہ نہیں کون تھا۔ اُس کے متعلق آج تک کچھ نہیں معلوم ہو سکا۔ اپنی موت سے دو ماہ

قبل ہمارے یہاں آیا تھا۔“

”مگر تم کہانی تو سنانے جا رہی تھیں۔ کیا ان کے کہانیوں کے علاوہ کوئی اور بھی واسطان ہے جو

عام طور پر مشہور ہے۔“

”ہاں! لیکن کورنیلیا تم کسی سے اس کا تذکرہ نہیں کرو گی۔“

”بھی نہیں۔“

”میں تمہیں صرف اس لئے بتا رہی ہوں کہ ہمیں اس سلسلے میں کچھ کرتا ہے۔“

”میں اس کے لئے بھی تیار ہوں۔“

اپاںک کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”کون ہے۔“ طاہرہ نے جھلانے ہوئے لبھ میں پوچھا۔

”تو اس میں خطا ہونے کی کیا بات ہے۔“ باہر سے آواز آئی۔

”یہ تو اسی لفٹکے کی آواز ہے۔“ کورنیلیا نے آہستہ سے کہا۔

طاہرہ کچھ نہ ہوئی۔ اُس کے ہونٹ بھپنے ہوئے تھے۔ آخر اٹھ کر اُس نے دروازہ کھول دیا۔

لیکن برآمدے میں کوئی بھی نہیں تھا۔

”کون ہے؟“ طاہرہ نے بلند آواز میں پوچھا لیکن کوئی جواب نہ ملا۔ پھر وہ کمرے سے ٹارچ

کھال لائی اور پاکیں باع میں اُس کی روشنی ڈالنے لگی۔ اُس پاس ایک تنفس نظر نہیں آیا۔

وہ دونوں پھر کمرے میں آگئیں اور دروازہ اندر سے بند کر لیا گیا۔

”آواز تو اسی کی تھی۔“ کورنیلیا نے کہا۔

”اوہ نہہ...!“ طاہرہ آتش دان سے کافی کابر تن اتارتی ہوئی نہ اسمند بنا کر ہوئی۔ ”شاید وہ

ہمیں ذرا ناچاہتا ہے۔
”کیا آپ دروازہ نہیں کھولیں گی۔“ باہر سے آواز آئی۔
”نہیں...!“ طاہرہ نے سخت لبج میں کہا۔

”اچھا تو پھر میں کسی رخنے یا سوراخ سے اندر آ جاؤں گا۔ لیکن آپ اس وقت ”فاذل“ کا نعرو
نہیں لگائیں گی۔“

”جواب مت دو۔“ طاہرہ نے آہستہ سے کورنیلیا سے کہا۔
کورنیلیا مسکرائی لیکن وہ آہستہ آہستہ دروازے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ پھر وہ دیوار سے لگ
کر کھڑی ہو گئی۔

”اچھا تو میں آہا ہوں۔“ باہر سے آواز آئی اور ساتھ ہی کورنیلیا نے چھین گر کر دروازہ کھول دی۔
لیکن آنے والا صرف سختی ہوا کا ایک جھونکا تھا جس سے ٹکرنا سامنے کی دیوار پر لٹکا ہوا
کینڈر ملنے لگا۔ باہر پہلے ہی کاسٹانی طاری تھا۔ کورنیلیا نے جھپٹ کر مارچ اٹھائی اور باہر نکل گئی۔

دولان پر کوئی کھڑا تھا۔ اس نے روشنی ڈالی۔ یہ وہی لفڑا تھا۔
وہ اس کی طرف بڑھنے لگا اور قریب آ کر بول۔

”اب ٹھیک ہے میں دراصل تمہیں ہی باہر لانا چاہتا تھا۔“
”کیوں؟“ کورنیلیا نے درشت لبج میں پوچھا۔

”میں تمہارا نام بھول گیا تھا۔ یاد کرنے کی کوشش کی تو بھن ہونے لگی سوچا چل کر پوچھ ہی
لوں لیکن اس کچھ ہی لڑکی کی موجودگی میں نہیں پوچھنا چاہتا تھا۔“

”کیا ہم میں بے تکلفی ہے۔“ کورنیلیا نے جملائے ہوئے انداز میں پوچھا۔
”نہیں ہے تو اب ہو جائے گی اس کی فکر غسل ہے۔ ہاں تو مجھے تمہارا نام گورنیلیا یاد آ رہا تھا۔
کیا صحیح ہے۔“

”تم گدھے ہو۔ خود کو نہ جانے کیا سمجھتے ہو۔“
”مجھے افسوس ہے کہ تم بھی اس کی طرح چڑپتی اور بد دماغ نہیں۔“ اس نے ماہ سانہ انداز
میں کہا۔

کورنیلیا کچھ سوچنے لگی۔ پھر دفتار اس نے اپنی آواز میں نرمی اور لگاؤٹ پیدا کر کے کہا۔ ”میں

نہلٹے نہیں کہا تھا کہ تم گدھے ہو۔ یہاں کتنی سردی ہے۔ کیا تم کمرے میں نہیں چل سکتے۔“
”وہ چڑپتی بد مرگی پیدا کر دے گی۔“

”ہرگز نہیں تمہارا منہ میٹھا ہو جائے گا۔ ہم نے کافی تیار کی ہے۔“

کورنیلیا اسے کمرے میں لائی تھیں قتل اس کے کہ طاہرہ کچھ کہتی اُس نے کہا۔ ”بگرنے کی
روت نہیں۔ یہ باہر سردی کھا رہے تھے۔“

”جی ہاں.... روکھی سردی۔“ وہ مسکرا کر بولا۔ انہوں نے کہا کہ اندر حلق ترکنے کے
لئے بھی کچھ مل جائے گا۔“
طاہرہ خاموش ہی رہ گئی۔

کورنیلیا نے دروازہ بند کر دینے کے بعد اس سے تھکمانہ لبج میں کہا۔ ”بیٹھ جاؤ۔“
وہ ایک آرام کرسی میں گرتا ہوا کر لے۔

”انہیں ایک کپ کافی چاہئے۔“ کورنیلیا اپنی بائیں آنکھ دبا کر بولی۔
طاہرہ سر ہلا کر دروازے کی طرف گئی اور اسے مقفل کر کے کنجی جیب میں ڈال لی۔
”ہمیں....!“ وہ اچھل کر کھڑا ہو گیا۔

”میں قوت میں تم سے کم نہیں ہو سکتی۔“ طاہرہ تین اندازوں میں مسکرائی۔ ”اور پھر ہم دو ہیں۔“
”یا اللہ....!“ وہ آنکھیں پھاڑ کر بولا۔ پھر اپنا سر سہلانے لگا۔
”بیٹا کہ تم لوگ کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔“

”ہم لوگ احمد ہیں اور جان دینے آئے ہیں۔ اسے بھوت مارڈاں گے اور میں تو خیر اسی
تھا۔“ مگر گیا تھا جب پہلی بار تم نظر آئی تھیں اور میں کورنیلیا کو دیکھ لینے کے بعد تو خیر جھینرو
ٹھیں بھی ہو گئی۔ حسرت ان گدھوں پر ہے جو بن کلے مر جھاگئے۔“

”کورنی....!“ طاہرہ کورنیلیا کی طرف دیکھے بغیر بولی۔ ”میرے سوٹ کیس میں چڑے کا
کبوگا.... نکالو....!“

”نکالو بھی! کھڑی منہ کیا دیکھتی ہو۔“ چھلوں کے لیے نے کورنیلیا سے کہا۔ ”میں ہمیشہ
اُسے کاہنڑ کافی میں گھوکر کھاتا ہوں۔“

”تم شاید مذاق سمجھتے ہو۔“ طاہرہ اسے تیکھی نظروں سے دیکھ کر غصیلے لبج میں بولی۔

”میں تمہیں پیوں گی۔ تم بے بھی سے پتے رہو گے اگر غل غپاڑہ مچاؤ گے تو پھر جانے تھی ہر کیا ہو گا۔ لوگ تمہاری کسی بات پر یقین نہیں کریں گے۔“

”اور تم فارغ الbal ہو جاؤ گے۔“ کورنیلیا نے کہا۔ ”بچھائیں ہنر لاتی ہوں۔“

”ذرا سُبھر ہے! وہ ہاتھ اٹھا کر بولا۔“ اب مجھے سوچنا پڑے گا۔ میں سمجھدہ ہوں۔“

”کیا سوچنا پڑے گا۔“

”یہی کہ میں اس وقت بڑی خراب پوزیشن میں ہوں۔ اگر میرا شور سن کر کچھ آدمی آگئے تو میں بچھ فارغ الbal ہو جاؤں گا۔“

”بجھتے ہوں۔“ کورنیلیا نے مٹھکے اڑانے والے انداز میں پوچھا۔

”بالکل سمجھتا ہوں۔ اس لئے میں نے فیصلہ کیا ہے کہ منہ سے ایک لفظ نکالے بغیر چپ چاپ ہنڑوں کا شمار کرتا رہوں گا۔“

”نہیں طاہرہ۔“ کورنیلیا سر ہلا کر بولی۔ ”اس سے کام نہیں چلے گا۔ کیوں نہ ہم دونوں یونیورسیٹیاں شروع کر دیں۔“

”مچاؤ...!“ لیئرے نے لاپرواپی سے کہا۔ ”خوب حق پھاڑو۔ جب لوگ اکھا ہو جائیں تو جو دل چاہے اُن سے کہہ دینا۔ میں اول درجے کا بے حیا ہوں۔ سو بچاں جو توں میں عزت نہیں جاتی اور ہزار دو ہزار مارنے کوں آئے گا.... ہاں شروع ہو جاؤ۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔ مگر اس سے پہلے اگر کافی کا ایک کپ مل جاتا تو اچھا تھا۔“

طاہرہ خونخوار نظروں سے اُسے گھورتی رہی۔ البتہ کورنیلیا بے تحاشہ نہ رہی تھی۔ ”میں ہر وقت ہر قسم کے حادثات کے لئے میار رہتا ہوں۔“

”تو بتا دو چم ڈیزر تم کون ہو اور یہاں کیوں آئے ہو۔“ کورنیلیا اس کا سر سہلا کر بولی۔

”پہلے ہی اس طرح پوچھا ہوتا۔ خواہ خونخوار اپنا اور میرا وقت برپا کیا۔ لا دکافی لاو۔ ذرا دماغ کی خلکی رفع ہو تو اپنی شخصیت اور یہاں آنے کے مقصد پر روشنی ڈالوں۔“

کورنیلیا کپ میں کافی اٹھ لینے لگی۔ طاہرہ اب بھی وہیں کھڑی تھی اور اس کے چہرے پر درشتی کے آثار اب بھی موجود تھے لیکن اس نے کورنیلیا کو روکا نہیں۔ کورنیلیا نے کافی کا کپ چلوں کے لیئرے کو دیتے ہوئے کہا۔

”بس اب شروع ہو جاؤ۔ زیادہ یو توف بنانے کی کوشش فضول ہے۔ ورنہ پھر میں طاہرہ کو سی طرح نہ روک سکوں گی۔“

”اوہ! تو کیا میں ان محترمہ سے خائف ہوں۔“

”تم یقیناً خائف ہو۔“ کورنیلیا نے کہا۔ ”اور زبردستی دلیر بننے کی کوشش کر رہے ہو۔“

”چلو خیر یہیں کہیں۔ تمہارے کہنے سے میں اسے تسلیم کیے لیتا ہوں۔ تم بھی کیا یاد کرو گی۔“

”تحوڑی دیر تک خاموشی رہی۔ اُس نے جلد ہی پیالہ خالی کر کے میز پر رکھ دیا اور جیب سے پاپ کاں میں تباکو بھرنے لگا۔“

”تم پھر خاموش ہو گئے۔“ کورنیلیا نے اُسے ٹوکا۔

”آ..... ہاں..... اچھا..... سُبھر و....!“ وہ پاپ کو دانتوں میں دبا کر دیا سلامی جلانے لگا۔

طاہرہ سامنے والی کرسی پر بیٹھ گئی۔ لیکن اس کے ہونٹ اب بھی بھچنے ہوئے تھے اور الجھن انگوں سے متشرع ہو رہی تھی۔

اُس نے ایک بار بھی کورنیلیا کی طرف نہیں دیکھا۔ اُس کی نظر چلوں کے لیئے کی طرف تھی جو سر جھکائے پاپ سکا رہا تھا۔

اُس نے دو تین کش لے کر دھوئیں کے بادل اڑائے اور سنجیدگی سے بولا۔

”میرے بڑے بھائی کمال صاحب اچھے خاصے بھوت ہیں۔ عالم یہ ہے کہ رات کو سوتے ہوتے چوکے۔ اٹھ کر بیٹھ گئے۔ پھر جو بھی قریب ہوا اُس کی شامت آگئی۔ کہتے ہیں انھوں نہیں کے۔“

گھری کی طرف دیکھتے تو تمن بجے ہیں۔ ٹھلنے کہاں جائیں گے۔ مر گھٹ.... خدا کی پاہ۔ پاروں طرف ہو کا عالم۔ کالی اور سیاہ رات۔ ذرا ایسے میں کسی مر گھٹ کا تصور کیجئے۔ بس جتاب

ٹھل رہے ہیں۔ ٹھلی ہوئی چناؤں کی راکھ کریدی جا رہی ہے۔ کسی طرح اس عمارت کے متعلق سن لیا اور بس آپ دیکھ عی رہی ہیں۔ میں توجہ سے یہاں آیا ہوں رات پھر جا گتا ہوں اور دن پھر بھر ہوئے کاپ و گرام رہتا ہے۔“

”اُس میں سچائی کنتی ہے۔“ طاہرہ نے بڑی دیر بعد تلخ بجھ میں پوچھا۔

”جتنی آپ سمجھ لیں۔“ اُس نے لاپرواپی سے کہا۔

”بچھلی رات کسی گذری۔“ کورنیلیا نے پوچھا۔

”وہاں پتہ نہیں کیا ہوا رہا ہے۔ میں نے ابھی ایک فائز کی آواز سنی تھی۔“ چوکیدار نے ہانپتے ہوئے کہا۔

”فائز کی آواز....!“ طاہرہ کے لبجھ میں حیرت تھی۔

”جی ہاں! وہ سو فیصدی فائز ہی کی آواز تھی۔“

چلوں کا لٹیر اٹھ کر دروازے کی طرف چھپا۔ اس کے ساتھ ہی طاہرہ بھی نکلی۔ پھر وہ بڑی حیرتی سے عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہے تھے۔ ان کے ساتھ چوکیدار بھی تھا۔

برآمدے میں بخوبی انہوں نے کچھ اس قسم کی آوازیں سنی جیسے بند کمرے میں دھڑادھڑ فرنچ گر رہا ہو۔ کچھ آدمی لڑپڑے ہوں۔ قدموں کی آوازیں بھی سنائی دے رہی تھیں۔

”کون ہے.... کون ہے۔“ چوکیدار نے ڈری ڈری آواز میں ہاںک لگائی۔

”سوتے جا گئے رہو۔“

اندر کی آوازوں میں سرعت اور تیزی پیدا ہو گئی۔

”کیا کمال صاحب اندر ہیں۔“ طاہرہ نے اس سے پوچھا۔

”جی ہاں! میں انہیں یہیں چھوڑ کر نکلا تھا۔“ اس نے جواب دیا اور آگے بڑھ کر دروازہ پہنچنے لگا۔ پھر اس نے چیخ کر کہا۔ ”گھبرا یے گا نہیں۔ یہاں بہت سے لوگ ہیں۔“

لیکن اندر سے آوازیں آنی بند ہو گئیں لیکن وہ برابر پیشہ رہا۔
دو منٹ گذر گئے۔ پھر کمرے کے اندر قدموں کی آوازیں گوئیں لگیں جو آہستہ آہستہ دروازے کے قریب آرہی تھیں۔

دروازہ ایک جھٹکے کے ساتھ کھلا۔ کمال سامنے کھڑا نہیں تھا۔ آکوڈ نظر وہ سے گھور رہا تھا۔
اس کے بال کھڑے ہوئے تھے اور شب خوابی کا لباس تار تار ہوا تھا۔

”کیا بات ہے۔“ طاہرہ نے گھبرائے ہوئے لبجھ میں پوچھا۔

”کچھ نہیں کوئی بات نہیں۔“ اس نے خلاف توقع زرم آواز میں کہا۔ درشتی کے آثار آن واحد میں غائب ہو گئے تھے۔ لیکن طاہرہ اس کے بعد پھر کچھ نہ سن سکی۔ کیونکہ اس نے اپنے ساتھی کو اندر کھینچ کر دروازہ بند کر دیا تھا۔

وہ دونوں کافی دیر تک برآمدے میں گم کھڑی رہیں۔

”بہت بڑی۔ رات بھر بیان روتی رہیں۔“ سچ جب صحن میں نکلے تو زینوں کے نیچے پانچ سیاہ بلیوں کے سر ملے۔“

”تمہیں خوف نہیں محسوس ہو۔“

”نہیں بھائی کمال کی موجودگی میں بھتوں سے ڈرنا فضول ہے بلکہ منطقی اعتبار سے قطعی لغو۔ کیونکہ اگر کوئی شخص بھائی کمال سے خائف نہیں تو سمجھ لیجئے کہ دنیا کا بڑے سے بڑا بھوت اس کا کچھ نہیں بجا سکتا۔“

طاہرہ کو یہ بیک دوسرے آدمی کی آنکھیں یاد آگئیں اور وہ کانپ کر رہ گئی۔ لہذا ایسی صورت میں وہ اُس کے بیان کی تردید کیسے کر سکتی تھی۔ ایسی جو عام آدمیوں میں نہیں ہوتی۔

”میں تمہاری آمد کا مقصد معلوم کرنا چاہتی ہوں۔“ طاہرہ نے کہا۔

”بھائی صاحب نے ابھی تک مقصد پر روشنی نہیں ڈالی۔ البتہ وہ ساری رات صحن ہی میں گذارتے ہیں اور صحن ہی پر بھتوں کی سحرانی ہوتی ہے۔“

”اور تم کیا کرتے ہو۔“

”بُس واویلا نہیں کرتا اور سب کچھ کر گزرتا ہوں۔ سوچنے کی بات ہے۔ خدا کی پناہ میں کمال سکت اور کیا کیا بتاؤ۔“

”میں تم لوگوں کی آمد کے مقصد کے علاوہ اور کچھ نہیں جانتا چاہتی۔“

”جب بھی مجھے مقصد معلوم ہو اُس کے ایک گھنٹے کے بعد تمہیں بتا دوں گا۔“

طاہرہ کچھ کہنے ہی والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔

”کون ہے؟“ کوئی ملیا نے پوچھا۔

”چوکیدار....!“ باہر سے آواز آئی۔

”کیا بات ہے۔“ طاہرہ نے اٹھ کر قفل میں کنجی گھماتے ہوئے کہا۔

لیکن دروازہ کھلنے تک باہر سے کوئی جواب نہیں ملا۔ چوکیدار سامنے کھڑا تھا۔ جیسے ہی اس کی نظر اس آدمی پر پڑی اس نے کہا۔

”اوہ آپ یہاں ہیں۔“

”کیوں کیا بات ہے۔“ وہ اٹھتا ہوا بولا۔

ہرے کمرے میں چلی گئی۔
 ”ہنڑ کیا کرو گے۔“ طاہرہ نے ساجد سے پوچھا۔
 ”اگر دیکھنا چاہو تو میرے ساتھ چل سکتی ہو۔“
 ”میاد یکھوں گی۔“
 ”بہت کچھ.... بلکہ اس سے بھی زیادہ۔“ اُس نے کہا اور پھر کچھ سوچ کر مسکرانے لگا۔
 ”پھر کوئی شرارت....!“ طاہرہ بھی مسکرائی لیکن جلد ہی سمجھی گی اختیار کر کے بولی۔ ”کمال
 ادب اندر کیا کر رہے تھے۔“
 ”یہ بتانا بہت دشوار ہے۔ لیں وہ چیز دیکھنے ہی سے تعلق رکھتی ہے۔“
 ”مجھے تم پر اعتماد نہیں ہے۔“

”جانے دو.... میں خوشاب تونہیں کرتا۔“ ساجد نے لاپرواںی سے کہا۔
 کورنیلیا اپس آگئی۔ اُس کے ہاتھ میں چڑے کا ایک بہت بڑا ہنڑ تھا۔
 ”آخر ہنڑ کی ضرورت کیوں چیش آئی۔“ طاہرہ نے پوچھا۔ اُس کے چہرے پر الجھن کے
 ٹارتھے۔

”کوئی خاص بات نہیں ہے۔ میں تھوڑی دیر بعد واپس کر دوں گا۔“
 ساجد کورنیلیا کے ہاتھ سے ہنڑ لے کر باہر چلا گیا اور پھر وہ دونوں تھوڑی دیر تک ایک
 امرے کی طرف دیکھتی رہیں۔
 ”میں دیکھوں گی کہ وہ ہنڑ کیوں لے گیا ہے۔“ طاہرہ نے کہا اور دروازے کی طرف بڑھی۔
 ”ونہہ! لے گیا ہو گا۔ چلو اور خونکھا خود کو الجھن میں ڈال رہی ہو۔ مجھے نیند آرہی ہے بھی۔“
 ”تم سو جاؤ۔“ طاہرہ نے دروازے میں رک کر کہا۔
 کورنیلیا کا دل تو نہیں چاہتا تھا لیکن اُسے مجرور اُس کا ساتھ دینا پڑا وہ نہیں چاہتی تھی کہ
 ٹاہرہ اُسے ڈرپوک سمجھے۔

باہر بالکل ستانہ تھا۔ کبھی کبھی جو کیدار کی صدا ”سوتے جا گتے رہو“ ستائے میں لہراتی ہوئی دور
 نر پہنچتی جاتی۔
 وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔ ان کی رفتار معمول سے زیادہ تھی۔
 اُمرے کے قریب پہنچ کر دبے باؤں اور پر چڑھ گئیں۔
 دروازے کی جھریلوں سے کمرے کی روشنی دکھائی دے رہی تھی۔ طاہرہ نے سینڈل بھی اتار

بھیانک چہرہ

انہوں نے چوکیدار کو رخصت کر دیا اور چپ چاپ اپنے کردوں کی طرف روانہ ہو گئی۔
 طاہرہ کے پیر لٹکھرا رہے تھے۔ وہ بدقت تمام اپنے کردوں تک پہنچیں کورنیلیا کی حالت بھی کچھ
 اچھی نہیں تھی۔ اس کا دل بڑی شدت سے دھڑک رہا تھا اور زبان خلک ہو کر تالوں سے لگ گئی
 تھی۔ کمرے میں داخل ہو جانے کے بعد بھی ان کی حالت اعتدال پر نہیں آئی۔
 طاہرہ ایک گلاں ٹھنڈا اپانی چنھا کر آرام کر سی میں گرگئی پھر تقریباً پانچ منٹ تک کمرے میں
 سکوت طاری رہا۔ وہ دونوں خاموشی سے ایک دوسرے کی طرف دیکھے جا رہی تھیں بلا آخر طاہرہ بولی۔
 ”کمرے میں اُس کے علاوہ اور کون تھا۔“
 ”میرا خیال ہے.....!“ کورنیلیا اتنا ہی کہہ کر خاموش ہو گئی اُس نے اپنا خیال ظاہر نہیں کیا۔
 طاہرہ کچھ کہنے والی تھی کہ کسی نے دروازے پر دستک دی۔ ساتھ ہی آواز آئی۔
 ”میں ہوں۔ دروازہ کھول دو۔“

یہ ساجد کی آواز تھی۔ چپلوں کے لیے نے انہیں اپنانام ساجد بتایا تھا۔
 کورنیلیا نے اٹھ کر دروازہ کھول دیا۔ یہ ساجد ہی تھا۔ لیکن طاہرہ کو اُس کے چہرے پر
 سرا سیمکی یا پریشانی کے آثار نہیں نظر آئے۔
 ”کیا چجع تھا رے پاس چڑے کا کوئی ہنڑ ہے۔“ اُس نے پوچھا۔
 ”ہاں ہے تو.... کیوں؟“ طاہرہ کرسی سے اٹھتی ہوئی بولی۔
 ”ضرورت ہے.... واپس کر دیا جائے گا۔“

”میرا خیال ہے کہ تم لوگ اس عمارت سے بھی زیادہ نہ اسرار ہو۔ وہاں کمرے میں کیا ہو رہا تھا۔“
 ”دیکھو گی۔“ اُس نے پوچھا۔
 ”کیا؟“
 ”وہی جو کمرے میں ہوا ہے۔“
 طاہرہ نے اقرار یا انکار کی صورت میں جواب نہیں دیا بلکہ خاموشی سے اسے گھورتی رہی۔
 ”چڑے کا ہنڑ۔“ ساجد نے پھر کہا۔
 ”اُسے نکال لاؤ۔“ طاہرہ کورنیلیا کی طرف مڑ کر بولی۔ کورنیلیا کچھ سوچتی ہوئی اٹھ کر

دیے اور پجou کے مل چلتی ہوئی ایک دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ کورنیلیا بھی اُس کی تحریر کر رہی تھی۔

کمرے کے اندر کا منظر عجیب تھا۔ نہ جانے کیوں طاہرہ نے بوکھلا کر اپنی آنکھیں بند کر لیں۔

کورنیلیا کامنہ حیرت سے کھل گیا۔

کمال ایک کرسی میں بندھا ہوا تھا اور ساجد ہاتھ میں ہٹر لئے ہوئے اُسے گھور رہا تھا جیسے اُس سے پہلے بھی دوچار ہاتھ رسید کر چکا ہو۔

”تو تم نہیں بولو گے... کیوں؟“ ساجد نے غصیلی آواز میں کہا۔

لیکن کمال نے کوئی جواب نہیں دیا۔ اسکا نچلا ہونٹ دانتوں میں دبا ہوا تھا اور آنکھیں بند تھیں۔

”شاہیں...!“ ساجد نے ہٹر رسید کیا لیکن کمال پھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت رے پر پڑی۔ یہ سو فصدی کمال ہی تھا۔

بیٹھا رہا۔ پھر ایسا معلوم ہوا جیسے یک بیک ساجد پر ہٹر بر سانے کا بھوت سوار ہو گیا ہو۔ ”شاہیں شاہیں“ کی آوازیں بغیر توقف کمرے میں گونج رہی تھیں۔

طاہرہ کا قلب اتنے لگا۔ اُسے کمال کی خاموشی پر حیرت تھی۔

ساجد نے اُسے بتایا تھا کہ کمال اس کا بڑا بھائی ہے۔ لیکن یہ کیا ہو رہا تھا... اور اسی حالت میں اُسے کیا کرنا چاہئے۔

اچانک انہوں نے پشت پر کسی کے قدموں کی آواز سنی اور بے ساختہ چوک کر مڑیں اُن وہ چپ چاپ بیٹھ گئیں۔

سے تھوڑے ہی فاصلے پر ایک دھنڈ لاسا سایہ نظر آ رہا تھا۔

”تم بات ہے۔“ سائے کی سر گوشی اجیسی صاف سنائی دی۔

طاہرہ کے ہاتھ میں دبی ہوئی تاریخ کا ٹین دب گیا اور دوسرے ہی لمحے میں وہ لزکھڑا کر دیا۔

سے جاگی۔ اس کی تاریخ کی روشنی جس آدمی پر پڑی تھی وہ کمال کے علاوہ اور کوئی نہیں ہو سکتا گمراہ

اب بھی ہٹر کی ”شاہیں شاہیں“ گونج رہی تھی۔ طاہرہ کا سر چکرا گیا۔ کورنیلیا بھی اسی سے گی ہوئی تھی۔

دو نوں کے جسم تمری طرح کانپ رہے تھے۔ کورنیلیا بھی دروازے کی جھری

کمرے کے اندر کے حالات دیکھتی رہی تھی۔ اور ادھر تاریخ کی روشنی میں اس نے بھی کمال پہچان لیا تھا۔

”ڈرو نہیں۔“ انہوں نے پھر سر گوشی سنی۔ ”چلو میں تمہیں تمہارے کردوں سک چوڑی کوگی۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ یہاں سے چلی ہی جاؤ۔“

”چلو....!“ اس پار انداز میں تھکم تھد۔ طاہرہ ہمت کر کے آگے بڑھی۔

”سینڈل پہنو....!“

ان دونوں نے مشینوں کی طرح حکم کی قیل کی اور برآمدے سے نیچے اتر گئیں۔ سایہ ان کے ساتھ چل رہا تھا۔

وہ شامی برآمدے تک ان کے ساتھ گیا جب وہ اوپر برآمدے میں پہنچ گئیں تو اُس نے ”ٹھہرو۔ میں دوچار باتیں بھی کروں گا۔ کرہ کھولو۔“

طاہرہ نے کمرے کے دروازے کے دونوں پٹ کھول دیے۔ اندر کی روشنی سائے کے ”شاہیں....!“ ساجد نے ہٹر رسید کیا لیکن کمال پھر کے بت کی طرح بے حس و حرکت رے پر پڑی۔

کمرے میں داخل ہو کر اُس نے دروازہ بند کر دیا۔ ”سگار کا دھوان گراں تو نہیں گزرے گا۔“ کمال نے دانتوں میں سگار کا گوشہ کاٹنے ہوئے

چھا... طاہرہ نے نقی میں سر ہلا دیا۔

”میں بھوت نہیں ہوں۔“ کمال نے سگار سلاکاتے ہوئے کہا۔ ”تم دونوں بیٹھ جاؤ۔ تمہارے یہ کانپ رہے ہیں۔“

کمال نے دونوں پر اچھی سی نظر ڈالی اور دونوں کو دائرے کی ٹھل دے کر آہستہ آہستہ ”موال چھوڑنے لگا۔

”بہت زیادہ ولیر ہونا بھی اکثر مشکلات پیدا کر دیتا ہے۔“ کمال نے آہستہ سے کہا۔ ”اب تم ”

”نوں اپنے کردوں سے باہر نہیں نکلو گی۔“

”لیکن یہ کیا ہو رہا ہے۔“ طاہرہ بڑھ رہی۔

”اس عمارت کے لئے کوئی غیر متوقع بات تو نہیں۔“ کمال نے کہا۔ ”آپ کون چیز۔“

”میں کمال ہوں۔ تمہارا کرایہ دار....!“

”اور وہ... وہاں.... کمرے میں....!“

”اوہ....!“ کمال مسکرا یا۔ ”وہ میرا بھوت ہے۔ لیکن تم دونوں اس کا تذکرہ کسی سے نہیں لوگی۔ بہتر تو یہ ہو گا کہ یہاں سے چلی ہی جاؤ۔“

”آپ مجھے اُس آدمی کے متعلق بتائیے جو کرے میں...!“
”نہیں.... بس تم کرے سے نہیں نکلے گی۔ اسی میں تمہاری بہتری ہے۔“
کمال جانے کے لئے مڑا۔ مگر دروازے کے قریب پہنچ کر پھر رک گیا اور ان کی طرف
دیکھے بغیر بولا۔ ”ایڈو پچر کا شوق نہ نہیں ہوتا لیکن ہم ساتھ کے منہ میں انگلی دے دیتے کو تو
ایڈو پچر نہیں کہیں گے۔“

”کمال صاحب۔“ طاہرہ کپکپاتی ہوئی آواز میں بولی۔ ”آپ کا ہم شغل کون تھا۔“

”ہم شغل تھا۔“ کمال ان کی طرف مڑ کر مسکرا یا۔ ”میا تمہیں اس پر حیرت ہے کہ ہم نے
ایک بہوت پکڑا یا ہے۔ وہ جو میرا ہم شغل ہے۔ اس عمارت میں کسی بات پر حیرت کرنا بجائے خود
حیرت انگیز ہے.... اور پھر جب حیرت کرنے والی عمارت کے مالکوں میں سے ہو.... تو....
مجھے حیرت کی وجہ ضرور معلوم کرنی پڑے گی اور میں یہ چاہوں گا کہ تم جو داستان کورنیلیا کو سنانا
چاہتی تھیں مجھے بھی سنادو۔“

”آپ! آپ کو کیسے علم ہوا۔“ طاہرہ نے بے ساختہ پوچھا۔
”یہ بھی کوئی حیرت انگیز بات نہیں۔ ساجدنے تمہاری گفتگو کا کچھ حصہ سن لیا تھا مگر“

بالکل گدھا ہے اُسے پوری داستان سننی چاہئے تھی۔ تم سنانے کے موذ میں تھیں تا۔“
”ضروری نہیں کہ وہ آپ کو بھی سنائی جائے۔“ طاہرہ نے خٹک لبھجے میں کہا۔ لیکن پھر نہ
جانے کیوں اُسے اس کھر درے بن پر افسوس ہونے لگا۔

”آپ کی مرضی۔“ کمال نے لاپرواں کے اظہار میں اپنے شانوں کو جنتش دی اور دروازہ
کھول کر باہر نکل گیا۔
کورنیلیا نے جھپٹ کر چھنچی چڑھادی اور ایک آرام کری میں گر کر دونوں ہاتھوں سے منہ
چھپا لیا۔
”کیوں تمہیں کیا ہو گیا۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”میرے خدا! اُس کی آنکھیں۔ میں نے سنائے کہ خبیث رو جیں جیتے جا گتے انہوں کی شکل
میں آسکتی ہیں۔ لیکن وہ مخاطب سے آنکھ ملا کر بات نہیں کر سکتیں۔ تم نے دیکھا تھا بات کرتے
وقت وہ دوسری طرف دیکھنے لگتا تھا۔ اور ویسے بھی اُس کی آنکھیں الکی معلوم ہوتی ہیں جیسے کہ
سنمان جنگل میں دوچار اغ روشن ہوں۔“

”آہا.... تم نے تو شاعری شروع کر دی۔“ طاہرہ ہنسنے لگی۔

”تو کیا تم اُسے انسان سمجھتی ہو۔ کیا تم نے اُسے کری میں بندھا ہوا نہیں دیکھا تھا۔ وہ بیک
دلت، ہنر کی مار بھی کھارا تھا اور باہر ہم سے ہم کلام بھی تھا۔“
طاہرہ پکھنہ بولی۔ وہ خود بھی اسی مسئلے پر غور کر رہی تھی۔
”لیکن اُس نے ہمیں باہر نکلنے سے کیوں روکا ہے۔“ طاہرہ نے کہا۔
”یہ بات سمجھ میں نہیں آتی۔“

”تو ہوڑی دیر تک خاموشی رہی پھر طاہرہ نے کہا۔“

”کچھ سمجھ میں نہیں آتا کہ آخر یہ دونوں یہں کون۔“

”طاہرہ کہیں ہم کسی جاں میں تو نہیں پھنس گئے۔“ کورنیلیا نے تشویش آمیز لبھجے میں کہا۔
طاہرہ کی پیشانی پر شکنیں تھیں جن سے ذہنی یہجان مترش تھا۔ وہ کافی دیر تک خاموش رہی
پھر بولی۔ ”ہو سکتا ہے۔ ہو سکتا ہے۔“

”کیا ہو سکتا ہے۔“
”اوہ! کچھ نہیں.... کورنی ڈیڑا باب ہمیں سو جانا چاہئے اور کل تم واپس چلی جانا.... میں یہیں
لے ضروری ہو گیا ہے۔“

”تم پاگل ہو گئی ہو۔“
”تم اپنی کہو۔ تم کیا سمجھتی ہو۔“
”میں.... میں فی الحال کچھ نہیں کہہ سکتی۔ ان دونوں کے متعلق معلومات ہم پہنچانا میرے
لئے ضروری ہو گیا ہے۔“
”کیوں....! طاہرہ بولی۔“

”چلو ثمت کرو۔“ طاہرہ نے آتا ہے ہوئے لبھجے میں کہا۔ ”مجھے نیند آرہی ہے۔“
کورنیلیا پھر بھی نہ اٹھی۔
”کیوں....! طاہرہ بولی۔“
”اوہ! دیکھو اگر ہم ایک ہی مسہری پر سوئیں تو کیا حرج ہے۔“ کورنیلیا نے کہا اس پر طاہرہ
بے ساختہ نہیں پڑی۔

”ڈر پوک.... میں سمجھ گئی.... اچھا چلو۔“

کورنیلیا سو گئی لیکن طاہرہ کروٹی بدلتی رہی۔ اُسے نیند نہیں آرہی تھی۔ اُس نے کئی بار

لڑے سے سیاہ بال جن کی لمبائی ایک باثت سے کسی طرح کم نہ رہی ہو گی۔ طاہرہ نے گھبرا کر آنکھیں بند کر لیں۔

چیختنی کھو پڑی

دوسری بار اُس کی آنکھیں غیر ارادی ہی طور پر کھلیں لیکن اُس میں اتنی بہت نہیں تھی کہ واپسی ہی کے لئے جبکش کر سکتی۔

وہ تاریک بلا سبزی کے نیچے سے نکلی لیکن تن کر کھڑے ہونے کے باوجود بھی اُس کی کمر بھلی ہوئی تھی۔ سارا جسم پرے بڑے سیاہ بالوں سے ڈھکا ہوا تھا۔ پہلے وہ اُسے کوئی ان دیکھی چیز بھی تھی مگر اب اُسے یاد آیا کہ وہ نصیر آباد کے عجائب گھر میں صد ہزار اس قسم کے گوریلے دیکھے گئی ہے۔ یہ گوریلا ہی تھا لیکن عجائب گھر کے گوریلوں سے مختلف۔ ان گوریلوں سے الگ جن کی آنکھوں میں طاہرہ نے ہمیشہ اداہی دیکھی تھی اور جو بچوں کے ٹنک کرتے پر کھڑے کے اندر چیخ پیچ کر بے بی سے خاک اڑانے لگتے تھے۔

یہ ایک خونخوار درندہ معلوم ہو رہا تھا۔ طاہرہ نے کمال کو پکارنے کی کوشش کی لیکن حلقت سے اواز نہ نکل سکی۔

مگر وہ چیخ تو بے اختیاری کی تھی جو دوسرے ہی لمحے میں حلقت کے پھندوں سے آزاد ہو کر دور تک فضامیں پھیلتی چلی گئی تھی..... اور پھر وہ کسی کے بازوں میں آرہی۔ شاید اُسی نے اُس کے شانے پر ہاتھ رکھ دیا تھا۔

”تم نہیں باز آؤ گی۔“ یہ کمال کی آواز تھی جسے اُس نے انتہائی سر ایسکی اور بد حواسی کے عالم میں بھی پہچان لیا۔

”وہ..... وہاں..... اندر..... وہ سنو....!“ وہ ہکلائی۔

ساتھ ہی کمرے سے کچھ اس قسم کی آواز آئی جیسے کوئی کسی کو چکار رہا ہو۔ پھر ہکلی سی فراہٹ.... اس کے بعد سننا چاہیا۔

”میں نے تمہیں منع کیا تھا۔“ اُس نے کمال کی غصیل آواز سنی۔

”وہ..... م..... میں..... اندر..... درندہ....!“ طاہرہ پھر ہکلائی۔

کوشش کی لیکن کامیاب نہ ہوئی وجہ یہ تھی کہ اُس کے ذہن پر مختلف قسم کے خیالات نے میغاف کر دی تھی۔ ایک کے بعد دوسرا اور دوسرا کے بعد تیرا کسی طرح یہ سلسلہ ختم نہ ہوتا تھا۔

آخر وہ اٹھ بیٹھی۔ تھوڑی دیر تک یونہی بیٹھی رہی پھر اٹھی۔ گھٹری ایک بجارتی تھی۔ وہ دہاں سے اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں بھی کچھ دیر کھڑی خیالات میں گم رہی۔ پھر سوٹ کیس کھول کر ایک گرم پتلون اور جیکٹ نکالی۔

تھوڑی دیر بعد جب وہ کمرے سے نکل کر دروازہ مغلن کر رہی تھی کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ یہ وہی طاہرہ ہے جو سماں ہی میں بہت حسین لگتی ہے اب اُس کے جسم پر پتلون اور جیکٹ تھی اور چیزوں میں گرپ سول کے جوتے۔ سر پر اُس نے ریشی رومال باندھ لیا تھا اور اُس کے گھونگھریاں بال اُس میں بالکل چھپ گئے تھے۔ وہ برآمدے سے نیچے اتر آئی۔

آسمان میں خالی خالی ستارے نظر آرہے تھے اور ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے تھوڑی ہی دیر میں پورا آسمان بالوں سے ڈھک جائے گا۔

وہ عمارت کے مغربی حصے کی طرف چل پڑی۔ چاروں طرف ہو کا عالم تھا اور اب چو کیدار کی آواز بھی نہیں سنائی دے رہی تھی۔ اُس نے سوچا کہ صبح کو اُس کی اچھی طرح خبر لے گی۔

مغربی حصے کا برآمدہ سنسان تھا۔ وہ نیچے ہی رک کر آہٹ لینے لگی۔ لیکن کسی طرح کی آواز نہ سنائی۔ البتہ دروازوں کی جھربوں سے کمرے کی روشنی صاف نظر آرہی تھی جو اس بات کی دلیل تھی کہ وہ لوگ ابھی جاگ رہے ہیں۔

پھر طاہرہ آہستہ سے برآمدے میں داخل ہو گئی اور ایک بار پھر اُس کی داہنی آنکھ دروازے کی جھری سے جاگی۔

کمرے میں کوئی بھی نہیں تھا لیکن صحن کی طرف کا دروازہ کھلا ہوا تھا۔ یہ دراصل سونے کا کروہ تھا اور ان دونوں کے بستر خالی نظر آرہے تھے۔

مسکریوں پر پڑی ہوئی چاروں طرف سے فرش پر لوث رہی تھیں۔ طاہرہ نے مایوسی سے ہونٹ سکوڑے۔ پھر وہ واپسی کا ارادہ کر رہی تھی کہ ایک سبزی کی چادر میل اور اُس کے نیچے سے کوئی سیاہ کی چیز باہر رینگ آئی۔ پھر دوسری نکلی اور طاہرہ کی ٹھیک بندھ گئی۔ وہ کسی آدمی کے ہاتھ ہرگز نہیں ہو سکتے تھے۔ تھے توہا تھے ہی لیکن آدمی کے نہیں۔ ہاتھوں نے چادر اپر اٹھائی اور طاہرہ کا خون رگوں میں نجمد ہو گیا۔ یہ ایک انتہائی خوفناک چڑھہ تھا۔ جس پر دو گول آنکھیں انگاروں کی طرح دکھ رہی تھیں اور ان کے چاروں طرف بال ہی بال تھے۔ کھڑے

کمال نے اُسے ایک طرف ہٹا کر دروازہ کھولا۔ شاید وہ باہر سے مغلل تھا۔ کیونکہ طاہرہ نے
تقلیل میں کنجی گھمانے کی آواز سنی تھی۔

دروازہ کھلتے ہی برآمدے کا کچھ حصہ روشن ہو گیا۔

”تشریف لے چلنے۔“ طاہرہ نے ساجد کی آواز سنی وہ اُس کے پیچھے تھا۔ طاہرہ غیر ارادی طور
پر کمرے میں داخل ہو گئی۔

لیکن اب یہاں کچھ بھی نہیں تھا۔ طاہرہ آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر چاروں طرف دیکھنے لگی۔ پھر
اُس نے کمال پر نظر جمادی جو اس طرح تاک سکوڑے کھڑا تھا جیسے کسی قسم کی بو پیچانے کی کوشش
کر رہا ہو۔

طاہرہ کے حواس آہستہ آہستہ واپس آگئے اور اُس نے کہا۔

”یہاں.... ایک گوریلا تھا۔“

”پتہ نہیں کیا کیا ہے یہاں لیکن تمہاری حرکت تھی۔ تم یہاں کیوں آئی تھیں۔“ کمال نے جھلا کر کہا
طاہرہ نے اُس کا کوئی جواب نہ دیا۔

البتہ ساجد تھے بولا۔ ”کہیں یہ بھی کوئی بھوتی نہ ہو....“ تھہریے! میں معلوم کیے لیتا
ہوں۔“ اُس نے جیب سے ایک بڑا سا چاقو نکالا اور اُسے کھولنے ہوئے کہا۔ ”بھوتوں کا خون بزر
رگ کا ہوتا ہے۔“

طاہرہ اُس کی طرف دھیان نہ دے کر بولی۔ ”وہ اُس مسہری کے نیچے سے نکلا تھا۔“

”لیکن میں نے سارا کھیل بگاڑ دیا۔“ کمال نے خنک لبھ میں کہا۔

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ ساجد اُسے شرات آمیز نظرؤں سے دیکھ رہا تھا لیکن طاہرہ اُسے خاص
طور پر نظر انداز کرنے کی کوشش کر رہی تھی۔

”میشے جاؤ۔“ اچاک کمال نے اُس کی طرف مڑ کر کہا۔

طاہرہ نے چپ چاپ تعقیل کی۔ وہ نہ جانے کیوں اُس کے سامنے خود کو بے بس محوس
کرنے لگی تھی۔

”تم اس وقت یہاں کیوں آئی تھیں۔“

”بس یو نہیں۔“

”ایڈوچر...!“ کمال تلخ سے انداز میں مسکوایا۔

”یہیں سمجھ لجھے۔“

کمال ساجد کی طرف دیکھ کر مسکرا یا پھر بولا۔ ”یہ واقعی بہت دلیر ہیں کیوں نہ انہیں کچھ دیر
لئے اُس کرے میں بند کر دیا جائے جس میں لاش رکھی ہوئی ہے۔“

”میں پانچ ہزار لاشوں میں بیٹھ کر ستار بجا سکتی ہوں کمال صاحب۔“

”آہا....!“ ساجد نے قہقہہ لگایا۔ ”تو تھہریے! میں طبلے کا بھی انتظام کروں ورنہ آپ کو
بیٹ ہو گی۔“

”کیا واقعی اتنی عی دلیر ہو۔“ کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔
”میرا بنا تو تیکی خیال ہے۔“

”صرف اسی معاملے یا ہر معاملے میں۔“ کمال نے سنجیدگی سے پوچھا۔

طاہرہ نے اس کا کوئی جواب نہیں دیا۔ وہ اُسے ٹوٹنے والی نظرؤں سے دیکھ رہی تھی۔ پھر اس
نے کہا۔ ”ابھی آپ نے کسی لاش کا ذمہ کرنا کیا تھا۔“

”ہاں.... میرا ہم شیبیہ مر گیا۔“

”کیا وہ حقیقتاً کوئی آدمی تھا۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”حالانکہ تمہیں یقین ہے کہ وہ آدمی ہی ہے۔“ کمال اُس کی آنکھوں میں دیکھتا ہوا مسکرا یا
طاہرہ چوک کرائے گھورنے لگی۔ لیکن کمال وہ بات ہی اڑا کر بولا۔ ”اس کے پاس کوئی بہت
لیے الارث قسم کا ذمہ کھا۔ اُس نے خود کشی کر لی۔“

”پولیس کو ننانے کے لئے یہ کہانی بہت شائد اڑ رہے گی۔“ طاہرہ نے طنزیہ لبھے میں کہا۔
مرشدانہ آپ کو معلوم نہیں کہ لاشوں کا پوست مارٹم بھی کیا جاتا ہے لیکن ہنر کے نشانات کیے
پائیں گے آپ لوگ۔“

”ہاں! واقعی اُسے بھی سوچتا چاہئے۔“ کمال نے تشویش آمیز نظرؤں سے ساجد کی طرف
لہ کر کہا۔

”کیوں نہ ہم اُسے چپ چاپ کہیں دفن کروں۔“ ساجد بولا۔ ”مگر مشکل تو یہ ہے کہ...!“
وہ طاہرہ کی طرف دیکھ کر خاموش ہو گیا۔

”مجھے یقین ہے کہ یہ محترمہ اپنی زبان بند ہی رکھیں گی۔“ کمال نے طاہرہ کی طرف دیکھ کر
لے ”کیوں....؟“

”آپ کرتیں کہاں ہے کہ میں اپنی زبان بند ہی رکھوں گی۔“

”اس لئے کہ تمہیں ان بھوتوں سے کوئی ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ تمہارے ذالد کی موت کے

بھی بھی ذمہ دار نہیں تھے۔

”آپ کیا جائیں...!“ طاہرہ چڑک کر اسے گھومنے لگی۔

”میں جاتا ہوں۔“ کمال نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ پھر بولا۔ ”میں تمہیں وہ لاش دکھانا چاہتا ہوں۔ شائد پہلے بھی وہ آدمی تمہاری نظر سے گزرا ہو۔“

”مگر وہ تو آپ کا ہم شغل تھا۔“ طاہرہ نے کہا۔

”وہ میک اپ تھا۔ جواب نہیں ہے۔ اب تم اُسے اُس کی اصلی شغل میں دیکھو گی۔“

”اوہ! میں ضرور دیکھوں گی۔“ طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اٹھتے ہوئے کہا۔ پھر یہکیکی اُس کے چہرے کی رنگت بدل گئی اور وہ کچھ ایسی نظروں سے اُسے دیکھنے لگی جن میں خوف اور شجہ کی آمیزش موجود تھی۔

”مگر یہاں ایک گوریلا تھا۔“ اُس نے کہا۔

”اس کی پرواہ نہ کرو۔“ کمال نے بے پرواہی سے کہا۔ ”آدمی کے لئے آدمی سے زیاد خطرناک اور کوئی چیز نہیں ہو سکتی۔ فی الحال.... چلو.... شائد تم اُسے پہچانتی ہو۔“

”نہیں! میں اپنے کمرے میں واپس جاؤں گی۔“

اس پر ساجد نے ایک زوردار تھہہ لگایا اور طاہرہ کی اناپھر جاگ اٹھی۔

”چلو....!“ وہ غراکر بولی۔

وہ کمرے سے نکل کر صحن میں آئے۔ صحن کافی طویل و عریض تھا اور یہاں چاروں طرف اوپنجی اوپنجی گھاس اُگی ہوئی تھی۔

کمال اور ساجد کے ہاتھوں میں تار جیسی تھیں۔

ساجد نے پھر کے زینوں کی طرف روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ ”وہ اوپر کے ایک کمرے میں ہے۔ کیوں طاہرہ صاحبہ کیا آپ ان زینوں پر قدم رکھنے کی ہست کر سکتیں گی۔“

”بکواس مت کرو۔“ کمال نے جھلائی ہوئی آواز میں کہا اور طویل والاں میں باہمیں طرف مر گیل۔ پھر ایک کمرے کے سامنے رک کر ٹارچ کی روشنی دروازے پر ڈالی جس سے ایک بڑا سا

قتل لٹکا ہوا تھا۔ قتل کھوں کر اُس نے دروازے کو دھکا دیا لیکن ساتھ ہی اُس کے منہ سے ایک بیکی

سی تھی آمیر آواز نکلی۔ کرہ خالی تھا۔ ساجد ہونٹوں ہی ہونٹوں میں کچھ بڑا کرہ گیا۔ وہ کمرے میں داخل ہوئے۔ کمال تشویش آمیز نظروں سے چاروں طرف دیکھ رہا تھا۔

”کیوں کیا بات ہے۔“ طاہرہ نے دلبی زبان سے پوچھا۔

”لاش یہیں تھی۔“ کمال نے جواب دیا۔ ”اور میرا دعویٰ ہے کہ اس قفل میں میرے علاوہ اور کسی نے ہاتھ نہیں لگایا۔“

”یہ آپ کیسے کہہ سکتے ہیں۔“ طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں پوچھا۔

”پھر بتاؤں گا۔“ کمال نے کہا اور جھک کر فرش کا جائزہ لینے لگا۔ فرش گرد آلو دھا۔ لیکن ایک جگہ کافی پھیلاؤ میں گرد کی تہہ کچھ بگڑی بگڑی سی معلوم ہو رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہو کر تھوڑی دیر تک کچھ سوچتا ہا اور پھر انہیں باہر چلنے کا اشارہ کر کے وہ بھی کمرے سے نکل گیا۔

اب وہ کمرے کو کھلا ہی چھوڑ کر وہاں سے واپس جا رہے تھے۔ قفل کمال کے ہاتھ میں تھا۔ لیکن خواب گاہ کو انہوں نے اس حالت میں نہیں دیکھا جس میں چھوڑ کر گئے تھے۔ سہراں والی پڑی تھیں۔ بستر ادھر ادھر پڑے ہوئے تھے۔ دوسرا سامان بھی روی حالت میں تھا۔

”میا خیال ہے۔“ کمال طاہرہ کی طرف دیکھ کر مسکرا یا۔ ”میا اب ہم لوگ یہاں سے بھاگ جائیں۔“

”میں آپ کو سیبی مشورہ دوں گی کہ آپ اسی وقت دوسرا کروں میں منتقل ہو جائیے۔ میں اور کورنیلیا ایک کمرے میں ہو جائیں گے۔ مگر.... میں یہ مشورہ فضول دے رہی ہوں.... پتہ نہیں آپ نے کس مقصد کے تحت اس حصے کو رہائش کے لئے پسند کیا ہے۔“

”میا مقصد ہو سکتا ہے۔“ کمال نے اُس کی آنکھوں میں دیکھتے ہوئے کہا۔ ”کچھ بھی ہو۔ لیکن میں اسے صرف ایڈم بخیر نہیں سمجھ سکتی۔“

”پھر....!“

”کمال صاحب! نہ جانے کتنے اس چکر میں یہاں آئے اور یا تو پر اسرار طریقے پر غائب ہو گئے یا پھر ان کی لاشیں ملیں۔“

”کس چکر میں۔ ہم کسی ایسے چکر سے واقف نہیں ہیں۔“ کمال نے سمجھ دیکھی سے کہا۔ ”ہمارا مقصد تو سرافیہ دیریافت کرتا ہے کہ ان بیجوتوں کی تدریستی کیسی ہے۔“

”اگر خراب ہو تو.... وزارت صحٹ...!“ ساجد جملہ پورا بھیں کر سکا گیو نکہ وہ نہ جانے کیوں اچھل پڑا تھا۔ پھر اُس نے خفیہ ہو کر کہا۔ ”لاحوال ولا قوت... چوہا قماشاند۔“

”آپ لوگ میرا محکمہ اڑا رہتے ہیں۔“ طاہرہ تھک کر بولی۔

”ہو سکتا ہے۔“ کمال بولا۔ ”ہم اس وقت تھک سمجھ دیکھنے نہیں ہو سکتے جب تک کہ تم ہمیں بھی وہ دستاں نہ سنادو جو کورنیلیا کو سنانے والی تھیں۔“

"لیا آپ اس سے واقف نہ ہوں گے۔ ظاہر ہے کہ وہ داستان آپ کو یہاں لے کر لائی ہو گی
ورنہ خواہ تجوہ خطرے میں پڑتا کے پسند ہو گا۔"

"هم کچھ بھی نہیں جانتے۔ یقین کرو دیسے میں روحانیات کا مصلحت ہوں اور اس قسم کی بافق
الفطرت چیزیں میرے لئے بہت دلچسپ ہوتی ہیں۔"

"لیکن ان واقعات کا رو حیات سے کیا تعلق؟" طاہرہ نے کہا۔

کمال جواب میں کچھ کہنے ہی والا تھا کہ صحن کی طرف سے ایک گر جدار آواز آئی۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے چلے جاؤ۔"

اور پھر سنایا طاری ہو گیا۔ طاہرہ کو اپنے جسم میں ایک سردی لہر دوڑتی محسوس ہوئی۔ عجیب
قسم کی آواز تھی۔ اس نے کمال اور ساجد کی طرف دیکھا۔ ساجد کے چہرے پر سراسیگنگی کے آثار
تھے مگر کمال کا چہرہ پہلے ہی کی طرح پر سکون نظر آ رہا تھا۔

طاہرہ اپنے دل کی دھرنیں صاف سن رہی تھی بلکہ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے دل کا نوں ہی
میں دھر کئے گا ہو۔

"چلے جاؤ.... چلے جاؤ۔" آواز پھر آئی اور اس بار طاہرہ نے محسوس کر لیا کہ وہ آواز عجیب
کیوں معلوم ہوتی تھی۔ آواز گر جدار ضرور تھی لیکن اس میں رو دینے کا سامناز بھی شامل تھا۔
ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے کسی شدید تکلیف کی بناء پر کوئی جیخ رہا ہو۔

"ان مختروں کی شامت آگئی ہے۔" کمال صحن کی طرف بڑھتا ہوا بولا۔ ساجد بھی ان کے
پیچے چلا اور طاہرہ کے قدم بھی غیر ارادی طور پر اٹھ گئے۔

صحن میں تاریکی اور سنائے کا وہی عالم تھا۔ جھیگروں کی مسلسل جھائیں بھی سنائے ہی
کا ایک جزو معلوم ہو رہی تھی۔

عمارت کے کسی دور افتادہ حصے سے چپگادریوں کے چینخے کی آواز آئی اور ساتھ ہی پھر کسی نے کہا۔

"چلے جاؤ یہاں سے.... چلے جاؤ۔" آواز زیروں کی طرف سے آئی تھی۔ کمال کی تاریخ روشن ہو گئی۔ ساتھ ہی طاہرہ کے منہ
سے ایک ہلکی سی جیخ نکلی۔ درمیانی زینے پر ایک کھوپڑی رکھی۔ ولی تھا۔

"کیا سترہ پن ہے۔" کمال بڑا بیا۔ "یہی گیارہ ہواں زینہ ہے۔" روشی کا دارہ اب بھی کھوپڑی ہی پر تھا۔

"چلے جاؤ.... یہاں سے.... چلے جاؤ۔" کھوپڑی سے آواز آئی۔

طاہرہ نے بڑی مضبوطی سے ساجد کا بازو پکڑ کر کھا تھا۔
"میں وہیں آ رہا ہوں.... فرزند....!" کمال نے کہا اور زینوں کی طرف بڑھنے لگا۔ طاہرہ
نے اختیار انداز میں کمال پر چھلانگ لگائی۔

"نہیں.... نہیں.... آپ پاگل ہو گئے ہیں۔"

"اوہ.... اسے لے جاؤ.... تم بھی جاؤ۔" کمال نے اسے ساجد کی طرف دھکیتے ہوئے کہا۔
کرہ اندر سے بند رکھتا۔ جاؤ۔"

پھر طاہرہ کو اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کس طرح کمرے میں پہنچی۔ تھوڑی در بعد جب اس
کے حواس بجا ہوئے تو اس نے خود کو اُسی کمرے میں پیلا جہاں سے کچھ دیر پہلے اس نے وہ ڈراؤنی
ڈالیں سنی تھیں۔

ساجد سینے پر ہاتھ باندھ کرے کے وسط میں خاموش کھڑا تھا۔
طاہرہ نے کچھ کہتا چاہا لیکن الفاظ نہ ملے۔ اسے اپنا جسم اتنا ہلا محسوس ہو رہا تھا جیسے ہوا کا ایک
ہمولی ساجھوں کا اُسے اڑا دینے کے لئے کافی ہو گا۔

"تمہاری حالت اچھی نہیں ہے۔" ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔
طاہرہ کچھ نہ ہو گی۔ اس وقت اس کا غرور خاک میں مل گیا تھا۔ اسے اس کا احساس تھا لیکن اس
ہافسوس ہرگز نہیں تھا۔ اس کیفیت کی وجہ وہ خود بھی نہ سمجھ سکی۔ حالانکہ وہ موقع اس کے لئے
ہے تکلیف وہ ہوتے تھے جب اس کے غرور کو نہیں لگتی تھی۔

"تم نے.... تم نے.... کمال صاحب کو.... روکا نہیں۔" وہ ہماپنی ہوئی بولی۔

"ہاں.... میں نے نہیں روکا۔" ساجد مسکرا کر بولا۔ "میں نے سوچا اگر کمال صاحب
میان سے بہت جائیں تو تم مجھ میں دلچسپی لینے پر مجبور ہو جاؤ گی۔"

"جیا کہو اس ہے۔"

"بکواس نہیں حقیقت ہے۔ کمال صاحب عورتوں کے معاملے میں بد نصیب ترین انسان
ہے۔ اس لئے ان کے پیچھے پڑا واقع کی بر بادی کے علاوہ اور کچھ نہیں۔ مجھے دیکھو.... میں ایک
ٹھیٹیں پورہ ہزار میل کی رفتار سے آئیں بھر سکتا ہوں۔"

"شٹ اپ....!"

"تمہاری مرضی۔" ساجد مایوسانہ انداز میں سر ہلا کر بولا۔
طاہرہ صحن کی طرف کے دروازے کی جانب دیکھنے لگی جو اندر سے بند تھا۔

”اوہ.... کان نہ کھاؤ.... کہہ دو....!“

”وہ بد تیز بھی معلوم ہوتا ہے۔ میں اس سے دوسری بار گفتگو نہیں کرنا چاہتی۔“ کورنیلیا نے کہا۔

اتنی دیر میں طاہرہ اچھی طرح ہوش میں آگئی تھی۔

”کون ہے؟ کیا چاہتا ہے۔“

”میں نہیں جانتی.... وہ تم سے مٹا چاہتا ہے۔“

”کیا وہ مجھے جانتا ہے۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”عجیب الحمق ہو۔ بھلا میں کیا جانوں۔“

”اوہ.... اچھا....!“ طاہرہ اٹھ کر غسل خانے میں آئی۔ منہ پر پانی کے چھینے دیتے وقت اسے پچھلی رات کے واقعات یاد آئے اور وہ ان دونوں کی خیریت دریافت کرنے کے لئے بے چین ہو گئی۔ کمال جیسا آدمی آج تک اس کی نظریوں سے نہیں گزر ا تھا۔

ا سے وہ خوفناک کھوپڑی یاد آئی جو انسانوں کی طرح بولتی تھی اور جسے کمال نے بعد میں اس طرح فرش پر پھیک دیا تھا جیسے اس کی نظریوں میں وہ بالکل بے حقیقت ہو۔

پھر اس کے بعد کیا ہوا ہو گا؟ طاہرہ کافہ ہن بھکنے لگا اور وہ بے خیالی میں اپنے چہرے پر پانی کے چھینتے مارتی رہی۔ اسے وقت کا احساس نہیں رہ گیا تھا اگر کورنیلیا باہر سے اسے مخاطب نہ کرتی تو وہ نہ جانے کتنی دیر تک کھڑی اس غسل کو جاری ہی رکھتی۔ پھر کورنیلیا بھی غسلخانے میں گھس آئی۔

”کیا سوگنی ہو۔“ اس نے کہا۔

”کیا مصیبت آگئی ہے۔“ طاہرہ جھنجلا گئی۔

”وہ کہتا ہے کہ اگر دیر ہو گئی تو میں ویس آ جاؤ گا۔“

”کون گدھا ہے۔ میں دیکھتی ہوں۔“

طاہرہ نے اسی لباس پر شب خوابی کا لبادہ ڈال لیا اور کورنیلیا کے ساتھ دوسرے کمرے میں آئی۔ یہاں حقیقتاً ایک آدمی اس کا منتظر تھا اور وہ اسے جانتی تھی۔ یہ یہاں کا ایک مستقل کرائے دار تھا۔ لیکن طاہرہ نے اس سے پہلے اسے کبھی غصے میں نہیں دیکھا۔ یہ ادھیز عہر کا ایک صحت مند آدمی تھا۔ قوئی مضبوط تھے اور وہ اپنے مضبوط بازوں کی نمائش کا خاص طور پر شائق معلوم ہوتا تھا لیکن ایک سرد صبح ہونے کے باوجود بھی وہ آدمی آستین کی قصیض میں تھا۔

”میں نہیں بھجے سکتا کہ آپ لوگوں کی پائی کیا ہے۔“ اس نے غصیلی آواز میں کہا۔

”رمبا چنا آتا ہے تمہیں۔“ ساجد نے پوچھا۔

”میں کہتی ہوں خاموش رہو۔“ طاہرہ جھنجلا گئی۔ ”پتہ نہیں تم لوگ کیا کر رہے ہو۔“

”ہم لوگ....!“ ساجد ایک شراحت آمیز مسکراہٹ کے ساتھ کچھ کہنے ہی والا تھا کہ کسی نے محن کی طرف سے دروازے کو دھکا دیا۔ ساتھ ہی آواز بھی سنائی دی جو کمال ہی کی تھی۔ ساجد نے دروازہ کھول دیا۔ کمال اندر داخل ہو۔ اس کے ہاتھ میں وہی انسانی کھوپڑی تھی جسے کچھ دیر قبل طاہرہ نے گیارہ ہویں زینے پر دیکھا تھا۔

کمال نے اسے فرش پر ڈالتے ہوئے طاہرہ سے کہا۔ ”کیا تم رات تک بہر کرو گی۔“

”نہ.... نہیں.... تو....!“

”اب جاؤ....!“ اس نے دروازے کی طرف اشارہ کر کے کہا۔ پھر ساجد سے بولا۔ ”انہیں ان کے کمرے تک چھوڑ آؤ۔“

طاہرہ چپ چاپ اٹھ کر دروازے کی طرف بڑھی۔ اس میں اس کے ارادے کو قطعی دخل نہیں تھا۔ پتہ نہیں کیوں کمال اس کے ذہن پر اس بُری طرح حادی ہو گیا تھا۔

بھوتوں کے شکاری

دوسری صبح کورنیلیا نے اسے جھنجوڑ کر جگایا لیکن اسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے وہ نہیں میں

ہو۔ پچھلی رات تقریباً ساڑھے تین بجے وہ اپنے کمرے میں واپس آئی تھی اور کورنیلیا کے پاس سو گئی تھی۔ کورنیلیا اس وقت بے خبر سوئی ہوئی تھی۔

”کیا بھنگ پر رکھی ہے تم نے۔“ کورنیلیا نے اسے سمجھنے کو بخاتے ہوئے کہا۔

”اوی.... ہوں.... مجھے سونے دو۔“

”وہاں ایک صاحب تمہارا انتظار کر رہے ہیں۔“

”کون ہے۔“

”میں نہیں جانتی۔ لیکن وہ ان دونوں میں سے نہیں ہے۔“

”اوہ.... کہہ دو کہ میں سورجی ہوں۔ طبیعت تھیک نہیں ہے۔“

”وہ بہت غصے میں ہے۔“

”کیوں؟ میں نہیں سمجھی کہ آپ کیا کہنا چاہتے ہیں۔“ طاہرہ حیرت سے بولی۔

”آخر نواب صاحب اُس حصے کو کارئے پر کیوں اٹھادیتے ہیں جب کہ انہیں معلوم ہے کہ بیہاں ایک نہیں کتنی کیس ہو چکے ہیں۔“

”آپ کو اس سے کیا نقصان پہنچا ہے۔“ طاہرہ کاموڑہ بھی خراب ہو گیا۔

”راتوں کی نیند حرام ہو گئی ہے۔ مرا ہومکاؤں کی قلت کا درندہ یہ عمارت رہنے کے قابل ہے۔“

”آخر ہوا کیا...!“

”میرے ساتھ چلے تود کھاؤں۔ جب بھی اُس حصے میں کوئی کرایہ دار آتا ہے میری شامت آجائی ہے۔ میرا سب کچھ تباہ ہو گیا۔ ایک چیز بھی اپنی اصلی حالت میں نہیں ہے۔ صرف وہی کمر، محفوظ ہے جس میں سوتا ہوں۔“

”میں نہیں سمجھی۔“

”چلنے والے ساتھ۔ میں دکھاؤں۔ کیا نے ساری چیزیں کچل کر رکھ دی ہیں۔ کریاں اور میزیں تک چور ہو کر رہ گئی ہیں۔“

”اوہ تو اسی صورت میں آپ کو کمرے چھوڑ دینا چاہئے کہیں اور انتظام کر لیجئے۔“

”بیہاں! جہنم میں۔“ وہ غریباً۔ ”آپ ہی کوئی اور جگہ دلواد تجویز۔ دوسرا مکان حاصل کر لیما ایسا آسان ہے۔ دیکھئے میں کھلے ہوئے الفاظ میں کہہ رہا ہوں کہ اگر وہ حصہ آج ہی مقفل نہ کرا دیا گیا کورنیلیا پہلے ہی سے تیار تھی۔“

”یعنی ایں آپ کا مطلب نہیں سمجھی۔“

”میں پولیس کو اس کی اطلاع دوں گا۔ جب وہ حصہ مخدوش ہے تو اسے کرائے پر کیوں اٹھایا جاتا ہے۔ اخبارات میں مقایی حکام سے سوال کر دوں گا کہ وہ اُسے ہمیشہ کے لئے کیوں نہیں بند کر دیتے۔ آج سے چھ ماہ قبل ایک واردات ڈی۔ ایس۔ پی۔ ٹی کی آنکھوں کے سامنے ہوئی تھی۔ آخر اُسی وقت وہ حصہ سرکاری طور پر کیوں نہیں مقفل کرا دیا گیا تھا۔۔۔ اور پھر یہ دونوں کرائے دار مجھے ابھی آدی نہیں معلوم ہوتے۔“

”میں آپ سے استدعا کروں گی کہ ایسا ضرور کیجئے۔ میں خود بھی یہی چاہتی ہوں کہ اُس حصے کو سرکاری طور پر مقفل کرا دیا جائے۔“

”وہ دونوں ہیں کون...!“

”میں نہیں جانتی۔“

”مگر چوکیدار تو کہہ رہا تھا کہ وہ بچھلی رات کو بیہاں آئے تھے۔“

”آپ قطعی غیر ضروری باتیں کر رہے ہیں۔“ طاہرہ جھلانی۔

”اُجھی بات ہے۔ اب میں کچھ نہیں کہوں گا۔“ اس نے کہا اور انہوں کو مرے سے چلا گیا۔

”کریک ہے کیا۔“ کورنیلیا نے پھس کر کہا لیکن طاہرہ خاموش ہی رہی۔

اس کا ذہن پھر رات کے واقعات میں ابھی گھٹا گھٹا۔

”کیا معاملہ ہے۔ کوئی خاص بات۔“ کورنیلیا نے پوچھا۔

”بہت خاص۔ لیکن میں ابھی میں ہوں۔ وہ دونوں میرے لئے مستقل دردسر ہو گئے ہیں۔“

”میاں دونوں سے عشق ہو گیا ہے۔“ کورنیلیا نے تھہہ لگایا۔

”گھٹھیا باتیں نہ کرو۔“ طاہرہ نے بُر اسامنہ بنایا۔

”میری بچھی میں نہیں آتا کہ آخر ان دونوں پر سب کے سب کیوں خار کھائے ہوئے ہیں۔“

”یہ کون تھا جو ابھی بکواس کر کے گیا ہے۔“

”ایک کرائے دار۔“ طاہرہ کچھ سوچتی ہوئی بولی۔ چند لمحے خاموش رہی پھر اُس نے کہا۔

”ہمیں وہ سب کچھ ضرور دیکھنا چاہئے جس کے متعلق اُس نے کہا تھا۔“

”مگر اس کا خیال رکھنا کہ وہ بہت تاؤ کھا کر بیہاں سے گیا ہے۔“ کورنیلیا نے کہا۔

طاہرہ نے دوسرے کمرے میں جا کر لباس تبدیل کیا اور باہر جانے کے لئے تیار ہو گئی۔

کورنیلیا پہلے ہی سے تیار تھی۔

وہ عمارت کے اُس حصے میں آئیں جہاں وہ کرائے دار مقیم تھے۔

”دیکھئے! مجھے افسوس ہے۔“ طاہرہ نے اُس سے کہا۔ ”میں سو کراٹھی تھی اور آپ جانتے ہیں کہ ایسے اوقات میں دماغ پر قابو نہیں ہوتا۔“

”کوئی بات نہیں۔“ کرائے دار بولا۔ ”لیکن میرے اس نقصان کا کیا ہو گا۔“

”میں دیکھنا چاہتی ہوں۔“

”جا یے دیکھ لجھئے۔“ وہ ایک کمرے کی طرف اشارہ کر کے ناخوشگوار لجھے میں بولا۔

دروازہ کھلا ہوا تھا اور اندر کی حالت وہیں سے صاف نظر آرہی تھی۔ لیکن پھر بھی طاہرہ اندر چل گئی۔ کورنیلیا بھی ساتھ تھی۔ دونوں نے متوجہ انداز میں چاروں طرف دیکھا۔ کمرہ

درحقیقت کسی کتابڑی کی دوکان معلوم ہو رہا تھا۔ فرنچیز اور دوسرے آرائشی لوازمات ٹکستری حالت

میں ڈھیر تھے۔ ان میں سو سکھی ہوئی گھاس اور خشک مٹی کے بڑنے بڑے گلکوے بھی شامل تھے۔

”پھر مجھے تباہ کا کہ تم یہاں کیوں رکنا پا جاتی ہو۔ وہاں سے تم نے کیا اٹھایا تھا۔“

”میں یہ معلوم کیے بغیر نہیں جاسکتی کہ وہ دونوں کون ہیں اور یہاں کیوں آئے ہیں۔“

کورنیلیا خاموش ہو گئی۔ طاہرہ غمارت کے مغربی حصے کی طرف جا رہی تھی۔

”کیا وہیں جا رہی ہو۔“ کورنیلیا نے پوچھا۔

”ہاں...!“

”تب تم تباہی جاؤ۔ مجھے نہ جانے کیوں اُس سے خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”کس سے؟“

”کمال سے.... لیکن وہ دوسرا آدمی.... ساجد.... کافی دلچسپ ہے۔“

کورنیلیا اُس کے ساتھ نہیں گئی۔ مغرب رخ والے برآمدے کے قریب پہنچتے ہی طاہرہ کو واپسیں کی آواز سنائی دی۔ نشست کے کمرے کے دروازے کھلے ہوئے تھے اُسے ساجد نظر آیا جس کے سر پر سفید سمور کی ٹوپی تھی اور جسم پر تبت کے لاماؤں کا سازار دو گل کار لیٹھی لبادہ۔ وہ آنکھیں بند کئے جھوم جھوم کر واپسیں بجارتا ہے۔ طاہرہ بے تکلف اندر چل گئی۔ کمال موجود نہیں تھا۔ ساجد نے شاند اُس کی آہٹ نہیں سنی تھی۔ وہ بدستور آنکھیں بند کئے واپسیں بجاتا رہا۔

طاہرہ نے زور سے میز پر باتھ مارا اور ساجد اچھل پڑا۔

”آہا.... آہا....!“ وہ شور چانے کے سے انداز میں بولا۔ ”تان میں کے متعلق مشہور ہے کہ اُس کے گیت پر ساز خود نئے اٹھتے تھے.... اور جب میں ساز بجاتا ہوں تو زمین پھٹتی ہے اور اُس میں سے عورتیں اٹلتے لگتی ہیں۔“

”کمال صاحب کہاں ہیں۔“ طاہرہ نے اُس کی بکواس پر دھیان نہ دے کر پوچھا۔

”کمال صاحب!“ ساجد نے ایک طویل سانس لی اور خاموش ہو گیا۔

”کہاں ہیں۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”میں نے پہلی رات انہیں ذبح کر دیا اور اس وقت واپسیں بجارتا ہوں۔ بیٹھو تمہیں وہ گیت سناؤں.... جو تان میں نے....!“

”کمال صاحب۔“ طاہرہ نے پکارا۔

اور ساجد واپسیں پر بجانے لگا۔ ”آواز دے کہاں ہے۔ دنیا مری جو اس ہے۔“ طاہرہ آگے بڑھی۔ وہ دوسرے کمرے کی طرف جا رہی تھی۔

”ٹھہر ہے۔“ ساجد واپسیں ایک طرف رکھ کر کھڑا ہو گیا۔ ”وہ اس وقت کسی سے نہیں مل

زیادہ غور سے جائزہ لینے پر جانوروں کی ہڈیاں سینگ اور پھٹے پرانے جو تے بھی نظر آئے۔

کرایہ دار باہر ہی تھا وہ ان کے ساتھ اندر نہیں آیا تھا۔

طاہرہ گھوم پھر کر کرے کی تباہ حالی دیکھ رہی تھی۔ اچانک وہ چلتے چلتے رک گئی اور جمک کر فرش سے کوئی چیز اٹھائی۔ پھر چوروں کی طرح ادھر ادھر دیکھ کر اُسے اپنے بلاڈز کے گرباں میں رکھ لیا۔

”مگر یہ سب ہوا کیسے۔ مجھے حیرت ہے۔“ طاہرہ نے اُس سے کہا۔

”میں کہتا ہوں کہ جب بھی کوئی اُس منہوس حصے میں مقیم ہوا ہے میرا کچھ نہ کچھ نقشان

ضرور ہوا ہے۔“

”آپ دوسرے کمرے میں سوئے تھے؟ یعنی میرا مطلب یہ ہے کہ اس کمرے میں کوئی نہیں تھا۔“

”میں نہیں وہاں کوئی نہیں تھا۔“ اُس نے بگڑے ہوئے لبجے میں کہا۔ ”میں مقامی حکام سے ضرور فریاد کروں گا اور آپ شام کے اخبارات میں بہت کچھ دیکھیں گی۔ میرا تنا نقشان ہوا ہے۔ سینکڑوں روپے کا فرنچیز بر باد ہو گیا۔“

”آپ کو اس سے کوئی بھی نہیں روک سکتا۔“ طاہرہ نرمی سے بولی۔ ”یقیناً آپ کا بہت نقشان ہوا ہے۔“

”میں کہتا ہوں! وہ حصہ کرائے پر اٹھایا ہی کیوں جاتا ہے۔“

”دیکھتے یہ ہمارا قطعی تھی معاملہ ہے۔ ہم کسی سے درخواست کرنے نہیں جاتے کہ وہ ہمارا کرایہ دار بنے۔ آپ ہر وقت کمرے خالی کر سکتے ہیں۔“

”پھر وہی فرعونیت والی بات۔“ کرایہ دار جھلا اٹھا۔ ”اچھی بات ہے۔ میں دیکھ لوں گا۔“

وہ دونوں وہاں سے چلی آئیں۔ کورنیلیا نے اُس کے متعلق گفتگو چھیڑنی چاہی لیکن طاہرہ نے ہاتھ ہلا کر اُسے روک دیا۔ وہ کچھ سوچ رہی تھی۔

”اچھا تم نے دہاں سے کیا اٹھایا تھا۔“ کورنیلیا نے پوچھا۔

”بھوت کی لگوٹی۔“ طاہرہ نے سمجھ دی گئی سے جواب دیا۔

”مجھے تواب تم سے خوف معلوم ہونے لگا ہے۔“

”میں تمہیں بھی مشورہ دوں گی کہ واپس جاؤ۔“

”اور تم یہیں رکو گی.... آخر کیوں.... کیا واپسی! وہ آدمی کمال تمہارے ذہن پر۔“

”پھر بکواس شروع کر دی تم نے....!“

سکتے۔ آپ کیا چاہتی ہیں۔“

ظاہرہ جھلائے ہوئے انداز میں پلٹ پڑی۔ ”میں یہ چاہتی ہوں کہ آپ لوگ جلد سے جلد یہ
عمارت خالی کر دیں۔ سمجھے! ورنہ بات بہت بڑھ جائے گی۔“

”ہم تین ماہ کا کرایہ ادا کر چکے ہیں۔“ ساجد بولا۔

”رقم واپس کر دی جائے گی۔“

”ہم تین ماہ گذارے بغیر یہاں سے نہیں جا سکتے۔“ ساجد نے خنک لبخ میں کہا۔

”اچھا تو پھر پولیس آپ سے جواب طلب کرے گی۔“

”کیا بات ہے محترمہ طاہرہ۔“ وہ کمال کی آواز سن کر مردی۔ کمال دروازے میں کھڑا جیت
سے پلکیں جھپکا رہا تھا۔

”آپ لوگ جو کچھ بھی کر رہے ہیں قانون اُسے نظر انداز نہیں کر سکتا۔“

”کیا آپ پچھلی رات کے بارے میں گفتگو کر رہی ہیں۔“

”نہیں....!“ طاہرہ اپنے بلاوز کے گریبان میں ہاتھ ڈالتی ہوئی بولی۔ ”کیا یہ فاؤنٹین پن
آپ کا نہیں ہے۔“ اُس نے گریبان سے ایک فاؤنٹین پن نکال کر اُسے دکھلای۔

”دیکھوں....!“ اُس نے ہاتھ بڑھا کر فاؤنٹین پن اُس سے لے لیا۔ اُسے الٹ پلٹ کر دیکھتا
رہا پھر اُس کے چہرے پر نظر جما کر بولا۔ ”ہاں یہ میرا ہی ہے۔ آپ کے پاس کیسے پہنچا۔“

”تو اس کا مطلب یہ ہے کہ پچھلی رات ساگر صاحب کے کمرے میں آپ ہی تھے۔“

”میں نہیں سمجھا۔“

طاہرہ نے اُسے بتایا کہ وہ قلم اُسے کہاں سے اور کن حالات میں ملا تھا۔ کمال پوری بات سن
کر مسکرا یا۔

”اور تمہیں یقین ہے کہ اُس کمرے میں میں نے ہی توڑ پھوڑ چکا ہو گی۔“

”پھر یہ قلم وہاں کیسے پہنچا۔ ساگر اس کی اطلاع پولیس کو دینے جا رہا ہے۔“

”تب تو پھر مجھے بھی پولیس کو اطلاع دینی چاہئے کہ پچھلی رات یہاں ایک انسانی کھوپڑی حلقت
پھاڑ رہی تھی۔ میرے ہم شکل نے مجھ پر حملہ کیا تھا۔“ محترمہ طاہرہ کو ایک گوریلا نظر آیا تھا اور مجھے
ان ساری حرکتوں کی ذمہ دار محترمہ طاہرہ معلوم ہوتی ہیں۔“

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ لا جواب ہو گئی تھی۔

وہ کچھ دیر تک خاموش ہی پھر اُس نے کہا۔ ”آپ اُس کھوپڑی کو اٹھا لائے تھے۔“

”ہاں! وہ تمہارے سامنے ہی کی بات ہے.... بیٹھ جاؤ۔“

”تشریف رکھنے محترمہ طاہرہ۔“ ساجد نے پھر ایک طویل سانس لی اور کمال اُسے گھومنے
اُس نے اپنے شانوں کو جنبش دے کر واپسی کے تاروں پر ناخن لگانا شروع کر دیا۔

”بند کرو! ورنہ میں اسے تمہارے سر پر پھوڑ دوں گا۔“ کمال غریباً۔

”اچھا جناب!“ ساجد نے واپسی میز پر ڈال کر ایک طویل انگرائی لی اور باہر چلا گیا۔

”یہ عجیب آدمی ہے۔ مجھے ڈر ہے کہ کبھی غصے میں انہیں مارنے بیٹھوں۔“ طاہرہ نے کہا۔

”ایسے موقع پر غصہ ضبط کر لیں۔“ کمال مسکرا یا۔ ”وہ بہت شریر ہے! خیر ہاں تو...“ ہم اُس

پڑی کے متعلق گفتگو کر رہے تھے۔“

”آپ نے اُسے کیسے ہاتھ لگایا ہو گا۔“

”کیوں؟ بھلا اس میں کیا دشواری ہو سکتی تھی۔ کیا آپ یہ سمجھتی ہیں کہ وہ کوئی بُری روح
نی جو اُس کے اندر جیخ رہی تھی۔“

”پھر....!“ طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔

”قطعاً نہیں! مگر میں آپ کو کیوں بتاؤں۔ آپ نے مجھے اب تک وہ داستان نہیں سنائی جو

پ اپنی سا تھی کو سنانے والی تھیں۔“

”میا آپ کو اس کا علم نہیں ہے۔“

”نہیں میں کچھ نہیں جانتا۔“

”تو پھر کیا یہاں جک مارنے آئے ہیں۔“

”نہیں بھوت مارنے۔ میں ایک پیشہ ور قسم کا بھوت مارہوں۔ میں نے اب تک درجنوں

بے بڑے اور بین الاقوای قسم کے بھوتوں کا قلع قمع کیا ہے۔ یہ ہے میری موجودگی کا مقصد...!“

پرانی داستان

کمال خاموش ہو گیا۔ طاہرہ بیک وقت کئی باتیں سوچ رہی تھی۔ لیکن اس کا فیصلہ کرتا اس

کے بس سے باہر تھا کہ وہ کمال کو کیا سمجھے۔

کمال اُس کی طرف دیکھ کر مسکرا یا۔ مسکرا ہٹ معنی خیز تھی لیکن طاہرہ اُسے بھی کوئی معنی نہ

ہرے مورث اعلیٰ کی مدد سے انگریزی فوج یہاں پہنچی اور یہاں کافی کشت و خون ہوا۔ کہا جاتا ہے ان لوگوں کا نام ہبی پیشوای اسرائیل قتل کر دیا گیا تھا لیکن مقامی راجہ کا خزانہ کسی کو بھی نہ مل سکتے۔ خود میرے ہی خاندان کے کئی افراد اس پکڑ میں موت کا شکار ہوئے۔ میرے والد....!“ طاہرہ خاموش ہو گئی۔ کچھ دیر تک خاموش رہی پھر کمال نے کہا۔ ”یہ داستان بھی میرے نہ نہیں۔“

”پھر آپ اور کیا معلوم کرتا چاہتے ہیں۔“

”چھ ماہ پہلے جو واقعہ پیش آیا تھا اُس کی تفصیل۔“

”اس کی بھی موت ہی اُسے یہاں لائی تھی۔ وہ ہمارا نبیر تھا۔ حکومت نے کسی مقصد کے لئے کوئی کرایہ پر حاصل کرنے کی پیشکش کی تھی۔ ہماری طرف سے یہی نذر پیش کیا گیا۔ اس پر نجی نے کہا کہ وہ گیارہ تاریخ کو گیارہ بجے رات گیارہ ہوں زینے پر چڑھ کر دکھادے گا۔ غالباً اس کا یہی خیال تھا کہ ان واقعات میں کسی آدمی ہی کا تھا۔ اُس نے شہر کے بعض حکام کو مدد عویشیار ان کے سامنے زینے پر چڑھنے لگا۔ جیسے ہی اُس نے گیارہ ہوں زینے پر قدم رکھا ایک تیز قدم کی روشنی کا جھمکا کا سا ہوا۔ ہماری آنکھیں چند ہیا گئیں۔ ہم نہیں دیکھ سکے کہ وہ کیسے نیچے گرا۔ کچھ لوگوں کا میان ہے کہ وہ اس طرح اچھلا تھا جیسے کسی غیر مردی وقت نے اُسے اچھا دیا ہو۔ وہ سر کے بل گرا تھا۔ ظاہر ہے جو حالت ہوئی ہو گئی۔ گیارہ ہواں زینہ کافی بلندی پر ہے۔ ہر حال وہ پیچارا اپنا میان دینے کے لئے زندہ نہیں رہ سکا۔ پھر کسی کی ہمت نہیں پڑی کہ وہ اپر جا سکتا۔ دوسرے ان البتہ پوری کوٹھی پولیں والوں سے بھر گئی تھی۔“

طاہرہ خاموش ہو گئی۔ پھر تھوڑی دیر بعد اُس نے کہا۔ ”اب آپ کا تجربہ یہ ثابت کرتا ہے کہ چند نامعلوم آدمیوں ہی کی حرکت ہے۔ لیکن گیارہ ہواں زینہ! آخر وہ گرا کیسے ہو گا۔ کیا یارہ ہوں زینے کے نیچے اپر گگ پوشیدہ ہیں۔“

”قطعی نہیں۔“ کمال بولا۔ ”اس سلسلے میں بھی میں اپنا اطمینان کر چکا ہوں۔ اپر گگ کا ایکان نہیں ہے لیکن تم اُس روشنی کو کیوں نظر انداز کیے دے رہی ہو جو اپنک اور غیر متوقع طور پر ظاہر آئی تھی کیا اس کے اپنک ظاہر ہونے پر تم اچھل نہ پڑی ہو گی۔“

”مجھے اچھی طرح یاد ہے۔ میں بے تھا شاہ اچھل پڑی تھی۔ وہ روشنی اتنی تیز تھی کہ نیچے کئی ہڑو میکس لیپ ایسے ہی نظر آنے لگے تھے جیسے خود اُن کے سامنے کوئی نہما سادیا بے وقت جائے۔“

پہنچی آخر کمال بولا۔ ”تم مجھے ان لوگوں میں تصور کر رہی ہو جو یہاں دینے کے پکڑ میں آتے رہے ہیں۔ مجھے یقین ہے کہ یہاں کوئی ایسا دینے نہیں ہے جس پر روحوں کا سایہ ہو۔ وہ میں جو دینے کے لئے قربانیاں ملتی ہوں۔“

”اوہ ہو.... پھر کیا مقصد ہے۔“ طاہرہ بے ساختہ بولی۔

”مقصد ابھی بتا چکا ہوں۔ اس کے علاوہ اور کوئی مقصد نہیں ہے۔“ کمال نے سگار سلاکر دھواں منتشر کرتے ہوئے کہا۔

”اچھا تو پھر وہ کوپڑی....“ طاہرہ نے کہا۔ ”وہ غیر ارادی طور پر بے تکلف ہوتی جا رہی تھی۔“ ”اوہ.... محض پھوپھوں کا کھیل۔“ کمال نے سخیگی کی سے کہا۔ ”اس کے اندر رہائیگرد فون کا ایک چھوٹا سا ہاردن فٹ تھا اور تاروں کا ایک سلسہ اوپری منزل پر چلا گیا تھا۔ لیکن میں اُن کے دوسرے سرے تک نہیں پہنچ سکا کیونکہ مجھے اوپر آتے تو کچھ کرانہوں نے تار کاٹ دیئے اور اپنے ساز و سامان سمیت غائب ہو گئے۔“

طاہرہ اپنے خشک ہونٹوں پر زبان پھیرنے لگی۔ لیکن کچھ بولی نہیں۔

”اب ایسی صورت میں.... میں کیا سمجھوں۔“ کمال نے کہا۔ ”Dینے پر منڈلانے والی روحیں یا.... تم کیا سوچنے لگیں۔“ ”میں ابھی تک یقین اور شہبے کی کشمکش میں بنتا ہوں۔ روایت یہی ہے کہ یہاں ایک دینے ہے اور اُس پر روحوں کا سایہ ہے۔ لیکن اب.... اب....!“

”اب تم یہ سوچنے لگی ہو کہ پھر ان حرتوں کا کیا مطلب ہے۔“

”یقیناً....!“

”کیا اس دینے کے علاوہ بھی تمہیں کسی دوسرا داستان کا علم ہے۔“

”نہیں! اس کے علاوہ میں اور کچھ نہیں جانتی۔ یہ کوٹھی دراصل ہمارے مورث اعلیٰ کو جائیگی میں ملی تھی۔ لیکن یہ اُس وقت اتنی بڑی اور عظیم الشان نہیں تھی۔ یہاں دراصل کسی فرقے کی عبادت گاہ تھی۔ نذر کے زمانے میں اس فرقے کے افراد نے یہاں بہت سے انگریزوں کو قید کر رکھا تھا اور اُنکے مذہبی پیشوائے کافی لوٹ مار کی تھی اور لوٹ کا بہت سامان یہاں اکٹھا کیا تھا۔ کہا جاتا ہے کہ مقامی راجہ کو اُس نے قتل کر کے اُسکی بے شمار دولت پر قبضہ کر لیا تھا اور وہ ساری دولت یہیں کسی مقام پر چھپا دی گئی تھی۔ ایک روایت یہ ہے کہ وہ لوگ دراصل ٹھنگ تھے بہر حال

زینے پر تو ایک انچ جگہ بھی ایسی نہیں ملتی جہاں خون نہ ہو۔ گیارہوں زینے سے اوپر کے زینے بے داغ ہوتے ہیں۔ ان پر خون کا ہلکا سادھہ بھی نہیں نظر آتا۔ رات بھر وہ غل غپڑہ رہتا ہے کہ کان پر ڈی آواز نہیں سنائی دیتی۔ بھلا کس میں بہت ہے کہ وہ اُس وقت یہاں داخل ہو سکے۔

”میں وہ رات تینیں گزاروں گا۔“ کمال نے مسکرا کر کہا۔

”آپ پتہ نہیں کس منی سے بنے ہیں۔“ طاہرہ بولی۔

”ملائی منی سے۔“ ساجد نے برآمدے سے ہاٹ لگائی۔ ”چکنے گھرے ہیں۔“

اس بار ان دونوں ہی نے دھیان نہیں دیا۔

”کیا تم اس مہم میں حصہ لینا چاہتی ہو۔ میں تمہیں خطرات سے دور ہی رکھوں گا۔“

”میں تیار ہوں۔“ طاہرہ نے کہا۔

”یا اللہ۔“ ساجد نے برآمدے میں اتنے زور سے مٹھنڈی سانس لی کہ اُسے کھانی آئے گی۔

طاہرہ کو پھر بڑی آگئی اور کمال جھلا کر اخالیک ساجد اُس کے برآمدے میں پہنچنے سے قبل ہی کھک گیا تھا۔ کمال واپس آگیا۔

”یہ آپ کے چھوٹے بھائی ہیں۔“ طاہرہ نے پوچھا۔

”بیوہوہ ہے۔“ کمال نے بات اڑا دی۔ ”ہاں! مجھے تمہاری مدد کی ضرورت ہے۔ تم کافی ذہین اور دلیر ہو۔ مجھے یقین ہے کہ یہ کام بہ آسانی انجام دے سکو گی۔ مگر یہ بات ایک مخصوص حد تک راز ہی رہے گی۔ تم اس کا تذکرہ کسی سے نہیں کرو گی۔ حتیٰ کہ کورٹیلیا سے بھی نہیں۔“

”آپ مجھ سے کیا کام لینا چاہتے ہیں۔“

”ساگر کی گمراہی۔“

”ساگر...! طاہرہ کی آنکھوں سے حرمت جھائکنے لگی۔

”ہاں ساگر۔ آج اُس کی نقل و حرکت پر نظر رکھو۔“

طاہرہ کسی سوچ میں پڑ گئی۔

”تم سوچ رہی ہو گئی کہ میں نے تم پر اتنی جلدی اعتماد کیے کر لیا۔“ کمال نے کہا۔

”اوہ... کیا آپ جادو گر ہیں۔“ طاہرہ نے حرمت سے کہا۔ ”ہاں میں یہی سوچ رہی تھی اور

یہ بھی سوچ رہی تھی کہ میں آپ پر اعتماد کروں یا نہ کروں۔“

”میں تمہیں کیا نقصان پہنچا سکتا ہوں؟“ کمال نے سمجھیدگی سے پوچھا۔

”کیا تمہارے ساتھ کسی قسم کی سازش کا امکان ہے۔“

”اچھا باب اُس آدمی کے متعلق سچے جو زینوں پر پچھہ رہا تھا۔ وہ لاکھ دلیر کی ملکن غیر متوقع طور پر ظاہر ہونے والی روشنی نے اُس کے پیر ضرور اکھاڑ دیئے ہوں گے۔ اور پھر ہو سکتے ہے کہ روشنی کے ساتھ ہی ساتھ اُسے اوپر کچھ اور بھی نظر آیا ہو۔ گیارہوں کیانوں ہی زینے سے اوپر کے درست پچ صاف دکھائی دینے لگتے ہیں۔ فرض کرو اُسے وہاں کوئی گوریلا ہی نظر آیا ہو۔ اس کی جگہ اگر تم ہوتی تو تمہارا بھی یہی حشر ہو تا حالانکہ تم عام عمور توں سے بہت مختلف ہو۔“

”مکعن... مکعن... مکعن...!“ ساجد نے برآمدے سے نفرہ لگایا۔

اور طاہرہ بے تباہہ بہنے لگی۔ کمال بُرا سامنہہ بنا کر رہ گیا۔

ساجد نے اُس کے بعد خاموشی اختیار کر لی۔ ماحول پھر سمجھیدہ ہو گیا اور طاہرہ نے کہا۔

”مگر وہ لوگ اتنی جلدی غائب کہاں ہو جاتے ہیں۔“

”شائد تم یقین نہ کرو۔“ کمال نے بھجا ہوا سگار سلاگا کر کہا۔ ”اس عمارت کے نیچے سر ٹگوں اور

تہہ خاؤں کا جال سا بچھا ہوا ہے۔“

طاہرہ کامنہ حرمت سے کھل گیا۔

”ہاں... یہ میں غلط نہیں کہہ رہا ہوں.... ان میں کچھ سر ٹگوں کی حالت بتائی ہے کہ وہ

صد ہا سال پرانی ہیں اور کچھ بالکل نئی معلوم ہوتی ہیں۔ اس عمارت کا شاید ہی کوئی کرہ ایسا ہو جائے

میں تھہ خانہ نہ ہو۔ رات میں نے تمہارے کمرے کی بھی سیر کی ہے۔ اس کے فرش میں بھی ایک

پوشیدہ دروازہ ہے۔“

طاہرہ اس طرح ہنسنے لگی جیسے اُسے یقین نہ آیا ہو۔

”میں جھوٹ نہیں کہہ رہا ہوں۔“ کمال نے کہا۔

”اچھا آپ نے میرے کمرے میں کیا دیکھا۔“

”تم اور کورٹیلیا ڈر کے مارے ایک ہی سسہری پر سوتی تھیں۔“

”اوہ... آپ نے کسی نوکر سے نہ ہو گا۔“ طاہرہ پھر ہنسنے لگی۔

”اچھا... آپ رات دیکھ لینا۔“ کمال نے سمجھیدگی سے کہا۔

”لیکن مقصد! آپ کہتے ہیں کہ دہینے والی داستان فضول ہے۔ آپ نے یہ بھی ثابت کر دیا کہ یہ انسانوں ہی کی حرکتیں ہیں۔ پھر.... مقصد!.... آخر ایسا کیوں ہو رہا ہے۔ گیارہہ تاریخ...“

گیارہ بجے راست... گیارہہ والی زینہ... یہ سب کیا بلہ ہیں۔ ہر ماہ کی گیارہہ تاریخ کو گیارہہ رات

رات یہاں نہ جانے کیا ہوتا ہے۔ بارہوں کی صبح کو زینوں پر خون مٹا ہے۔ خصوصاً گیارہہ والی زینہ

”نبیں ایسی کوئی بات نہیں۔“

”پھر....!“

”پھر کچھ نہیں۔ میرے لئے یہ ایک نیا تجربہ ہو گا۔ میں اس کا تعاقب ضرور کروں گی۔ آخِر اُسی کے کمرے پر بھوتیں کاملہ کیوں ہو اور وہاں آپ کے قلم کی موجودگی کا کیا مطلب تھا۔“

”اسی لئے میں کہتا ہوں کہ تم بہت ذہین ہو۔“

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کمال سر جھکائے کچھ سوچ رہا تھا۔ اُس کی پیشانی پر شکنیں اُبھری ہوئی تھیں اور طاہرہ اُسے عجیب انداز سے دیکھ رہی تھی۔

پھر کمال نے ایک نئی تجویز پیش کی۔ اُس نے اُس سے کہا وہ بھی ساگر کے ہمراہ پولیس اسٹیشن جائے اور کسی طرح کمال کا فاؤنڈیشن پین ڈیاخت کر لے۔

طاہرہ اس عجیب و غریب تجویز پر الجھن میں پڑ گئی اور کمال اُسے اور زیادہ نہ اسرار معلوم ہونے لگا۔ لیکن اس کی تشکی کر دی۔ اُس نے کہا کہ وہ اس طرح ساگر کا اعتناد حاصل کر سکے گی اور اگر تعاقب کے دوران میں ساگر کی نظر اس پر پڑی بھی لائی تو اُسے محض اتفاق سمجھے گا۔ اس طرح وہ شہبے سے بالاتر ہو جائے گی۔

طاہرہ مطمئن تو ہو گئی مگر ایک بنام سی خلش اُس کے ذہن میں اب بھی باقی تھی۔ اب بھی وہ اس بات کا فیصلہ نہیں کر سکی تھی کہ کمال کو دوست سمجھے یاد نہیں۔

بہر حال وہ کمال کی تجویز کو ذہن نشین کر لینے کے بعد اپنے کمرے کی طرف روانہ ہو گئی۔ لیکن یہاں نیا شکوفہ کھلا دیکھا۔ کورنیلیا اپنے سامان کے ساتھ ایک پور میبل گراموفون بھی لائی تھی جس پر اس وقت موسيقی کا ایک ریکارڈ ڈیج رہا تھا اور کورنیلیا ساجد کے ساتھ رہما بناچ رہی تھی۔ ساجد اپنے اسی مصلحہ خیز لباس میں تھا۔ یعنی سور کی سفید ٹوپی اور زرد رنگ کے لبادے میں۔

طاہرہ کو بڑی حیرت ہوئی۔ اس کی دانست میں ابھی تک وہ دونوں دور ہی رہے تھے اور حقیقت بھی بھی تھی۔

طاہرہ کو دیکھتے ہی کورنیلیا اچھل کر الگ ہٹ گئی۔ لیکن ساجد آنکھیں بند کئے ہوئے بدستور ناچارہا اور اس انداز میں جیسے کورنیلیا اب بھی اُس کے بازوؤں میں ہو۔ وہ ناچارہا۔۔۔ طاہرہ بے تھا شہنشہ رہی۔ کورنیلیا بھی نفس رہی تھی۔ لیکن اس کی بھی میں نہامت بھی شامل تھی۔

اچانک وہ آنکھیں بند کئے ہوئے طاہرہ کی طرف چھپنا اور طاہرہ نے بڑی پھر تی سے ایک طرف ہٹ کر اُسے دھکا دے دیا۔ وہ دیوار سے جا نکرایا اور اس کی آنکھیں کھل گئیں لیکن پیشانی پر

ہگواری کی شکن تک نہیں تھی۔

اُس نے بڑے پر خلوص انداز میں کہا۔ ”میرے لائق کوئی خدمت۔“

”چپ چاپ یہاں سے چلے جاؤ۔“ طاہرہ سنجیدگی سے بولی۔ ”کمال صاحب نہیں چاہتے کہ ہم لوگوں میں کسی قسم کا تعلق طاہر ہو۔“

”آہم....!“ ساجد ایک طویل سانس لے کر بولا۔ ”پوری طرح پھنس گئی ہو۔ خیر میرا کیا جاتا ہے۔ اگر تم اپنی خوشی سے اپنے سر پر استراحت پھر والو تو میرا اذم۔ ویسے مجھے ان گھونگھریاں بالوں کے ضائع ہونے کا بڑا افسوس ہو گا۔“

”میا مطلب....!“

”کمال صاحب کریک ہیں۔“ ساجد نے سنجیدگی سے کہا۔ ”فلسفہ کے کیڑے ہیں۔ لہذا کھوپڑی الٹ گئی ہے۔ اُن کا خیال ہے کہ اگر عورتیں سرمنڈوا شروع کر دیں تو دنیا کی آبادی حیرت انگیز طور پر بڑھ سکتی ہے۔ دلیل کے طور پر وہ افریقہ کی اُن اتوام کو پیش کرتے ہیں جن کی عورتوں میں سرمنڈوا نے کاروان پیا جاتا ہے۔ اُن میں سے ہر عورت عمر طبعی کو پہنچتے پہنچتے تقریباً تیس یا چالیس بچے جن ذاتی ہے....ہاں....تو....!“

”کیوں بکار ہے ہو۔ جاؤ۔“ طاہرہ نے جھینپھے ہوئے انداز میں کہا۔ ”تمہاری مرضی۔“ ساجد لاپرواںی کے انہیں میں اپنے شانوں کو جبڑ دے کر بولا۔ ”میں نے اپنا فرض ادا کر دیا۔ یہ تو تم محسوس کر رہی ہو گئی کہ وہ حیرت انگیز طور پر اپنی باتیں منوالیتے میں۔ تم خوشی سے اپنا سرمنڈواوے گی۔ ان کا فلسفہ اتنی مضبوطی سے تمہارے ذہن میں جڑیں پکڑے گا کہ تم مجبور ہو جاؤ گی۔ میں اب تک چالیس عدد حصیں تین لاکھیوں کا حشر دیکھ چکا ہوں۔ وہاب بھی سرمنڈواتی ہیں اور خوش ہیں....اچھا....ٹانا۔۔۔ میرے باپ کا کیا جاتا ہے۔“

وہ کمرے سے چلا گیا۔ دونوں خاموشی سے ایک دوسری کی طرف دیکھی رہیں پھر انہوں نے بیساختہ ہنسنا شروع کر دیا۔

”ذر اسوجہ تو۔“ کورنیلیا نے کہا۔ ”تمہارا سراغتے کے چھکے کی طرح صاف ہے اور کافیوں میں آویزے جھوول رہے ہیں۔ ہونٹوں پر لپ اسکے اور نشی آنکھیں۔۔۔ ہائے۔“

”تم بتاؤ کیسی۔ یہ ذرا سی دیر میں اتنی بے تکلفی کیسی۔“ طاہرہ نے اُس کے بال پکڑ کر جنمبوڑتے ہوئے کہا۔

”اُرر.... چھوڑو....“ کورنیلیا ایک طرف پکلتی ہوئی بولی۔ ”باتاں ہوں۔“

انپکٹر نے اس سلسلے میں کمال سے کیا گفتگو کی۔ بہر حال جب سب انپکٹر کمال کے کمرے سے نکل کر جانے لگا تو طاہرہ اور ساگر مغربی رخ والے برآمدے سے زیادہ دور نہیں تھے۔ طاہرہ نے کمال کو دیکھا جو برآمدے میں کھڑا اغرا رہا تھا۔ سب انپکٹر برآمدے کے نیچے اتر آیا تھا۔

کمال اُس سے کہہ رہا تھا۔ ”آپ کیا سمجھتے ہیں جناب۔ جائیے نصیر آباد کے ڈی۔ ایس۔ پی۔ مسٹر کمار سے پوچھ لجئے کہ میں کون ہوں۔ انہیں کی سفارش پر میں نے یہ حصہ کرانے پر حاصل کیا ہے.... اور میں کوئی گیا گذر آدمی نہیں ہوں کہ آپ لوگ آکر مجھ پر دھونس جائیں۔ میں جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روانیات کا صدر ہوں میرے خلاف کوئی کارروائی کرنے سے پہلے اپنے ڈی۔ ایس۔ پی سے ضرور مشورہ لجئے گا سمجھے۔“

اتنا کہہ کر وہ تیر کی طرح اندر چلا گیا اور دوسرے ہی لمحے میں دروازہ بھی ایک زوردار آواز کے ساتھ بند ہو گیا۔

سب انپکٹر کے چہرے پر جھلاہٹ اور شرمندگی کے ملے جلے آثار تھے ذہ سیدھا طاہرہ اور ساگر کی طرف چلا آیا۔

”آپ لوگ فکر مت سمجھے۔“ اُس نے غصیلے لمحے میں کہا۔ ”میں ان حضرت کو دیکھ لیں گا۔“

ڈی۔ ایس۔ پی صاحب کے باپ بھی جنک ماریں گے۔ ساگر صاحب! اب آپ ایک روپورث اور درج کر دیجئے کہ اُس نے پولیس کی کارروائی کے بعد آپ کو جان سے مار دینے کی دھمکی دی تھی۔“

”آہا....!“ ساگر نے انہیں خلوص سے کہا۔ ”آپ کا جو دل چاہے لکھ لجئے۔ دستخط میں کر دوں گا۔“

”اچھا تو آپ آدمی گھنٹے بعد یہاں سے روانہ ہو جائیے گا۔“ سب انپکٹر نے کہا۔ پھر طاہرہ سے بولا۔ ”اور آپ بطور گواہ اپنا ایک بیان دیجئے گا۔ یہی کہ دھمکی آپکی موجودگی میں دی گئی تھی۔“

”آں..... ہاں..... ضرور....!“ طاہرہ نے بے ولی سے کہا۔ لیکن وہ سوچ رہی تھی کہ حقیقت اُسے کیا کرنا چاہئے کہیں یہ چیز کمال کے خلاف نہ ہو۔

سب انپکٹر کے چلے جانے کے بعد اُس نے بہت کوشش کی کہ کسی طرح کمال تک پہنچ کے لیکن کامیابی نہ ہوئی۔ اب اُسے ساگر کی شخصیت بھی بڑی مدد اسرار معلوم ہونے لگی تھی۔ اُس نے محسوس کیا تھا کہ ساگر ان دونوں سے کچھ اسی قسم کی رپورٹ رکھتا تھا جیسے عمارت کے بھوت وہی ہوں۔ آدمی گھنٹے کے بعد اسے پھر ساگر کے ساتھ پولیس ایششن جانا پڑا۔ سب انپکٹر نے پہلے ہی سے روپورٹ تیار کر رکھی تھی۔ انہیں صرف اسی پر دستخط بنانے پڑے۔

”چلو ساؤٹ بکس اٹھاؤ۔“ طاہرہ نے اُسے گراموفون کی طرف دھکیتے ہوئے کہا۔

”میں کیا بتاؤں طاہرہ۔“ کورنیلیاریکارڈ سے ساؤٹ بکس اٹھا کر ٹرن نیبل کو روکتی ہوئی بولی۔ ”میں خود نہیں سمجھ سکتی کہ یہ سب کچھ کیسے ہو گیا۔ وہ تھوڑی بی دیر میں اس طرح بے ٹکنہ ہو جاتا ہے جیسے برسوں پرانی ملاقات ہو۔ میں تو کم از کم یہی محسوس کرنے لگی تھی۔ صرف پدرہ منٹ میں اُس نے مجھے رقص کرنے پر آمادہ کر لیا۔ اب مجھے خدا بھجن ہو رہی ہے۔“

”یہ دونوں ہی عجیب ہیں۔“ طاہرہ آہستہ سے بڑی رہا۔

”کیوں؟ کوئی خاص بات۔“

”کچھ نہیں! میں بھی ساگر کے ساتھ پولیس ایششن جاؤں گی۔ مجھے یہاں ان دونوں کی موجودگی ابھیں میں بتلا کر رہی ہے۔“

”مگر تم نے تو ابھی اُس سے کہا۔.... تھا....!“

”وہ کچھ نہیں.... اُسے بھول جاؤ۔ وہ بھی ایک چال تھی۔ یہ دونوں نہ جانے کون ہیں مجھے خوف معلوم ہوتا ہے۔“

”ہاً میں! لفظ خوف.... اور تمہاری زبان سے۔ میں کیا سن رہی ہوں۔“

”میں بھی انسان ہی ہوں۔“ طاہرہ نے لاروائی سے کہا۔

چور دروازہ

اس طرح طاہرہ نے اُسے نال دیا ورنہ حقیقت یہی تھی کہ اُس کی چھٹی حس ان لوگوں کی طرف سے اپنے لئے کوئی خطرہ محسوس کر رہی تھی۔

ساگر نے اُس کے اس خیال کو بہت سراہا کر دے بھی اُس کے ساتھ پولیس ایششن جا کر اپنا طرف سے بھی ایک روپورٹ درج کرائے گی۔ طاہرہ اُس کے تباہ حال کرے میں کمال کا فاؤنٹین پن دوبارہ ڈال کر مطمئن ہو گئی تھی۔

اسکیم کے مطابق اُس نے ساگر کے ساتھ ہی اپنی روپورٹ بھی درج کرائی اور موجودہ گڑبڑ کے سلسلے میں کمال اور ساجد پر شیخہ طاہر کیا پھر جب پولیس موقع و اور دفاتر کا جائزہ لینے کے لئے کوئی بھی میں آئی تو طاہرہ نے کمال کا فاؤنٹین پن شناخت کر لیا لیکن اُسے یہ نہ معلوم ہو سکا کہ سب

”کم از کم تین آدمی اور مل جائیں تو بہتر ہے۔“ سب انپکٹر نے کہا۔
”کیسے تین آدمی...!“ ساگر نے پوچھا۔

”ایے جو اس دھمکی کے سلسلے میں شہادت دے سکیں۔“

ساگر چند لمحے کچھ سوچتا رہا پھر بولا۔ ”میں مہیا کرلوں گا۔“

”جتنی جلدی ہو سکے اتنا ہی اچھا ہے۔“ سب انپکٹر نے کہا۔

پولیس اسٹیشن سے باہر آکر ساگر نے طاہرہ سے استدعا کی کہ وہ کچھ دیر تک اور اُس کے ساتھ رہے کیونکہ وہ اب تک اسی کی کار استعمال کرتا رہا تھا۔ طاہرہ نے سوچا شاید وہ اُن تینوں آدمیوں کی فکر میں ہے جن کی فرمائی کے لئے اُسے سب انپکٹر سے ہدایت ملی ہے۔

طاہرہ نے بڑی خوشی سے اُس کے لئے ڈرامیکوں کا منظور کر لیا۔

تقریباً ڈھانی گھنٹے میں وہ ایسے تین آدمی مہیا کر لے سکا۔ اس کے لئے طاہرہ کو متعدد ہولوں، کلبیوں اور عمارتوں کے سامنے کار و کنی پڑی تھی۔

بہر حال سارا دن گذر گیا اور طاہرہ کمال کی ہدایت کے مطابق چھپ کر ساگر کا تعاقب نہ کر سکی۔

پھر رات ہو گئی۔ وہ کمال تک پہنچنے کے لئے بُری طرح بے تاب تھی اور اس بات کی منتظر تھی کہ کسی طرح کو نیلیا سوچا۔ ساگر کی طرف سے تو وہ مطمین تھی کہ وہ اُسے کمال سے ملتے نہ دیکھ سکے گا کیونکہ وہ بیہاں تھا ہی نہیں۔ سر شام ہی وہ یہ کہہ کر چلا گیا تھا کہ جب تک حالات درست نہ ہو جائیں گے وہ اپنے ایک عزیز کے ساتھ قیام کرے گا۔

تقریباً گیارہ بجے کو نیلیا سوچی۔ طاہرہ نے پھر سیاہ پتلون اور سیاہ جیکٹ پہنی۔ باہر پھیلی ہوئی تاریکی نے اپنے سینے میں چھپا لیا۔

اُس کا دل دھڑک رہا تھا اور وہ اس ملاقات کے علاوہ اور کسی چیز کے متعلق نہیں سوچ رہی تھی حتیٰ کہ ملاقات کا مقصد بھی اُس کے ذہن میں نہیں تھا۔ وہ اندر میرے میں آگے بڑھتی جا رہی تھی۔ اس عمارت سے متعلق ڈراؤنی باتیں بھی اُسے یاد نہیں آئیں۔

برآمدے میں پہنچ کر اُس نے دروازے پر ہلکی سی دستک دی۔ لیکن اندر سے جواب نہیں ملا۔ کمرے میں بھی تاریکی تھی۔ اُس نے دروازے پر ہاتھ پھیرا۔ وہ باہر سے مقفل نہیں تھا۔ دروازوں پر جا کر بھی اُس نے اطمینان کر لیا کہ وہ دونوں اندر میرے میں کوئی بھی دروازہ مقفل نہیں تھا۔

اُس نے ایک ایک کر کے سارے دروازوں پر دستک دی لیکن اندر بدستور سناتا رہا۔ اپنے

کروں سے بیہاں تک آنے میں ذرہ برابر بھی خوف نہیں محسوس ہوا تھا۔ لیکن اب اُس کے پیروں کا پہنچنے لگے اور پھر اُسے احساس ہوا کہ وہ خواہ مخواہ ایک حماقت میں بیٹلا ہو گئی ہے۔

وہ بڑی تیزی سے برآمدے سے اتری اور بے تھا شہ اپنے کروں کی طرف دوڑنے لگی پیروں میں کرب سول جاتے تھے ورنہ چوکیدار کو یقیناً اپنی طرف متوجہ کر لیتی جو کہیں تھوڑے ہی فاصلے پر ”سوتے جاتے رہو“ کی ہلک لگا رہا تھا۔ وہ اس وقت کچھ عجیب سی کیفیت محسوس کر رہی تھی۔ اپنے کمرے میں پہنچ کر اُس نے ہانپتے ہوئے سوچا کہ خوف کے احساس میں ایک مخصوص قسم کی بو بھی شامل ہوتی ہے۔ پھر وہ اُس بو کے متعلق سوچنے لگی جو اس وقت اُس کے ذہن پر چھائی ہوئی تھی۔ اس طرح وقتی طور پر خوف کا احساس زائل ہو گیا اور پھر وہ اُس بو کے راز کو بھی پا گئی۔ وہ تو شبین میں بھیگی ہوئی گھاس کی بو تھی جو اُس کے کیروں میں بھی ہوئی نصفھلین کی بو سے ہم آہنگ ہو کر ذہن پر ایک عجیب سا اثر ڈال رہی تھی۔

اُس نے جیکٹ اور پتلون انداز کر کر سونے کا لباس پہنا اور آئینے کے سامنے کھڑی ہو کر اپنے سترے زرد چہرے کو گھورنے لگی اُسے اپنے عورت پن پر بڑی کوفت محسوس ہو رہی تھی۔ ان دونوں سے پہلے بھی اُس کے وہم میں بھی یہ بات نہ رہی ہو گئی کہ وہ کسی موقعے پر خاف بھی ہو سکتی ہے۔

اُس نے ایک طویل سانس لی۔ لیکن درمیان ہی سے اُس کا سلسہ منقطع ہو گیا کیونکہ اُس نے اپنے قریب ہی ایک عجیب طرح کی کھڑک رہا تھا ستری تھی۔ وہ اچھل کر پہنچے ہٹ گئی۔ سنگار میز کی راہتی طرف دیوار میں ایک بڑی سی خلاء نظر آئی۔ طاہرہ نے پھر بے تھا شہ ایک چھلانگ لگائی اور دروازے کے قریب پہنچ گئی۔ لیکن دوسرے ہی لمحے میں اُس نے ایک بلکا ساق تھہہ سنا اور دیوار کی خلاء میں دوچہرے دکھائی دیے۔ جانے پہنچنے چہرے۔

دیکھتے ہی دیکھتے کمال اور ساجد کمرے میں آگئے۔

”تم نے دیکھا۔“ کمال آہستہ سے بولا۔

”دیکھا....!“ طاہرہ نے اپنے ہونٹ پہنچ لئے۔ وہ دل کی دھڑکنوں پر قابو پانے کی کوشش کر رہی تھی۔ ”لیکن اس طرح“ اُس نے ناخن گوار لبھنے میں کہل۔ ”میں نہیں سمجھ سکتی کہ یہ کہاں تک درست ہے۔“

”مجھے افسوس ہے محترمہ طاہرہ۔“ کمال بولا۔ ”ہم یہ رات اسی کمرے میں گذاریں گے۔ پھر یہ ریکھتے کہ ہمچیغ بھوٹ توہین نہیں کہ ہماری زندگیاں ہر حال میں محفوظ ہوں۔... ذرا سا ہر یہ۔“

ل کہا۔ ”وہ انتقامی جذبہ کے تحت کوئی نہ کوئی کاروائی ضرور کرے گا۔“
”اس کی پروانہ نہ کرو۔ لیکن میں ایک بار پھر تمہیں سمجھاؤں گا کہ اس طرح تھا باہر نہ تکا
۔ اس وقت تم نے ایک بہت بڑی حماقت کی تھی۔“
”آئندہ احتیاط برتوں گی۔ مگر وہ چاہتے کیا ہیں۔ انہوں نے عمارت پر کیوں قبضہ کر رکھا
۔ میرا خیال ہے کہ تقریباً سو سال سے عمارت ان کے قبضے میں ہے۔“
”تمہارا خیال درست ہے اور قبضے کا مقصد غالباً آج بھی وہی ہے جو سو سال پہلے تھا۔“
”کیا مقصد ہو سکتا ہے۔“

”بہت جلد معلوم ہو جائے گا۔ اب تم سو جاؤ۔ ہم دونوں اسی کمرے میں رہیں گے۔ لیکن اس
رے کا دروازہ کھلا رہنے دینا۔ شاکر دوسرا ہی کمرے میں کورنیلیا سورہی ہے۔ اور.... کوئی
طابت مت سوچو۔ یہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ اس کرنے میں بھی ایک چور دروازہ موجود ہے۔“

ہڈیوں کے ڈھانچے

خواب گاہ میں آکر کافی ویرٹک طاہرہ شہرتی رہی۔ کورنیلیا بے خبر سورہی تھی۔ دوسرے
رے میں کمال اور ساجد تھے لیکن ساجد اس وقت بہت سنجیدہ نظر آرہا تھا۔ اس نے ایک بار بھی
ابرہ کو چھیڑنے کی کوشش نہیں کی تھی۔ دونوں کروں کے درمیان صرف ایک دروازہ حائل تھا
۔ کمال کی ہدایت کے مطابق اسے کھلا ہی رہنے دیا گیا تھا۔ مسہری دروازے کے سامنے ہی تھی۔
ابرہ سوچ رہی تھی کہ ایسی حالت میں مسہری پر لینا اس کے لئے قریب قریب ناممکن ہی ہو گا۔
لاد کے دباؤ سے پوٹے بو جھل ہوئے جا رہے تھے۔ تقریباً ایک گھنٹہ گزر گیا۔ طاہرہ ایک آرام
ی میں پڑی ہوئی نیند سے لڑتی رہی۔ دوسرے کمرے میں بھی ایک مسہری تھی جس پر ساجد
اٹے لے رہا تھا۔ یہ دراصل کورنیلیا کا کمرہ تھا لیکن پچھلی رات سے وہ دونوں ایک ہی کمرے میں
رہی تھیں۔

کمال کی عجیب کیفیت تھی لیکن طاہرہ کو اس میں ذرہ برابر بھی تصنیع نظر نہ آیا۔ وہ کبھی ٹھلنے
لز کبھی پیٹھ کر سگار کا دھواں بکھیرتا۔ کبھی پنسل سے کچھ لکھنے لگتا۔ اس نے ایک بار بھی طاہرہ
کمرے کی طرف نہیں دیکھا۔ ایسا معلوم ہو رہا تھا جیسے وہ خود کو تھا محسوس کر رہا ہو۔ جیسے ساجد
کو ناٹوڑ نہ لگا۔

کمال خلاء کی طرف واپس گیا۔ طاہرہ صرف اتنا ہی دیکھ سکی کہ اس نے ایک بار خلاء میں ہاتھ
ڈال کر اسے بڑی سرعت سے باہر نکال لیا اور پھر اسی قسم کی گھڑ گھڑاہٹ کرے میں گونج کر رہا گئی
جیسی پہلے سنائی وی تھی.... دیوار برابر ہو چکی تھی۔ کمال اس کی طرف لوٹ آیا۔
”اس وقت وہ ہماری تاک میں ہوں گے۔“ کمال نے کہا۔ ”ہمارے کروں پر یقیناً ایک منظم
حملہ کیا جائے گا جس کے اثرات تم تک ملی صحیح دیکھ سکو گی۔“
طاہرہ کچھ نہ بولی۔ وہ خاموشی سے انہیں دیکھ رہی تھی۔ اُن کے لباس اچھی حالت میں نہیں
تھے۔ اُن پر کافی گرد تھی اور جا بجا ٹکڑیوں کے جالے لپٹے نظر آرہے تھے۔
طاہرہ نے تھوڑی دیر بعد کہا۔ ”میٹھے جائے! میں ابھی آپ کے کروں کی طرف گئی تھی۔“
”واقعی تم بہت باہم تھے ہو۔“ کمال نے اُسے تھیں آمیز نظر وہ سے دیکھتے ہوئے کہا۔
لیکن طاہرہ اپنی بد حواسی یاد کر کے دل ہی دل میں شرمندہ ہو رہی تھی۔
”میں یہ بتانے گئی تھی کہ....!“
”آہا.... مجھے معلوم ہے کہ وہ شام تک آپ کو ساتھ لئے پھر تارہا ہے۔“
”آپ کیا جانیں۔“

”دن کی بات ہے۔ کوئی ایسا واقعہ نہیں تھا جو چھپ سکتا۔“
”خیر ہر حال! مجھے تعاقب کرنے کا موقع نہیں مل سکا۔“
”حالانکہ آپ اُس کا تعاقب ہی کرتی رہی تھیں۔ اگر آپ ان مقامات کی تفصیل دے سکیں۔
جہاں جہاں وہ گیا تھا تو اس سے مقصد حل ہو جائے گا۔“
”اوہ.... وہ تو میں بتا سکتی ہوں۔“ طاہرہ نے کہا اور بیان کر چلی۔
”زر اٹھر ہے۔ اگر میں نوٹ کرتا چلوں تو زیادہ بہتر ہو گا مگر اس وقت نہ میرے پاس کاغذ
ہے اور نہ قلم۔“
طاہرہ نے سگار کی دراز سے پنسل اور پیٹھ نکال کر اس کی طرف بڑھا دیا۔
”مشکر یہ....!“

طاہرہ نے ایک بار پھر تفصیل دہرائی اور وہ نوٹ لیتا گیا۔
”بس ٹھیک۔“ اُن نے پنسل میز پر ڈال کر ایک انگڑائی لی اور جیب سے سگار نکال کر اس کا
کونا توڑنے لگا۔
”آپ نے سب انکپڑ سے سخت کلائی کر کے اچھا نہیں کیا۔“ طاہرہ نے تشویش آمیز لمحے

پاس کاہے۔ وقت کم صرف ہوتا ہے۔
”اُسکی پرواہ نہ کیجئے۔“ طاہرہ نے خوش اخلاقی کا مظاہرہ کیا۔ ”اسکیں میر امداد بھی شامل ہے۔“ سب سے پہلے وہ ایک ریستوران میں آئے۔ ساگر نے اُس کے فوجر سے کسی آدمی کے متعلق پوچھ چکے کی اور پھر مایوسان انداز میں سر ہلاتا ہوا باہر نکل آیا۔ ”بڑی دشواریوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔“ اُس نے کار میں بیٹھتے ہوئے کہا۔ ”راجن کو اس وقت یہاں ہر حال میں موجود رہنا تھا۔ دیکھتے اب اختراور مائیکل بھی لئے ہیں یا نہیں۔ اس وقت تھانے میں اُن کی حاضری ضروری ہے۔“

”چلے دیکھتے ہیں۔ ممکن ہے راجن صاحب تھوڑی دیر بعد یہاں آئیں۔“ طاہرہ بولی۔ ”آپ نے فوجر سے تو کہہ نہیں دیا ہو گا۔“

”جی ہاں... دیکھتے“

کار پھر آگے بڑھ گئی۔ سورج دور کی پہلاں یوں میں غروب ہو رہا تھا اور سر سبز چٹانوں پر کسی طرح کے رنگ لہریں لے رہے تھے۔ سریم بالا کی آبادی بکھری ہوئی ہے اور کسی جگہ بھی بھی آدمی کو اس کا احساس نہیں ہونے پاتا کہ وہ کسی شہری آبادی میں ہے۔ ہری بھری پہلاں یوں کے درمیان سفید اور بھوری عمارتیں چاروں طرف پھیلی ہوئی نظر آتی ہیں۔ طاہرہ کارڈرائیور کرتے وقت سوچ رہی تھی کہ آج بھی وہ کمال کے لئے خاصی معلومات فراہم کر سکے گی۔ مگر ساگر کا ان معاملات سے کیا تعلق ہو سکتا ہے۔ وہ پچھلے دونوں کے علاوہ ہمیشہ اُسے سیدھا سادہ بے ضرر انسان معلوم ہوا تھا۔ وہ سریم بالا کے لینڈ کشم کا انپکٹر تھا اور طاہرہ کی کوئی کسی کے ایک حصے کا مستقل کرایہ دار۔ اُس کے خاندان کے دوسرے افراد نصیر آباد میں کہیں رہتے تھے اور وہ ملازمت کے سلسلے میں سریم بالا میں مقام تھا۔

کار اوپنجی پنجی اور چکردار سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ ”ساگر صاحب۔“ طاہرہ نے اُسے مخاطب کیا۔ ”کیا آپ یہ سمجھتے ہیں کہ موجودہ گڑبر میں

انہیں دونوں کا ہاتھ ہے۔“

”ہو یا نہ ہو۔“ ساگر بولا۔ ”لیکن موجودہ خلفشار کا باعث یہی دونوں ہیں۔ ان کی آمد سے قلب سکون تھا۔ یوں تو ہر ماہ کی گیارہ کی رات کو ہاں شیطانی ہنگامہ برپا ہوتا ہے لیکن دوسرے لوگوں پر ان کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔“ اچھا آپ کے کمرے کی بجائی کا ذمہ دار کون ہو سکتا ہے۔“ طاہرہ نے پوچھا۔ ”ویسے اس کا

کے خراؤں کی آوازیں بھی اس کے کافیں تک نہ پہنچ رہی ہوں۔ اکثر وہ پلیس جپکاٹے بغیر کافی دیر میکرے کی کسی نہ کسی کی چیز کو گھورتا رہتا۔

طاہرہ کا ذہن غنوگی سے ہم آغوش ہونے کے باوجود بھی اُس میں کافی دلچسپی لے رہا تھا۔ تھوڑی دیر بعد وہ ایک نامعلوم توجیہہ کی بناء پر مطمئن ہو گئی۔ ساجد اور کمال اُسے اپنے ہی خاندان کے افراد معلوم ہونے لگے۔ ہو سکتا ہے کہ نیند سے بوکھلانے ہوئے ذہن نے اُسے فریب دیا ہو۔ بہر حال وہ آرام کر سی ہی پر سو گئی۔

پھر دوسری صبح وہ خود سے نہیں جاگی۔ کورنیلیا نے اُسے جگایا اور ساتھ ہی وہ اُس پر برس بھی پڑی۔ ”کیوں تم آرام کر سی پر کیوں سوئی تھیں۔ کہہ دیا ہوتا کہ میں تمہارے ساتھ نہیں سو سکتی۔“ ”اوہ.... وہ.... بات یہ ہوئی....“ طاہرہ پکھ کہتے کہتے رک گئی۔ اُس نے سوچا کہ کمال وغیرہ کو رونیلیا کے بیدار ہونے سے قبل ہی وہاں سے چلے گئے ہوں گے۔ ورنہ وہ آرام کر سی پر سونے کے سلسلے میں شکوہ کیوں کرتی۔

”بُس یونہی بیٹھنے بیٹھنے سو گئی تھی۔ ارادتا یا نہیں ہوا تھا۔“ اُس نے کہا۔

پھر وہ اٹھ کر دوسرے کمرے میں آئی۔ طاہرہ بہت ذہین تھی اُس نے سوچا کہ کمرے میں ادھر ادھر سگار کی راکھ ضرور موجود ہو گئی۔ لہذا اُسے صاف کر دینا چاہیے۔ ورنہ کورنیلیا خواہ مخواہ بات کا بیٹھنے پڑاے گی... مگر اُسے کہیں بھی سگار کی راکھ نہ مل۔ سگار کی راکھ ہی پر منحصر نہیں کرے میں کہیں بھی کسی دوسرے کی موجودگی کے نشانات نہ ملے۔ ساجد مسہری ہی پر سویا تھا۔ لیکن اُس وقت بستر پر ایک ٹکن بھی نہیں تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے وہ ساری رات خالی پڑا ہا ہو۔

طاہرہ نے اس سلسلے میں سکوت اختیار کر لیا۔

وہ سارا دن اُن دونوں کمروں میں چور دروازے تلاش کرتی رہی لیکن اُسے اس میں کامیابی نہیں ہوئی۔ اُس کمرے میں بھی جہاں اُسے پچھلی رات ایک دیوار میں خلاء نظر آئی تھی۔ اس وقت اُس کا نشان بھی نہ مل سکا۔

ساجد اور کمال سے دن بھر ملاقات نہ ہوئی البتہ سر شام ساگر آیا اور اُس نے بتایا کہ پولیس اسٹیشن میں پھر طلبی ہوئی ہے۔ لیکن گواہوں سمیت۔ لہذا اُسے اُن تینوں آدمیوں کو پھر تلاش کرنا پڑے گا جن کی شہادتیں درج کرائی گئی تھیں۔

اس مہم کے لئے طاہرہ نے خود سے اپنی خدمات پیش کیں۔

”میں آپ کو بہت تکلیف دے رہا ہوں۔“ ساگر نے شرمندگی طاہرہ کی۔ ”لیکن آپ کے

”چچا جان سے.... نواب عابد صاحب سے۔“

”نہیں محتمم طاہرہ.... کوئی بات ضرور ہے۔“ ساگر سر ہلا کر بولا۔ ”میرا خیال ہے کہ خود نواب صاحب بھی اب دفینے کے چکر میں پڑ گئے ہیں اور ان دونوں آدمیوں کی مدد سے اُسے حاصل کرنا چاہتے ہیں۔“

”ہو سکتا ہے یہی بات ہو۔“ طاہرہ نے کچھ سوچتے ہوئے کہا۔ لیکن چچا جان نے اس کا انطباع نہیں کیا۔

جواب میں ساگر نے کچھ نہیں کہا۔ کار چلتی رہی۔ تھوڑی دیر بعد اُس نے اُسے ایک

عمارت کے سامنے رکوایا اور طاہرہ کو منتظر رہنے کا اشارہ کرتا ہوا اندر چلا گیا۔

اب اچھی طرح اندر ہیرا پھیل گیا تھا۔ طاہرہ نے محسوس کیا کہ اُس نے اتنی دیر میں پورے سریم بالا کا پچکر لگاؤالا ہے۔ تھوڑی دیر بعد ساگر نے واپس آکر کہا۔

”وہ دونوں تو مل گئے اخترا اور ما نیکل.... ہو سکتا ہے راجن اب پولیس اشیش پہنچ گیا ہو۔“ پھر اُس نے دوسری طرف مڑ کر کہا۔ ”تم دونوں پیچھے بیٹھ جاؤ۔“

پچھلی نشت کا دروازہ کھلا اور دو آدمی اندر بیٹھ گئے۔ ساگر طاہرہ کے برابر جائیٹا۔

”اب ہمیں سیدھے پولیس اشیش ہی چنانچا ہے۔“ ساگر بولا۔

کار پھر چل پڑی۔ تھوڑی دیر تک چلتی رہی۔ پھر ساگر نے کہا۔

”اوہ ٹھیک یاد آیا۔ میں بھی کتنا حق ہوں۔ کہیں راجن ہیری کاٹھ میں نہ ہو۔ ذرا کار دائیں طرف موڑ لجھتے۔ یہاں بھی دیکھے لوں۔“

”راتست ٹھیک نہیں۔“ طاہرہ بولی۔

”تو پھر یہیں روک لجھتے۔ آپ تو تکلیف تو ہو گی۔ بہت دیر ہو گئی۔ ایک فرائیں چلانا پڑے گا۔“

طاہرہ نے سنان سڑک پر کار روک دی۔ لیکن اجنب نہیں بنڈ کیا۔ ہیئت لا یئس اور اندر کی لائٹ بدستور جلتی رہیں اخترا اور ما نیکل یا جو کچھ بھی اُن کے نام رہے ہوں پچھلی نشت ہی پر موجود تھے۔ راجن کی تلاش میں ساگر تھاگی تھا۔

طاہرہ اب بور ہونے لگی تھی اور سوچ رہی تھی کہ یہ تصدی بھی جلد ہی ختم ہو جائے تو اچھا ہے۔ اُس نے دونوں کہیاں اوپر اٹھا کر ایک انگڑائی لی لیکن ہاتھوں کے گرانے کی نوبت نہیں آئی کیونکہ وہ پیچھے سے پکڑ لئے گئے تھے۔ قبل اس کے کہ طاہرہ سختی ایک ہاتھ اُس کے منہ پر پڑا اور وہیں جم کر رہ گیا۔

فاؤشنیں پن وہاں ملا ہے.... لیکن....!“

”میں یہ کبھی بھی نہیں سوچ سکتا کہ اسکے ذمہ دار وہ دونوں ہیں۔ بھلا وہ میرے کمروں میں داخل کیسے ہو سکتے ہیں اور پھر وہ کمرہ مغلول تھا۔ میں ہمیشہ کسی نینڈ سوتا ہوں۔ لیکن یقین سمجھے اُس رات ایک سینٹ کیلے بھی میری آنکھ نہیں کھلی اور سارا سامان چوری ہو گیا۔ کیا یہ کسی آدمی کا کام ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اتنا فریج پر توڑنے میں اتنا شور ہوتا کہ مردے بھی قبروں سے نکل پڑتے۔“

”پھر وہاں.... اُس کے فاؤشنیں پن کا پایا جانا....؟“ طاہرہ نے سوال کیا۔

”بدروحوں کی حرکت۔ وہ اسی طرح وہاں سے انہیں بہٹانا چاہتی ہیں۔ اب دیکھتے تاکہ میں نے سب کچھ سمجھتے ہوئے بھی ان دونوں کے خلاف رپورٹ درج کر دیا ہے۔“

”مجھے تو وہ دونوں بھی بہوت ہی معلوم دیتے ہیں۔“ طاہرہ نے کہا۔ ”یقیناً وہ ساری رات سو نہ سکتے ہوں گے۔“

”میرا خیال ہے کہ اُن کے دماغوں میں فتوڑ ہے۔ وہ اُس روایتی دفینے ہی کے چکر میں ہیں۔“ میں لعنت بھیجا ہوں ایسے دفینے پر جس کے حصول کے لئے زندگی کو خطرے میں ڈالنا پڑے۔

ویسے یہ روایت بھی مجھے کو اس ہی معلوم ہوتی ہے.... آپ کا کیا خیال ہے؟“

”ہم سب بھی اسے کو اس ہی سمجھتے رہے ہیں۔“ طاہرہ بولی۔ ”ورثہ اب تک کوٹھی کا ایک ایک حصہ کھوڈا لاجاتا۔“

”مگر یہ دونوں ہیں کون۔“ ساگر نے تشویش آمیز لمحے میں کہا۔ ”اُس نے کل سب اپنکی سے کہا تھا کہ وہ جلال آباد یونیورسٹی کے شعبہ روانیات کا صدر ہے۔ لیکن جلال آباد یونیورسٹی میں روانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔“

”روحانیات کا شعبہ ہی نہیں ہے۔“ طاہرہ نے حیرت سے دھر لیا۔

”جی ہاں نہیں ہے۔ میں تحقیق کر چکا ہوں۔“

”بڑی عجیب بات ہے۔“ طاہرہ نے کہا۔ ”اب تو مجھے اس میں بھی شبہ ہے کہ ڈی۔ ایس۔ پی نصیر آبادنے اُن کی سفارش کی ہو گی۔“

”مجھے بھی یقین نہیں ہے۔“ ساگر بولا۔ ”یہاں کے انچارج نے اُس کے متعلق معلوم کرنا چاہا تھا لیکن ڈی۔ ایس۔ پی صاحب مل نہیں کے۔ وہ آج کل دورے پر ہیں۔“

”بس پھر کیا ہے۔“ طاہرہ نے خوش ہو کر کہا۔ ”سب انپکڑا نہیں پھانس لے گا۔“

”لیکن یہ بات آپ کو کس سے معلوم ہوئی تھی کہ ڈی۔ ایس۔ پی نے اُنکی سفارش کی تھی۔“

پھر انہی بند ہوتے ہی روشنی بھی گل ہو گئی۔ طاہرہ کو چیلی نشت پر کھینچ لیا گیا تھا۔ گرفت اتنی مضبوط تھی کہ جبکش کرنا بھی محال تھا۔
اس کی کاہاتھ بدستور اُس کے منہ پر بھارتا۔ اس کاوم گھنٹے لگا تھا۔ پھر اُسے ایسا محسوس ہونے لگا جیسے اس کاگلا بھی گھونٹا جا رہا ہو۔ ذرا سی دیر میں اُس کاڈ ہن گھری تاریکی میں ڈوب گیا۔ لیکن دوبارہ ہوش آنے میں بھی دیر نہیں لگی۔ کارا بھی تک جل رہی تھی اور اُس کے ہاتھ پیر بندھے ہوئے تھے۔ منہ میں حلق تک کپڑا ٹھوٹس دیا گیا تھا اور وہ سانس لینے میں دشواری محسوس کر رہی تھی۔
اندر کی روشنی بھی ہوئی تھی۔

بند شیل کچھ اس قسم کی تھیں کہ وہ حرکت بھی نہیں کر سکتی تھی۔
تھوڑی دیر بعد کار رک گئی اور اُسے کار سے نکال کر نیچے زمین پر ڈال دیا گیا۔ طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آسکا کہ وہ کس مقام پر ہے۔ کیونکہ چاروں طرف گہر اندر ہاتھا۔

پھر دو آدمیوں نے اُسے اٹھایا اور ایک طرف چلنے لگے۔ طاہرہ اندر ہیرے میں آنکھیں پھڑا رہی تھی اور اُس کا دل شدت سے دھڑک رہا تھا اور اب اُسے بچنے خوف محسوس ہونے لگا تھا۔ اُسے کمال اور ساجد یاد آئے لیکن وہ سوچنے لگی کہ ممکن ہے کہ وہ اب تک اُسے دھوکا دیتے رہے ہوں۔ ہو سکتا ہے کہ ساگر اور وہ ایک ہی پارٹی سے تعلق رکھتے ہوں۔ کچھ دیر بعد طاہرہ نے محسوس کیا جیسے وہ لوگ زینوں سے نیچے آتے رہے ہوں۔

دوسرے ہی لمحے میں کسی نے مارچ روشن کی اور وہ ساگر کے علاوہ اور کوئی نہیں تھا۔ وہ اُس کے آگے چل رہا تھا۔ طاہرہ عجیب قسم کی بدبو محسوس کر رہی تھی۔ سلیمان کی بو اور بساندھ۔ یقیناً یہ کوئی تہہ خانہ ہی تھا۔

”اب یہ اپنے پیروں سے چلے گی۔“ ساگر نے رک کر اُس پر مارچ کی روشنی ڈالتے ہوئے کہا۔ طاہرہ کو فرش پر ڈال دیا گیا۔ پھر اُس کے ہاتھ پیر رسیوں کی بندش سے آزاد ہو گئے۔ منہ سے کپڑا بھی نکال دیا گیا۔

”تم مجھے یہاں کیوں لائے ہو۔“ طاہرہ نے خوفزدہ آواز میں کہا۔

”ابھی معلوم ہو جائے گا۔“ ساگر نے نرم آواز میں کہا۔ ”تمہیں کوئی نقصان نہیں پہنچانا جائے گا۔ مطمئن رہو۔“
وہ پھر چل پڑے۔ یہ کوئی سرگم تھی جو تقریباً چھ فٹ چوڑی اور آٹھ فٹ اوپری رہی ہو گی۔

بدبو کی وجہ سے طاہرہ کا دم گھٹ رہا تھا۔

ساگر ایک ایسے دروازے کے سامنے رک گیا جس میں بڑا ساقفل پڑا ہوا تھا اور سرگم یہاں ختم ہونے کے بعدے دشاخوں میں تقسیم ہو کر مختلف ستون میں مزگئی تھی۔ ساگر نے قفل کھول کر دروازے کو دھکا دیا اور مارچ کی روشنی میں اندر جو کچھ بھی طاہرہ کو نظر آیا اُس کی ایک جھلک ہی رگوں میں خون منجمد کر دینے کے لئے کافی تھی۔ بے شمار بہیوں کے ڈھانچے۔ طاہرہ کے پیچھے کھڑے ہوئے آدمیوں نے اُسے اندر دھکیل دیا۔ طاہرہ کی جیج تہہ خانے میں گونج کر رہی تھی۔ وہ ان ڈھانچوں پر جاگری تھی۔ گرنے کے بعد بھی اُس کے منہ سے پے در پے کئی چیزوں نکل گئیں۔

ساگر نے ایک طرف رکھا ہوا منہ کے تیل کا لیپ روشن کر دیا۔ طاہرہ بے تحاشہ اٹھ کر دیوار سے جاگی اور ساگر ہنسنے لگا۔

”ڈور نہیں۔“ اُس نے نرم لمحے میں کہا۔ ”اگر تم میرے سوالات کے صحیح جوابات دو گی تو تمہارا یہ خشنہ نہیں ہو گا۔“

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔ کوئی چیز اُس کے حلق میں پھنس کر بولنے سے روک رہی تھی۔ ساگر اُسے غور سے دیکھ رہا تھا۔ اختر اور ماٹیکل دروازے کے دونوں طرف خاموش کھڑے تھے۔ ”وہ دونوں کون ہیں اور کہاں ہیں؟“ ساگر نے پوچھا۔

”مم... میں...!“ طاہرہ ہکلا کر رہا تھا۔

”ڈور نہیں...!“

”میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔“

”لیکن تم اُن سے برابر ملتی رہی ہو۔“

طاہرہ نے اثبات میں سر ہلا دیا۔

”پھر...!“

”میں نہیں جانتی کہ وہ کون ہیں۔ میں یہی معلوم کرنا چاہتی تھی کہ وہ کون ہیں۔“

”تم وہ قسم میرے کمرے سے اٹھا لے گئی تھیں... اور پھر اُسے وہیں ڈال گئی تھیں۔ کیا اُسی

نے ایسا کرنے کے لئے کہا تھا۔“

”اُسی نے کہا تھا۔“

”اور اُسی کے مشورے پر تم نے بھی روپوٹ درج کرائی تھی۔“

ظاہرہ نے پھر اثبات میں سرہلا دیا۔
”اور تم انہیں نہیں جانتیں۔“
”نہیں...!“

”بکواس ہے.... میں کبھی یقین نہیں کر سکتا۔“ ساگر کا لہجہ سخت ہو گیا۔
اور طاہرہ صرف تھوک نگل کر رہا گی۔

”وہ کہاں ہیں؟“ ساگر نے خونخوار آنکھوں سے گھور کر پوچھا۔
”ویسیں ہوں گے ویسیں.... اور میں کیا جاؤں۔“
”نہیں! وہ کل رات سے وہاں نہیں ہیں۔“

”پھر میں کیا بتائیں ہوں۔ آپ یقین کیجئے۔ میں ان کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی۔“

”تم جھوٹی ہو۔“ ساگر نے گرج کر کہا۔

طاہرہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اس کی کچھ میں نہیں آرہا تھا کہ کس طرح اس مصیت سے پیچا چڑھاے۔ وہ اپنی حالت سنبھالے رکھنے کیلئے انتہائی جدوجہد کر رہی تھی۔ وہ حقیقت کمال اور ساجد کے متعلق کچھ بھی نہیں جانتی تھی اُسے بتائی کیا۔ بہر حال وہ انہیں دونوں کی بدولت اس مالمعجم و بال میں پھنسی تھی اور اب وہ اپنے ایڈوپچر کے شوق کو دل ہی دل میں سلواتش ساری تھی۔

”یوں نہیں جتاب۔“ دروازے کے قریب کھڑے ہوئے آدمیوں میں سے ایک نے کہا۔
”صرف ایک چھٹاںک خون.... عقل ٹھکانے آجائے گی۔“

”جبور اکوئی نہ کوئی اذیت دینی ہی پڑی گی۔“ ساگر طاہرہ کے چہرے پر نظر جمائے ہوئے بولا۔
”میں کچھ نہیں جانتی ساگر صاحب۔“ طاہرہ گزگزائی۔

”نه جانتی ہوگی۔“ ساگر نے لاپرواںی سے کہا۔ ”خراب اپنی معلومات میں اضافہ کر د۔ وینا کے بہترے عجائب ایسیں تک تھماری نظرؤں سے نہ گزرے ہوں گے۔ تم ایک ذہین لڑکی ہو۔ اس لئے میں چاہتا ہوں کہ تمہاری جزل نائج میں اضافہ ہو۔ کیا تم آدم خور چوہوں کے متعلق علم رکھتی ہو۔“

طاہرہ کچھ نہیں بولی۔

ساگر نے تھوڑی دیر بعد پھر کہا۔ ”تم نہیں جانتیں لیکن میں تمہیں دکھاؤں گا۔ اختر... وہ بخیرہ لاو....!“
اختر چلا گیا۔ ساگر کے ہوتوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ طاہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

”میں نہیں چاہتا تھا کہ نواب عابد کے خاندان کا کوئی فرد اس پکر میں پُر کر موت کا شکار ہو۔
لیکن تم نے مجھے مجبور کر دیا۔ تم ان خوفناک چوہوں کے ساتھ یہاں چھوڑ دی جاؤ گی اور صرف دو
دن بعد ہمیں یہاں پڑیوں کا ایک نیا چبھرہ ملے گا۔“
طاہرہ کا نپ گئی۔

ساگر پھر کچھ کہنے ہی والا تھا کہ بھاگتے ہوئے قدموں کی آواز سنائی دی اور دوسرے ہی لمحے
میں اختر خالی ہاتھ کمرے میں داخل ہوا۔
”کیا بات ہے۔“ ساگر نے حرمت سے پوچھا۔

”جناب! یہاں ہمارے علاوہ بھی اور کوئی موجود ہے۔“ اختر ہاپٹا ہوا بولا۔
”ہشت کیا بکواس ہے۔ تم نے کسی کو دیکھا ہے۔“
”بھی نہیں آئیں سنی ہیں۔“

”وہم ہے.... جاؤ.... چبھرہ لاو.... وہ بہت دنوں سے بھوکے ہیں اور پھر آج انہیں زندہ
گوشت ملے گا.... جاؤ....!“

”ساگر صاحب! خدا کے لئے۔“ طاہرہ گزگزائی۔

”مجھے خدا سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ ویسے وہ چوہے آج ضرور خدا کا شکر ادا کریں گے۔“
اختر دوبارہ چلا گیا تھا اور اب کمرے پر خاموشی مسلط تھی۔ ویسے طاہرہ کو یہی محسوس ہو رہا تھا
جیسے اس کی ہر سانس چیخ رہی ہو۔ دل کنپیوں میں دھرم کا معلوم ہو رہا تھا۔

اچاک پھر دوڑتے ہوئے قدموں کی آواز آئی اور اختر دھڑام سے اندر آگرا۔

”جناب.... جتاب....!“ وہ نبڑی طرح ہانپ رہا تھا۔ ”میں نے کسی کو دیکھا ہے۔“
”ضرور دیکھا ہو گا۔“ ساگر تین انداز میں مکرایا۔ ”اختر میں تمہیں اچھی طرح جانتا ہوں تم
چاہے ہو کہ یہ لڑکی صرف آج کی رات نک جائے۔“

”جناب یقین کیجئے....!“

”ماں تکل تم جاؤ....!“ ساگر کا لہجہ بہت سرد تھا۔

”ٹھہریے۔“ طاہرہ اپنا کانپتا ہوا تھا اخھا کر بدقت بولی۔ ”میں بتاتی ہوں۔ بچا جان نے ان
دونوں کو سمجھا ہے.... دفینہ تلاش کرنے کے لئے.... میں نے بچا جان سے وعدہ کیا تھا کہ انہیں
اس کام میں مددوں گی۔ وہ دونوں ڈاکو ہیں بیکوں کی تجویریاں توڑتے ہیں۔ نقب لگاتے ہیں۔“
”کھیاں مار کر شمار کرتے ہیں۔“ ساگر نے قہقهہ لگایا۔ پھر تین لمحے میں بولا۔ ”اب تم کچھ بولیا
اختر چلا گیا۔ ساگر کے ہوتوں پر مسکراہٹ تھی اور وہ طاہرہ کی طرف دیکھ رہا تھا۔

اچاک اسکی نظر لو ہے کی سلاخ پر پڑی اور اُس نے جھپٹ کر اُسے اٹھا لیا۔ پھر وہ آندھی کی طرح ساگر اور کمال کی طرف بڑھی۔ دونوں گتھے ہوئے تھے۔ اس نے سلاخ ساگر کے سر پر رسید کر دی مگر دوسرے ہی لمحے میں اسکے ہاتھ پر پھول گئے کیونکہ وہ کراہ ساگر کی نہیں بلکہ کمال کی تھی۔

وہ سب کیا تھا

غلطی کا احساس ہوتے ہی سلاخ اُس کے ہاتھ سے چھوٹ پڑی اُس نے بد حواسی میں ساگر کی بجائے کمال کے سر کو نشانہ بنالیا تھا۔ یہ لمحہ واقعی عجیب تھا۔ طاہرہ اُن دونوں پر جھکی ہوئی تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کیا کرے۔ دفتار ساگر اچھل کر الگ ہٹ گیا۔ ریو اور اُس کے ہاتھ میں تھا اُس نے کمال پر فائر کر دیا جو اٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ طاہرہ نے اُسے اچھل کر دوسری طرف گرتے دیکھا اور وہ پا گلوں کی طرح ساگر پر ٹوٹ پڑی۔ پھر فائر ہوا اور گولی اُس کے دامنے بازو اور پسلیوں کے درمیان سے نکل گئی۔

طاہرہ کو دراصل ہوش نہیں تھا کہ وہ کیا کر رہی ہے۔ کمال نے پھر ساگر پر چھلانگ لگائی اور طاہرہ بڑیوں کے ڈھانچے پر جا پڑی اُس نے ساگر کو کمرے سے بھاگتے دیکھا۔ لیکن کمال اُس کے پیچے جانے کی بجائے ماںکل پر جھپٹا جو ساجد کو زمین پر گرانے ہوئے اُس کا گلاغونٹ رہا تھا۔

دوسرے ہی لمحے میں طاہرہ نے اُسے کمال کی گرفت میں دیکھا وہ اُسے اپنے سر سے اوپجا اٹھانے لئی کوشش کر رہا تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے اُس نے اُسے فضائی بلند کر کے سامنے والی دیوار پر دے مارا۔

ماںکل کے حلنے سے ایک ہی چیز نکل سکی۔ ہو سکتا ہے کہ وہ آخری چیز رہی ہو۔ طاہرہ اب بھی بڑیوں کے ڈھانچوں پر بے حصہ حرکت پڑی ہوئی تھی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اُس کے جسم میں آنکھوں اور تیزی سے دھڑکتے ہوئے دل کے علاوہ اور کچھ بھی نہ ہو۔ کمال نے آگے بڑھ کر اُسے اٹھایا۔

چھوٹ میرے چوہے آج رات بھوکے نہیں رہیں گے اور اختر تم کب تک اس طرح زمین پر پڑے رہو گے..... انھوں۔

اختر ہاتھ فیک کر اٹھ رہا تھا کہ ماںکل نہ جانے کس طرح اُس کے اوپر آگرا اور دونوں کی چیزیں تھے خانے میں گونج کر رہے گئیں۔

ساگر جھلا کر پلنا۔ لیکن اُس کے مند سے بھی ایک تحریر آمیز آواز نکلی اور طاہرہ کی آنکھیں تو پہلے ہی پھیل گئی تھیں۔

دروازے میں کمال کھڑا نہیں گھور رہا تھا۔ اس کے دامنے ہاتھ میں ریو اور تھا۔ ”میں یہ پوچھنے کے لئے آیا ہوں ساگر صاحب۔“ اُس نے سنجیدگی سے کہا۔ ”کہ آپ یہ ڈھانچے کس حساب سے فروخت کریں گے۔ یہ اتنے ہی میں یا کچھ اشناک کسی دوسرے گودام میں بھی ہے۔“

”تم یہاں سے نق کر نہیں جاسکتے۔“ ساگر غرباً۔ اس کی پھر تی یقیناً بڑی حیرت اگیز تھی۔ اس نے طاہرہ کو اپنے آگے کر کے بازوؤں میں جکڑ لیا تھا اور کمال کے ریو اور کارخ طاہرہ کے سینے کی طرف تھا۔ لیکن اب طاہرہ کو نہ جانے کیوں اس کی ذرہ برابر بھی پرداہ نہیں رہ گئی تھی۔ اُس نے رہائی کے لئے ہاتھ پر مارنے شروع کر دیے۔

”آخر.... ماںکل....!“ ساگر چینا۔ لیکن اُن کے اٹھنے سے پہلے ہی ساجد کرے میں داخل ہو چکا تھا۔ اُس کے ہاتھ میں لو ہے کی ایک موٹی سی سلاخ تھی۔ پہلے اختر ہی سامنے پڑا۔ اور اُسے دوسرے ہی لمحے میں اپنا سر پکڑ کر ڈھیر ہو جانا پڑا۔

پھر ماںکل غرا کر جھپٹا۔ ساجد نے سلاخ گھمائی تو لیکن وہ ماںکل کی گرفت میں آگئی۔ پہلے سلاخ کے لئے زور ہوتا ہے پھر دونوں پیٹ پڑے۔ کمال آہستہ ساگر کی طرف بڑھ رہا تھا۔ اچانت اس کا پیر اختر کے سر سے بہتھے ہوئے خون پر پھسل گیا اور انتہائی کوشش پے باوجود بھی وہ نہ سنپھل سکا۔ اور وہ گرا اور ساگر نے طاہرہ کو چھوڑ کر اُس پر چھلانگ لگادی۔

ریو اور اب بھی کمال کے ہاتھ میں تھا اور ساگر اُسے چھین لینے کی کوشش کر رہا تھا۔ طاہرہ بے حصہ حرکت کھڑی اُن کی نکلش دیکھ رہی تھی۔ ماںکل یقیناً ساجد سے زیادہ طاقتور تھا۔ دونوں ایک دوسرے پر گھونے بر سار ہے تھے۔ طاہرہ کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیا کرے۔

”وہ.... وہ نکل گیا۔“ طاہرہ بدقت تمام بولی۔
”باہر نہیں نکل سکتا۔۔۔ میں نے ساری راہیں پہلے ہی مسدود کر دی چیز۔۔۔ مگر ریوال اُس کے پاس ہے۔۔۔“

قریب ہی ساجد کھڑا ہانپ رہا تھا۔

”آپ کے سر سے خون بہہ رہا ہے۔۔۔ اس نے کہا۔۔۔“

”محترمہ طاہرہ کی مہربانی ہے۔۔۔ وہ مسکرا یا۔۔۔“

”دیکھنے.... وہ.... غلطی....!“ طاہرہ اس سے زیادہ اور کچھ نہ کہہ سکی۔۔۔ نہ جانے کیوں اُس کی آنکھوں میں آنسوؤں کا طوفانِ امنڈ آیا اور وہ پھوٹ کر رونے لگی۔۔۔

”انہیں سن جاؤ۔۔۔“ کمال نے ساجد سے کہا اور کمرے سے نکل گیا۔۔۔

”میں تمہیں کس طرح سن جاؤں۔۔۔“ ساجد طاہرہ کے قریب جا کر بولا مگر وہ بدستور روئی رہی۔۔۔

”اب ایسی صورت میں میں بھی روشن اشروع کروں تو کیسی رہے۔۔۔“ ساجد نے کہا۔۔۔

طاہرہ اب بھی کچھ نہ بولی۔۔۔ اس وہ روئے جا رہی تھی اور اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ وہ کیوں رو رہتی ہے۔۔۔ اُس نے کئی بار اپنا نیچلا ہونٹ دانتوں میں دبا کر خاموش ہونے کی کوشش کی لیکن وہ ناتکام رہتی۔۔۔

”کیا یہ رونا بھی ایڈوپچر میں شامل ہے۔۔۔“ ساجد جل کر بولا۔۔۔

”مجھے افسوس ہے۔۔۔ مجھے افسوس ہے۔۔۔“ طاہرہ بدقت تمام بولی۔۔۔

اور ساجد اچھل پڑا۔۔۔ اس کی وجہ شائد فائزہ کی آواز تھی جسے طاہرہ نے بھی ساختا۔۔۔ وہ حیرت انگیز طور پر خاموش ہو گئی۔۔۔ بالکل اسی طرح جیسے کسی کار میں پورے بریک لگ گئے ہوں۔۔۔

ساجد دروازے کی طرف جھپٹا۔۔۔ طاہرہ بھی اُس کے پیچے بھاگی لیکن سرگنگ کے سرے پر پہنچ کر ساجدر ک گیا۔۔۔

طاہرہ بھی سوچنے لگی کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔۔۔

وہ تمن سرگنوں کے دہانے پر کھڑے تھے اور اس کا فیصلہ کرنا آسان کام نہیں تھا کہ آواز کدھر سے آئی تھی۔۔۔

”اُس طرح آگے بڑھنا بھی ٹھیک نہیں ہے۔۔۔“ ساجد بڑھایا۔۔۔ ”وہ اس وقت پاگل ہو رہا ہے اور اُس کے ہاتھ میں ریوال ہے۔۔۔“

”کمال صاحب تھا ہیں۔۔۔“ طاہرہ نے پھنسی پھنسی کی آواز میں کہا۔۔۔

”اُس کی پرواہ نہ کرو۔۔۔ تمہائی میں اُن کے ہاتھ بہت تیری سے چلتے ہیں۔۔۔“

”میں مطمئن نہیں ہوں۔۔۔“

”آہا....!“ ساجد جملائے ہوئے لجھے میں بولا۔۔۔ ”تمہیں میری ٹکر کیوں نہیں ہے۔۔۔ کمال صاحب میں کون سے سرخاب کے پر گئے ہوئے ہیں۔۔۔“

”آپ ایسی حالت میں بھی اپنی شرارتوں سے باز نہیں آ رہے ہیں۔۔۔“ طاہرہ نے تمہارا انداز میں کہا۔۔۔

”لیکن اسکے باوجود بھی آج تک میری شادی نہیں ہو سکی۔۔۔“ ساجد مھمندی سافس لیکر بولا۔۔۔ اور ٹھیک اسی وقت انہیں قدموں کی آواز آئی جو داہنی طرف کی سرگنگ سے آ رہی تھی۔۔۔ ”کون ہے؟“ طاہرہ نے سرگوشی کی۔۔۔

”چلنے کا انداز.... اپنے تمیں مار خالی کا ساہے۔۔۔“ ساجد بولا۔۔۔ اور پھر کمال روشنی میں آگیا۔۔۔

”وہ نکل گیا۔۔۔ اُس نے کہا۔۔۔ لیکن.... اب بھی میری دسترس سے باہر نہیں ہے۔۔۔ تم طاہرہ کو ان کے کرے میں لے جاؤ اور وہیں میرے منتظر رہتا۔۔۔“ ”میری کارنہ جانے کہاں ہو گی۔۔۔“ طاہرہ بڑھ رہا۔۔۔

”میں تمہاری کارنی پر واپس آؤں گا۔۔۔ جاؤ۔۔۔“

طاہرہ ساجد کے ساتھ چلتی رہی۔۔۔ اسے وقت کا بھی احساس نہیں رہ گیا تھا۔۔۔

اُسے اچھی طرح یاد نہیں کہ وہ کیسے اپنے کرے میں پہنچی۔۔۔ ساجد نے چور دروازہ کھلا دی رہنے دیا تھا۔۔۔

کورنیلیا موجود نہیں تھی اور کرہ باہر سے مقفل تھا۔۔۔

طاہرہ نے دیوار سے گلی ہوئی گھڑی کی طرف دیکھا۔۔۔ گیارہ نئے رہے تھے۔۔۔

”وہ یقیناً میری تلاش میں گئی ہو گی۔۔۔“ طاہرہ نے کہا۔۔۔

”وہ مبایہت اچھا تھی ہے۔۔۔“ ساجد بولا۔۔۔ ”کیا تم بھی ناقص تھی ہو۔۔۔“

”ساجد صاحب پتہ نہیں آپ دونوں کس قسم کے آدمی ہیں۔۔۔“

”ہم دونوں پیغمبان تم کے آدمی ہیں۔۔۔ کمال صاحب نسل آفریدی ہیں۔۔۔ اور میں میری سل کا پتہ آج تک نہیں چل سکا۔۔۔ دیے تلاش جاری ہے۔۔۔“

”مجھے ان حادثات کے متعلق بتائیجے۔۔۔“

دورہ پڑ جائے گا۔ ذہنی انتشار انہا کو پہنچ گیا تھا۔
دونوں ناچنے پتھر رک گئے۔ ریکارڈ سے ساؤٹ بکس اٹھادیا گیا اور ساجد نے طاہرہ سے کہا۔
”ابھی تو جبھی بھلی تھیں۔“

”تم لوگ مجھے پاگل بنا دو گے۔“ طاہرہ نے پھٹی پھٹی سی آواز میں کہا اور دوسرے کمرے میں
اک دروازہ بند کر لیا۔ وہ دونوں دوسرا طرف سے دروازہ ہی پیش کرے گئے۔
طاہرہ دونوں ہاتھوں سے سر پکڑ کر آرام کریں میں گر گئی۔

اُس پر سچ مجھ غشی کی طاری ہوتی جا رہی تھی۔

دوسری صبح اُسے کورنیلیا سے معلوم ہوا کہ کمال پچھلی رات آکر ساجد کو اپنے ہمراہ لے گیا
تھا۔ اس کے بعد سے دونوں کا کوئی پتہ نہیں اور کوئی کی کپڑا نہ پولیس والوں سے بھری ہوئی
ہے۔ طاہرہ بوكھلا کر باہر نکل آئی۔

حقیقتاً کپڑا نہ میں چاروں طرف پولیس ہی پولیس نظر آرہی تھی۔ طاہرہ عمارت کے مغربی
 حصے کی طرف چل پڑی لیکن وہاں سلسلہ پہرہ تھا۔ اُسے برآمدے میں بھی نہیں جانے دیا گیا۔
اُس نے ایک کافیلے سے کہا۔ ”میں کمال صاحب سے ملتا چاہتی ہوں۔“
”یہاں کوئی کمال والی نہیں ہے۔“ اُس نے جواب دیا۔
”کل تو تھے۔“

”میں نہیں جانتا۔ اور ہر جانے کی اجازت نہیں ہے۔“

طاہرہ چپ چاپ پلٹ آئی اور دن بھر خاموشی سے سب کچھ دیکھتی رہی۔ کمال اور ساجد کا
کہیں پتہ نہ تھا۔ گیراج سے ان کی کار بھی غائب تھی لیکن خود طاہرہ کی کار موجود تھی۔ اُسے اپنی کار
کے اسٹرینگ میں کاغذ کا ایک ٹکڑا بندھا ہوا نظر آیا۔ طاہرہ نے مضطربانہ انداز میں اُسے کھینچ کر
کھوں ڈالا۔ اس میں اُسکی کوختا کر کے کمال نے لکھا تھا۔

”ان واقعات سے متعلق اپنی زبان ہمیشہ بند رکھنا۔ میں تمہارا شکر گزار ہوں تم بہت دلیر
لڑکی ہو۔ بہت جلد تم سے دوبارہ ملاقات ہونے کی توقع ہے۔ پھر میں تمہیں سب کچھ بتا دوں گا۔“

طاہرہ نے اس تحریر کو کئی بار پڑھنے کے بعد کاغذ کا ٹکڑا بیاواڑ کے گریبان میں رکھ لیا۔
تین دن تک طاہرہ وہاں مقیم رہ کر پولیس کی کار و ایساں دیکھتی رہی۔ لیکن وہاں پولیس کی
موجوگی کی وجہ کی کو بھی نہ معلوم ہو سکی۔ کورنیلیا اس محول میں نہ ٹھہر سکی۔ وہ دوسرے ہی دن
سے رخصت ہو گئی تھی۔

”اگر یہ حادثات تھے تو مجھے ان پر پھر غور کرنا پڑے گا۔ کیونکہ میں تو ابھی تک پنگ پانگ کھیا
رہا ہوں لیکن اگر تم کمال صاحب سے پوچھو تو وہ کہیں گے کہ میں لوڑو کھیل رہا تھا۔ بس طاہرہ
صاحبہ! اس سے زیادہ میں کبھی کچھ نہیں جانتا۔“

”وہ بھیوں کے ڈھانچے کیسے تھے۔“

”کچھ پرانے تھے اور کچھ نئے۔ ویسے اپنے کام کا ایک بھی نہیں تھا۔“

”آپ مجھے چڑھا رہے ہیں۔“ طاہرہ جھنجھلا گئی۔

”میں بہت تحک گیا ہوں طاہرہ صاحبہ۔“ ساجد کچھ اور کہتے کہتے رک گیا پھر آہستہ سے
بول۔ ”شاید اور ہر کوئی آرہا ہے۔ اچھا میں چلا۔ ممکن ہے کورنیلیا ہو۔ میں دروازے کی طرف سے
واپس آؤں گا اور اُس وقت مجھے گرما گرم کافی کا ایک کپ در کار ہو گا۔ کورنیلیا سے ان واقعات کا
تذکرہ مت کرنا۔ کسی سے بھی نہیں سمجھیں۔“

ساجد چور دروازے میں اتر گیا اور دیوار برابر ہو گئی۔ ساتھ ہی کسی نے باہر کے قفل میں کنجی
گھمائی۔ آنے والی کورنیلیا ہی تھی۔ طاہرہ کو کمرے میں دیکھ کر اُس کے منہ سے ہلکی سی چیز نکلی۔ وہ
چیز ڈر گئی تھی۔ لیکن طاہرہ نے اُسے بتایا کہ شاید وہ دوسرا طرف کا دروازہ اندر سے بند کرنا
بھول گئی تھی وہ کھلا ہوا تھا۔ لہذا اُسے اندر چینچنے میں دشواری نہیں ہوئی۔

”تم سارگر صاحب کے ساتھ گئی تھیں۔“ کورنیلیا نے پوچھا۔

”ہاں پھر اُس کے بعد اپنے ایک عزیز کے گھر چل گئی تھی۔“ طاہرہ نے بات ختم کر دی۔
تحوڑی دیر بعد ساجد واپس آگئا۔ اس دوران میں طاہرہ نے کافی کے لئے ہیڑ پر پانی رکھ دیا۔
اُس کے آتے ہی نیا ہنگامہ شروع ہو گیا۔ اُس نے کورنیلیا کو پھر ربما پتھر پر آمادہ کر لیا۔
طاہرہ کو الجھن ہو رہی تھی۔ اُس کے ذہن پر اب بھی بھیوں کے ڈھانچے سلطنت تھے اور وہ سوچ رہی
تھی کہ اگر کمال اور ساجد وہاں نہ چینچتے تو اس کا کیا شر اوتا۔ آدم خور چو ہے۔۔۔ وہ کانپ گئی۔

گراموفون کی موسيقی کمرے میں گونج رہی تھی۔ کورنیلیا اور ساجد ناچ رہے تھے۔ پھر طاہرہ
کو ماہیکل یاد آیا ہے کمال نے دیوار پر دے مارا تھا۔ وہ سوچنے لگی کہ وہ تو یقیناً مر گیا ہو گا۔ اختر کے
سر پر ساجد نے سلاخ خاری تھی اور اب اتنے اطمینان سے ناچ رہا ہے جیسے چیج وہا بھی تک پنگ
پانگ ہی کھیلتا رہا ہو۔

موسیقی کے ساتھ ہی ساتھ کورنیلیا کے چینچنے ہوئے قہقہے بھی کمرے میں گونج رہے تھے۔
”بس بند کرو۔“ طاہرہ جھنجھلا کر چینی۔ اُسے ایسا محسوس ہو رہا تھا جیسے اس پر ہمسر یا قسم کا کوئی

ضمیمات سے تو اس کا کوئی تعلق نہیں معلوم ہوتا۔ ٹھیک گیارہ ہویں زینے کے نیچے والے تہہ خانے میں اُس کا بٹ ٹلکتہ حالت میں موجود ہے۔ یہ لوگ وہاں ہر ماہ کی گیارہ تاریخ کو انسانی قربانی دیا کرتے تھے۔ اس عمارت کی تاریخ بھی بتاتی ہے کہ وہ غدر سے پہلے ان ٹھگوں کی عبادت گاہ تھی۔ اُن کی نسلیں آج تک وہاں عبادت کرتی رہی ہیں اور ان کا طریقہ کار بھی تھا جو تم دیکھ اور سن سکی ہو۔ دوسروں کو یہ باور کرانے کی کوشش کی جاتی تھی کہ وہ حصہ آسیب زدہ ہے۔ لہذا لوگ اُس سے دور رہتے تھے۔ بہر حال یہ نہ ہب پوشیدہ طور پر اب تک زندہ رہا۔ اس کے مانے والوں کا خیال ہے کہ اگر وہ دیوتا کو انسان کی بھینٹ نہ دیں گے تو مفلس ہو جائیں گے۔ اُن کے نام، ہندوؤں مسلمانوں، سکھوں اور عیسائیوں کے سے ہیں لیکن حقیقتاً نہاب سے اُن کا کوئی تعلق نہیں۔ اُن کا دیوتا دوست کا دیوتا ہے۔ دولت اس کی رحمت ہے جوان پر نازل ہوتی ہے اور وہ اُسے خوش کرنے کے لئے اُس پر اپنے ہی جیسے انسانوں کو قربان کر دیتے ہیں۔ ساگر اُن کا نہ بھی پیشوای ہے۔ تمہیں معلوم ہے کہ وہ لینڈ کشم کا نیکٹر تھا۔ لیکن اُس سے زیادہ دولت مند شاید ہی ان اطراف میں اور کوئی نکل سکے۔ اس کا دیوتا تاریخوت کی شکل میں اس پر اپنی رحمتی نازل کرتا رہا۔ وہ لاکھوں کا آدمی ہے۔ اب تک تقریباً یہڑہ سوا فرادگر فقار ہو چکے ہیں لیکن ان میں ایک بھی مفلس نہیں ملا۔ انہیں انسانی خون کے عوض دولت ملی ہے۔

تحوڑی دیر کے لئے سکوت ہو گیا۔ پھر طاہرہ بولی۔
”لیکن آپ اس واقعے کو چھپانا کیوں چاہتے ہیں۔“

”مصلحت....!“ فریدی نے آہتہ سے کہا۔ ”تم جانتی ہو کہ یہ خبر آگ کی طرح ساری دنیا میں پھیل جائے گی اور ہم مہذب ممالک کے سامنے سراخانے کے قابل نہ رہ جائیں گے۔ تم خود سوچو کتنی بُری بات ہے۔“

”ہے تو....!“

”تم نے ہڈیوں کے ڈھانچے دیکھے تھے۔ ایسے ہی سیکڑوں ڈھانچے دوسرے تہہ خانوں میں پڑے ہیں۔ یہ سب انہیں آدمیوں کے ڈھانچے ہیں جو اب تک اُس خونی دیوتا پر قربان کے جاتے رہے ہیں۔ ان کم بختوں کے پاس سے کئی طرح کی بیانیں برآمد ہوئی ہیں۔ گوشت خور چو ہے۔ خوفناک بن مانس۔ مردہ خور بوجو مگر حیرت ہے کہ یہ لوگ اب تک بچے رہے۔“

طاہرہ خاموش رہی۔ وہ کچھ نہیں کہنا چاہتی تھی۔ مگر سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ کیا کہنا چاہتی ہے آخر اُس نے بھرائی ہوئی آواز میں کہا۔

تیرے دن طاہرہ نے بھی اپنا سامان کار کی اٹھنی میں رکھا دیا لیکن پولیس والوں نے کوئی تعریض نہ کیا۔ طاہرہ کے ذہن پر عجیب طرح کی اداسی مسلط تھی۔ اُسکی کار سریم بالا کی پیچیدہ اڑائیوں سے نکل کر میدان میں آگئی۔ آج وہ بہت بے دلی سے ڈرائیور رہی تھی۔ اُسے تیز قسم کی ڈرائیوگ سے عشق تھا۔ لیکن آج اُسکی کار کی رفتاد بہت کم تھی۔ اچاک ایک تیز رفتار کار برابر سے نکل اور کوئی گلی کی چیز اُس کے گال سے نکلا کر گرد میں آ رہی۔ یہ کیلے کا چھپلا تھا۔ یک بیک اُس کا دل خوشی سے ناج اٹھا۔ دوسری کار آگے جا کر زک گئی تھی۔ طاہرہ نے رفتار بڑھا دی اور چشم زدن میں اُس کے برابر پہنچ گئی۔ اسٹریمگ کے سامنے ساجد بیٹھا ہوا گل کھجارتھا اور کمال پچھلی نشست پر تھا۔ طاہرہ سے نظر ملتے ہو وہ عجیب انداز سے مکریا۔ پھر وہ سب کاروں سے نیچے اتر آئے۔

”میں تمہارا شکر گزار ہوں کہ تم نے کسی سے اُس کا تذکرہ نہیں کیا۔“ کمال نے کہا۔ ”آؤ اور ہر درخت کے نیچے آجائو۔“

وہ ایک سایہ دار درخت کی نیچے جا بیٹھے۔ ساجد خاموش تھا۔ ”کسا تذکرہ کسی سے کبھی مت کرتا۔“ کمال نے اپنا دینگ کارڈ نکل کر طاہرہ کی طرف بڑھاتے ہوئے کہا اور دفعتاً طاہرہ کی آنکھیں حیرت سے پھیل گئیں۔ کارڈ پر تحریر تھا۔ ”کرنل فریدی۔“

”آپ.... آپ....!“

”ہاں! میں ایک بار پھر تمہارا شکر یہ ادا کرتا ہوں۔ تم نے ہماری بہت مدد کی ہے۔“ طاہرہ کو سکتہ سا ہو گیا تھا۔ وہ اس وقت ملک کے ایک بہت بڑے آدمی سے ہم کلام تھی وہ جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔

”میرے وزینگ کارڈ ابھی چھپ کر نہیں آئے۔“ ساجد نے اسامنہ بنا کر بولا۔ ”ورسہ تم میری شخصیت سے بھی واقف ہو جاتی۔ لوگ مجھے کیپن حید کے نام سے یاد کرتے ہیں اور بھلا دیتے ہیں۔“

طاہرہ خاموش ہی رہی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آرہا تھا کہ اُسے کیا کہنا چاہئے۔

”ساگر گرفتار ہو گیا ہے۔“ فریدی نے کہا۔ ”وہ دنہوں اور فرشتوں کا گروہ تھا۔ اُن کے آباؤ اجداد نہگ تھے مگر غالباً ان ٹھگوں سے مختلف جو کامل دیوی کے پیاریوں میں سے تھے اور اُسے انسانوں کی بھینٹ دیا کرتے تھے۔ ان لوگوں کا دیوتا کالی سے مختلف ہے۔ کم از کم اپنے یہاں کی

”آپ مطمئن رہئے۔ میرے گھروں کو بھی اس کا علم نہ ہونے پائے گا۔“

”شکریہ....!“ فریدی بولا۔ ”اور میں ایک بار پھر اس کا اعتراف کروں گا کہ تم عام عورتوں سے بہت مختلف ہو۔ بہت دلیر۔ لیکن ساتھ ہی یہ نصیحت بھی کروں گا کہ آئندہ اللئے سیدھے ایڈوپچر سے احتراز کرنا۔ اکثر تم آنکھیں بند کر کے بہت آگے بڑھ جاتی ہو۔“

طاہرہ کچھ نہ بولی۔ نہ جانے کیوں وہ سوچ رہی تھی کہ فریدی کو اس کے علاوہ بھی اور کچھ کہنا چاہئے۔ لیکن اُس نے اور کچھ نہیں کہا۔ پھر دونوں بہت ہی مخلصانہ انداز میں مصافر کر کے رخصت ہو گئے۔

طاہرہ کے ذہن پر کئی دنوں تک اُداسی چھائی رہی۔
وہ اکثر بے خیالی میں بڑبرانے لگتی۔ ”کمال کاش تم... بیچ مج کمال ہوتے۔ ایک گمان
خیصت.... ایک معمولی آدمی....!“

پھر خود ہی کہتی۔ ”کیا بکواس ہے.... میں.... کیا بک رہی ہوں۔ وہ کسی نادل کا پلاٹ نہیں
تھا۔ کسی فلم کی کہانی نہیں تھی جس میں میں نے ہیر و گن کارول ادا کیا ہو۔“
لیکن وہ بے نام کی اداسی ہر وقت اُس کے ذہن پر چھائی رہتی۔ وہ زبردستی ہنسنے کی کوشش
کرتی.... بے تحاشہ قہقہے لگاتی.... لیکن اس کے بعد اس کا دل اور زیادہ ڈوبنے لگتا۔

ختم شد